چشمۂ عرفان

بجواب

تحریک قادیان

مصنفہ

جناب مولوی محمد یعقوب صاحب مولوی فاضل

اسسٹنٹ ایڈیٹر اخبار الفضل قادیان

ضلع گورداسپور (پنجاب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اے درخشم چوں قمر تابم چو قرصِ آفتاب
کور چشم آنانکہ در انکارہا افتادہ اند
(المسیح الموعودؑ)

حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات پر مخالفین سلسلہ کے اعتراضات کے جواب

یاقومنا اجیبوا داعی اللہ وآمنوا بہ (۲۶/۳۲)

"میں بیت اللہ میں کھڑے ہو کر یہ قسم کھا سکتا ہوں۔ کہ وُہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے۔ وہ اسی خدا کا کلام ہے۔ جس نے حضرت موسےٰؑ اور حضرت عیسےٰؑ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر اپنا کلام نازل کیا تھا" (ایک غلطی کا ازالہ)

متشابہات کے متعلق دشمنانِ حق کا طریق عمل

قرآن کریم کے مطالعہ اور گذشتہ انبیاء علیہم السّلام کے حالات پر غور کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ دُنیا کی ہدایت و راہنمائی کے لئے جب اپنے کسی رسول کو مبعوث فرماتا ہے۔ تو اسے جن آیات سے بہرہ ور فرماتا ہے۔ ان کا ایک حصّہ محکمات پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور دوسرا متشابہات پر۔ محکمات ان نشانات کو کہا جاتا ہے۔ جو نہایت ہی اجلیٰ اور روشن طریق پر پورے ہو کر جہاں مومنوں کے لئے ازدیاد ایمان کا موجب بنتے ہیں۔ وہاں منکرین پر حجت قائم کر دیتے اور ان کے لئے بالعموم اعتراض کرنے کا موقع باقی نہیں رکھتے لیکن متشابہات اپنے اندر ایک قسم کا اخفا کا پہلو رکھتے ہیں۔ اس لئے وُہ لوگ جنہیں راستی کی تلاش نہیں ہوتی۔ اور جن کے قلوب کجروی کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ محکمات کو نظر انداز کرتے ہوئے متشابہات پر اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ قرآن مجید نے اس محولہ بالا حقیقت

کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ھو الذی انزل علیک الکتٰب منه آیاتٌ محکماتٌ ھن ام الکتٰب و اُخر متشابهات فاما الذین فی قلوبهم زیغٌ فیتبعون ماتشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاویله وما یعلم تاویلهٗ الا الله۔ والراسخون فی العلم یقولون آمنّا به کلٌ من عند ربنا (آل عمران ع) یعنی خدا ہی ہے۔جس نے تجھ پر وہ کتاب نازل کی۔جس کی بعض آیات تو محکم ہیں جو ام الکتاب ہیں۔اور بعض متشابہات ہیں۔جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے۔وُہ متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔جس سے ان کی غرض یہ ہوتی ہے۔کہ فتنہ پیدا کریں۔اور غلط تاویلیں کر کے لوگوں کو ہدایت سے دُور رکھیں۔حالانکہ ان متشابہات کی صحیح تاویل سوائے اللہ تعالےٰ اور ان لوگوں کے جو علومِ روحانیہ میں دسترس رکھتے ہیں۔اور کوئی نہیں جانتا۔مگر مومن ہمیشہ یہ کہتے ہیں۔کہ ہم سب آیات پر ایمان لائے۔محکمات و متشابہات دونوں خداتعالیٰ کی طرف سے ہیں۔

تفسیر بیضاوی میں متشابہات کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے۔لا یتضح مقصودها لاجمالٍ او مخالفة ظاهرٍ الاّ بالفحص والنظر۔یعنی متشابہات ان آیات کو کہتے ہیں۔جن کا صحیح مفہوم بوجہ اجمال کے یا اس وجہ سے کہ ان کا حقیقی مفہوم ظاہری الفاظ کے خلاف ہوتا ہے۔واضح نہیں ہوتا۔ہاں غور اور تدبر کیا جائے۔تو مفہوم ظاہر ہو جاتا ہے اسی طرح یتبعون ماتشابه منه کی تفسیر میں لکھا ہے۔فیتعلقون بظاهرهٖ او بتاویلٍ باطلٍ۔یعنی کجرو لوگ یا تو متشابہات کے ظاہری مفہوم پر جم جاتے ہیں۔یا کوئی باطل تاویل شروع کر دیتے ہیں۔تاکہ لوگوں کو شبہات میں ڈال کر انہیں سچائی سے دُور رکھیں۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا انتباہ

قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت اور اس کی تفسیر سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے۔کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ جب بھی نشانات و معجزات کا نزول ہوتا ہے۔تو اس کا ایک حصہ جہاں محکمات پر مشتمل ہوتا ہے۔وہاں دوسرا حصہ متشابہات پر حاوی ہوتا ہے۔جس سے مقصد یہ ہوتا ہے۔کہ مومنوں اور کج طبع انسانوں میں امتیاز پیدا ہو جائے۔یہی وجہ ہے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔اذا رأیت الذین یتبعون

ماتشابه منه فاولٰئک الذین سمی الله فاحذروهم (بخاری کتاب تفسیر القرآن) یعنی جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو۔جو متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔تو فوراً سمجھ لو۔کہ انہی کا اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں ذکر کیا۔پس تم ان سے بچو۔تا وہ تمہیں کسی فتنہ میں مبتلا نہ کر دیں

قرآن کریم میں ایک اور جگہ بھی یہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔اللہ تعالےٰ مخالفین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔کذّبوا بما لم یحیطوا بعلمهٖ ولما یأتهم تاویلهٗ۔کذالک کذب الذین من قبلهم (یونس ع)، یعنی ان لوگوں نے اللہ تعالےٰ کی ان آیات کو جھٹلا دیا۔جس کے علم پر انہوں نے احاطہ نہیں کیا۔اور جس کی صحیح تاویل ابھی تک ان کے پاس نہیں آئی۔مگر یہ کوئی نئی بات نہیں۔پہلے لوگوں نے بھی اللہ تعالےٰ کی آیات کو اسی طرح جھٹلا دیا تھا۔

انبیاء علیہم السلام کے دشمنوں کی دیرینہ عادت

غرض قرآن مجید کی آیات سے یہ امر ظاہر ہے۔کہ دشمنانِ انبیاء کی یہ دیرینہ عادت ہے کہ وُہ محکمات کو نظر انداز کر دیتے اور متشابہات پر اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہیں۔اسی وجہ سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو کفار یہ کہا کرتے تھے۔ائتِ بقرآنٍ غیر هٰذا او بدّله۔(یونس ع)، یعنی ہم اس قرآن اور اس کی آیات و الہامات کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لا۔یا اسی کے الہامات میں تبدیلی کر دے مگر فرمایا۔قل ما یکونُ لی ان ابدّلهٗ من تلقاءِ نفسی۔اِنْ اتّبعُ الاّ ما یُوحیٰ الیّ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔کہ میں قرآن مجید کے الہامات کو اپنی طرف سے بدل دوں۔میں تو وحیٔ الٰہی کی پیروی کرنے والا ہوں۔جیسے میری طرف وحی ہوتی ہے۔میں اسی رنگ میں اُسے پہونچا دیتا ہوں۔

اصلاحِ خلق کے لئے حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت

سنت قدیم کے مُطابق اللہ تعالےٰ نے موجودہ زمانہ میں جب اصلاح خلق کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔تو آپ کی تائید کے لئے اللہ تعالےٰ کی طرف سے اگرچہ لاکھوں نشانات ظاہر کئے گئے۔مگر جیسا کہ قرآن مجید کی آیات میں محکمات بھی ہیں۔اور متشابہات بھی۔اسی طرح ضروری تھا۔کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات میں محکمات کے علاوہ متشابہات بھی ہوتے۔اور جس طرح قرآن مجید کے متشابہات پر دشمنانِ

اسلام آئے دن کئی قسم کے اعتراضات کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح احمدیت کے مخالفین بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان الہامات پر جو متشابہات کا رنگ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اعتراضات کرتے۔ کیونکہ جس طرح اللہ تعالےٰ کے انبیاء ایک ہی رنگ میں رنگین ہوتے ہیں۔ اسی طرح دشمنانِ انبیاء بھی الکفر ملۃ واحدۃ کے مطابق ایک ہی جیسے ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی آتا ہے۔ کذالک قال الذین من قبلھم مثل قولھم تشابھت قلوبھم۔ یعنی اس قسم کے اعتراض پہلے مخالف بھی کیا کرتے تھے۔ ان کے دل آپس میں مل گئے۔

اس حقیقت کے پیشِ نظر اگر کوئی شخص مخالفین احمدیت کے اعتراضات پر غور کرے گا تو لامحالہ اُسے یہ اقرار کرنا پڑے گا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیوں اور الہامات پر اعتراضات کرتے وقت وُہ ان چند پیشگوئیوں یا گنتی کے ان چند الہامات کو تو لے لیتے ہیں۔ جن میں سنت اللہ کے ماتحت تشابہ واقع ہے۔ مگر کبھی وہ ان لاکھوں نشانات کا ذکر نہیں کرتے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا عدیم المثال ثبوت ہیں۔ اور جن کی حقانیت پر زمین و آسمان گواہ ہیں۔ اور ناممکن ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کے انبیاء کے سوا کسی سائنس دان فلسفی یا رمال اور نجومی میں ان کی نظیر پیش کر سکیں۔ یقیناً یہ ایک غیر دیانتدارانہ فعل ہے۔ اور ایسے ہی آدمیوں پر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان صادق آتا ہے کہ اذا رأیت الذین یتبعون ما تشابہ منہ فاولئک الذین سمی اللہ فاحذروھم (بخاری) یعنی جب تم اس قسم کے معترضین کو دیکھو۔ جو محض متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ تو جان لو۔ کہ انہی کا خدا تعالےٰ نے قرآن کریم میں ذکر کیا ہے پس ان سے بچو۔

محکمات پر نگاہ ڈالو!

ان تمہیدی سطور کی ضرورت اس لئے پیش آئی۔ کہ "تحریک قادیان" میں سید حبیب نے احمدیت کے ناقابل قبول ہونے کی دسویں دلیل بیان کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض ایسے ہی الہامات کو قابل اعتراض ٹھہرایا ہے۔ جو متشابہات کے ضمن میں آتے ہیں۔ اور جن کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ ارقام فرمایا ہے کہ مجھے ان کے معانی کی تفہیم نہیں ہوئی۔ مگر ان ہزاروں الہامات کا ذکر تک نہیں کیا جنہوں نے پورے ہو کر دُنیا میں انوار کا ایک دریا بہا دیا۔ اور حق پسند طبائع پر آپ کی صداقت کو

نصف النہار کی طرح روشن کر دیا۔ یہ باور نہیں کیا جا سکتا۔ کہ سید صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب سے قابل اعتراض الہام تو نظر آئے۔ یا ایسے الہام تو دکھائی دیئے جن کے متعلق آپ نے لکھدیا۔ کہ مجھے ان کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ مگر وہ ہزاروں الہامات نظر نہ آئے۔ جن کے متعلق آپ کا دعویٰ ہے۔ کہ وہ خدا تعالےٰ کی طرف سے نازل ہوئے اور پھر اپنے وقت پر لاکھوں آدمیوں کی موجودگی میں پورے ہو گئے۔ حق پسندی اور دیانتداری کا تقاضا تھا۔ کہ وُہ متشابہات پر ہی اپنی نظر نہ رکھتے۔ بلکہ محکمات کو بھی دیکھتے۔ کیونکہ قرآن مجید نے محکمات کو مقدم قرار دیا ہے۔ اور فرمایا ہے۔ کہ ھن ام الکتاب۔ محکمات ام الکتاب ہوتے ہیں۔ یعنی جس طرح بچہ اپنی ماں کی طرف جھکتا اور اس سے امداد کا طالب ہوتا ہے اسی طرح متشابہات کے معنوں کی وضاحت کے لئے ان کو محکمات پر حمل کرنا چاہیئے۔

آئندہ زمانہ میں پورے ہونیوالے الہامات

اس قسم کے معترضین کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہزاروں الہامات نے آپ کا منجانب اللہ ہونا ثابت کر دیا ہے۔ اگر بعض ایسے الہامات ہیں۔ جو ابھی تک پورے نہیں ہوئے۔ تو دُنیا کو صبر کرنا چاہیئے۔ ایک وقت آئے گا۔ اور یقیناً آئے گا جبکہ وُہ الہامات بھی پورے ہو جائینگے۔ اللہ تعالےٰ کی یہی سنت ہے۔ کہ وُہ یکدفعہ اپنی تمام پیشگوئیوں کو پورا نہیں کرتا۔ بلکہ آہستہ آہستہ کرتا ہے۔ خود رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک فالینا مرجعھم (یونس ع ۵ و مومن ع ۸) یعنی کفار کے متعلق جو ہماری طرف سے وعدے کئے جاتے ہیں۔ ان کے متعلق دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو ان میں سے "بعض" کو پورا ہوتے تجھے دکھلا دیں۔ یا تجھے وفات دیدیں۔ اور بعد میں انہیں پورا کریں۔ بہرحال کفار نے ہمارے پاس ہی آنا ہے۔ ہم ان سے نپٹ لینگے۔ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ تمام پیشگوئیاں نبی کی زندگی میں ہی پوری نہیں ہوتیں۔ بلکہ ان کا ایک حصہ آئندہ زمانہ کے لئے موجود رہتا ہے۔ تا ہر زمانہ کے لوگوں کا ایمان اس نبی کی صداقت کے متعلق تازہ ہوتا رہے۔

قرآن و احادیث سے بعض مثالیں

اس قسم کی پیشگوئیوں کی بہت سی مثالیں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی

میں نظر آتی ہیں۔ مثلاً بخاری باب التعبیر میں آتا ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا خزائن الارض کی چابیاں آپ کے ہاتھ میں دی گئیں۔ یہ فتوحاتِ اسلامی کے متعلق اللہ تعالےٰ کی ایک پیشگوئی تھی۔ مگر تمام دنیا جانتی ہے۔ کہ خزائن الارض کی چابیاں آپ کو نہیں بلکہ آپ کے خلفاء کو دی گئیں۔ حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ بینما انا نائم البارحة اذ اتیت بمفاتیح خزائن الارض حتی وضعت فی یدی۔ قال ابوھریرۃ فذھب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانتم تنتقلونھا (جلد ۴ صفحہ ۱۴۳ مصری) یعنی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں سو رہا تھا۔ کہ خزائن الارض کی چابیاں میرے پاس لائی گئیں۔ یہاں تک کہ وہ میرے ہاتھ میں رکھدی گئیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم تو وفات پا گئے۔ مگر اے صحابہؓ اب تم ان خزانوں کو جمع کر رہے ہو۔ اسی طرح رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اعطیتُ الکنزین الاحمر والابیض (ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۳۴ مطبوعہ مجتبائی) یعنی مجھے سُرخ و سفید دو خزانے (قیصر و کسریٰ کے) دیئے گئے۔ نیز فرمایا اعطیت مفاتیح الشام واللہ انی لابصر قصورھا الحمر الساعة۔ اللہ اکبر اعطیت مفاتیح فارس اللہ اکبر اعطیت مفاتیح الیمن (کنز العمال کتاب الغزوات جلد ۵ صفحہ ۲۷۸) یعنی مجھے شام کے خزانے دیئے گئے۔ اور میں اس کے سُرخ محل یہیں سے دیکھ رہا ہوں۔ اسی طرح مجھے فارس کے خزانے دیئے گئے۔ اور میں مدائن کے محلات دیکھ رہا ہوں۔ اللہ اکبر مجھے یمن کے خزانے اور چابیاں عطا کی گئیں۔ اور میں صنعا کے دروازے بھی یہیں سے دیکھ رہا ہوں۔ مگر درحقیقت یہ خزائن آپ کی امت کو دیئے گئے۔ چنانچہ تاریخی دُنیا جانتی ہے۔ کہ شہر مدائن جو خاندان کسریٰ کا دار الخلافہ تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں سعد بن ابی وقاص کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ اور شام حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے فتح کیا۔

اسی طرح رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن دیکھے جنھیں پھونک مار کر آپ نے اڑا دیا۔ تو آپ نے اس کی تعبیر میں دو کاذب مدعیان نبوت مراد لئے۔ ان میں سے ایک یعنی مسیلمہ کذاب آپ کے پاس آیا۔ تو مسلم میں لکھا ہے۔ رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اُسے فرمایا۔ لئن ادبرت لیعقرنک اللہ وانی لاراک الذی اریت فیک ما اریت (جلد ۲ صفحہ ۲۷۶ باب رؤیا النبی صلے اللہ علیہ وسلم

یعنی اگر تو نے دین حق سے انحراف کیا۔ تو خدا تجھے ہلاک کر دیگا۔ اور میرا خیال ہے۔ کہ تو ہی وہ ہے۔ جس کے متعلق میں نے سونے کے کنگنوں والا خواب دیکھا تھا۔ اس رؤیا کے مطابق ضروری تھا۔ کہ مسیلمہ کذاب کی ہلاکت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ہوتی۔ کیونکہ آپ نے ہی اپنے پھونک سے کنگنوں کو اڑایا تھا۔ مگر دُنیا جانتی ہے۔ کہ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اس کی ہلاکت نہیں ہوئی۔ بلکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وُہ ہلاک ہوا۔ اسی طرح سراقہ بن مالک کے متعلق آپ نے دیکھا۔ کہ اس کے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن ہیں۔ مگر یہ پیشگوئی بھی آپ کی زندگی میں پوری نہ ہوئی۔ بلکہ خلافت عمرؓ میں ایران کے فتح ہونے کے بعد پوری ہوئی۔

اسی طرح قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بہت سے آئندہ ہونے والے واقعات سے مطلع فرمایا۔ مثلاً یہ کہ ایک زمانہ میں اونٹنیاں سواری کے لحاظ سے بیکار ہو جائیں گی۔ (واذا العشار عطلت) دریا پھاڑے جائیں گے۔ اور ان سے نہریں نکالی جائیں گی۔ (واذا البحار سجرت) آمد و رفت کے لئے کئی قسم کی سہولتیں نکل آنے کی وجہ سے دُنیا کے لوگ علیٰحدہ علیٰحدہ نہیں رہیں گے۔ بلکہ مل جائینگے (واذا النفوس زوجت) کتابوں رسالوں اور اخبارات کی کثرت سے اشاعت ہوگی مطابع جاری ہو جائیں گے اور قلم سے خوب کام لیا جائے گا۔ (واذا الصحف نشرت) مگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں یہ پیشگوئیاں پوری نہیں ہوئیں۔ بلکہ تیرہ سو سال کے بعد موجودہ زمانہ میں آکر پوری ہوئیں۔

خلافِ عقل بات

پس یہ بالکل خلافِ عقل بات ہوگی۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان الہامات کو اپنے سامنے رکھکر جو ابھی تک پورے نہیں ہوئے۔ دشمن اعتراض کریں۔ اور انہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کے خلاف پیش کریں۔ ایسے معترضین کو ہم یہی کہیں گے۔ کہ وہ قرآن مجید کی پیشگوئیوں کی نظیر سامنے رکھتے ہوئے اور اس امر پر غور کرتے ہوئے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہزار دل پیشگوئیوں کو جو محکمات کا رنگ رکھتی ہیں۔ پورا فرما دیا۔ سوچیں۔ کہ کیا ان کا کانشنس یہ تسلیم نہیں کرتا۔ کہ یہ پیشگوئیاں بھی کسی زمانہ میں اسی طرح پوری ہو جائیں گی۔ جس طرح رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم

کی کئی پیشگوئیاں آپ کی وفات کے بعد پوری ہوئیں۔ لیکن معترض خواہ مانیں یا نہ۔ قرآن مجید یہی کہتا ہے۔ سیریکم آیاتہ فتعرفونھا (سورۃ النمل ع ۷) یعنی جب وُہ تمہیں اپنے نشانات دکھلائیگا۔ اسوقت تمہیں الہامات کی صداقت کا پتہ لگے گا۔ اس سے پہلے نہیں لگ سکتا۔

سنت الٰہی سے ناواقفیت

غرض سیّد صاحب نے احمدیت کے ناقابل قبول ہونے کی یہ دسویں دلیل بیان کی اس میں انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے چند ایسے ہی الہامات پر اعتراض کرکے اللہ تعالےٰ کی اس سنت سے سخت ناواقفیت کا ثبوت دیا ہے۔ جو انبیا علیہم السّلام کے متعلق دنیا میں جاری ہے لیکن اس سے بھی بڑھکر افسوس یہ ہے۔ کہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وُہ چند الہامات تو لے لئے۔ جو ان کے زعم میں قابل اعتراض ہیں۔ مگر ان ہزاروں الہامات کو نظر انداز کر دیا۔ بلکہ ان کا ذکر تک نہ کیا۔ جو کروڑوں آدمیوں کے سامنے پورے ہوئے۔ اور جواب تک پورے ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ یقیناً یہ ان کا ایک غیر دیانتدارانہ فعل ہے۔ جس کی ان سے توقع نہیں کیجا سکتی تھی اور درحقیقت یہی وُہ مخالفین کی دیرینہ عادت ہے۔ جس کے ماتحت وُہ جہلاء کو برانگیختہ کیا کرتے ہیں۔ وہ پیشگوئی متعلقہ مرزا احمد بیگ وغیرہ پر تو اعتراض کر دینگے۔ لیکن ان پیشگوئیوں کا ذکر تک نہیں کرینگے۔ جو نمایاں طور پر پوری ہوئیں۔ اور جن کے پورا ہونے پر زمین و آسمان گواہ ہیں۔ یہ مخالفین کی ناحق شناسی کا ایسا واضح ثبوت ہے۔ کہ جس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام اسی امر کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"میں خدا تعالےٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ ہزاروں نشان میری تصدیق کے ظاہر ہوئے ہیں۔ اور ہو رہے ہیں۔ اور آئندہ ہونگے۔ اگر یہ انسان کا منصوبہ ہوتا۔ تو اس قدر تائید اور نصرت اس کی ہرگز نہ ہوتی۔ اور یہ امر انصاف اور ایمان کے برخلاف ہے۔ کہ ہزار ہا نشانوں میں سے جو ظہور میں آچکے صرف ایک یا دو امر لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے پیش کرنا کہ فلاں فلاں پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ اے نادانو! اور عقل کے اندھو! اور انصاف اور دیانت سے دور رہنے والو! ہزار ہا پیشگوئیوں میں سے اگر ایک یا دو پیشگوئیاں

کا پورا ہونا تمہاری سمجھ میں نہیں آسکا۔ تو کیا تم اس عذر سے خدا تعالےٰ کے سامنے معذور ٹھہر جاؤ گے۔ توبہ کرو۔ کہ خدا کے دن نزدیک ہیں۔ اور وہ نشان ظاہر ہونے والے ہیں جو زمین کو ہلا دیں گے۔" (حقیقۃ الوحی صـ۴۷)

اسی طرح فرماتے ہیں۔ "اگر خدا تعالےٰ کے نشانوں کو جو میری تائید میں ظہور میں آچکے ہیں۔ آج کے دن تک شمار کیا جائے۔ تو وہ تین لاکھ سے بھی زیادہ ہونگے۔ پھر اگر اس قدر نشانوں میں سے دو تین نشان کسی مخالف کی نظر میں مشتبہ ہیں۔ تو ان کی نسبت شور مچانا اور اس قدر نشانوں سے فائدہ نہ اٹھانا کیا یہی ان لوگوں کا تقوٰے ہے۔ کیا انبیاء کی پیشگوئیوں میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔" (حقیقۃ الوحی صـ۴۷ حاشیہ)

احمدیت کے خلاف سیّد حبیب کی دسویں دلیل

بہرحال سیّد حبیب لکھتے ہیں:۔

"دسویں دلیل جو مجھے مرزا صاحب کی تحریک کے قبول کرنے سے مانع ہے یہ ہے کہ مرزا صاحب پر ایسے الہامات ہوئے جو خود ان کے فہم میں نہیں آئے۔ حالانکہ میرے علم و یقین کے مطابق دُنیا میں کوئی پیغمبر یا نبی ایسا نہیں گذرا۔ جس پر خدا نے اس قدر بے اعتمادی کی ہو کہ اس کو پیام بھیجا ہو۔ اور پھر اس پیام کے معنی نہ سمجھائے ہوں۔ معاذ اللہ اس سے تو خدا پر بخل کا الزام ثابت ہوتا ہے۔ یا یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وُہ پہلے کسی کو منتخب کر لیتا ہے اور پھر اس پر اعتماد نہیں کرتا۔ اور یہ بات خدائے علیم و حکیم کی شان کے خلاف ہے۔"

اسی طرح لکھتے ہیں:۔

"ادعائے نبوت کی بھول بھلیاں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب کے "بعض الہامات" ایسے ہیں۔ جو خود ان کی سمجھ میں نہیں آئے۔"

سید صاحب نے یہ اصل قائم کرنے کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے بعض الہامات اپنے دعوٰی کے ثبوت میں پیش کرتے ہوئے ایک معیار کا بھی ذکر کیا ہے۔ جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے "ایسے الہام سے فائدہ کیا ہوا جو انسانی سمجھ سے بالاتر ہے۔" (چشمۂ معرفت صـ۲۰۹)

باطل اصل

مگر الہامات اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے بیان فرمودہ معیار پر تفصیلی

بحث کرنے سے پیشتر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ سید صاحب کے اس اصل کو باطل ثابت کیا جائے۔ جس پر انہوں نے اپنی دلیل کی بنیاد رکھی ہے۔ اور جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ انبیاء کو اپنے تمام الہامات کی حقیقت سے پورے طور پر آگاہ ہونا چاہئے۔ اور اگر کسی الہام کا مطلب کوئی نبی نہ سمجھ سکے۔ تو یہ معاذ اللہ اس کے کذب کی دلیل ہوگی۔

وحی والہام کی عدم تفہیم کے متعلق رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعض مثالیں

سید صاحب اگر نہیں جانتے۔ تو وہ انبیاء سابقین کی مندرجہ ذیل امثلہ اپنے سامنے رکھیں اور دیانتداری سے بتائیں۔ کہ کیا ان کا یہی اعتراض گذشتہ انبیاء پر نہیں پڑتا؟

۱۔ دجال کے متعلق رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالےٰ نے اخبار غیبیہ کا انکشاف کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے قسم کھاتے ہیں۔ کہ ابن صیاد ہی دجال ہے مگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

ان یکن ھو فلا تسلط علیہ وان لم یکن ھو فلا خیر لك فی قتلہ۔ (مشکوٰۃ کتاب الفتن باب قصۃ ابن صیاد) یعنی اگر یہ دجال ہے۔ تو تجھے اس پر تسلط نہیں ہوسکتا اور اگر یہ دجال نہیں۔ تو اس کو قتل کرنے سے کیا فائدہ؟ اس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ باوجود دجال کے متعلق اللہ تعالےٰ کی طرف سے اطلاع ملنے کے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر پورے طور پر اس کی حقیقت کا انکشاف نہیں ہوا تھا۔ تبھی تو آپ فرماتے ہیں۔ کہ اگر یہ دجال ہے۔ تو تُو اس پر مسلط نہیں ہوسکتا۔ اور اگر نہیں۔ تو اسے قتل کرنے سے کیا فائدہ۔ اگر انکشاف تام ہوتا۔ تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایک پہلو بیان فرماتے۔ اور صاف طور پر کہہ دیتے۔ کہ یہ دجال ہے یا نہیں۔ مگر آپ کا دونوں پہلوؤں کو بیان کرنا اس امر کا واضح ثبوت ہے۔ کہ دجال کے متعلق انکشاف تام آپ پر نہیں ہوا۔ مگر کیا سید حبیب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی کہیں گے۔ کہ "اس سے تو خدا پر بخل کا الزام ثابت ہوتا ہے۔ یا یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے کسی کو منتخب کر لیتا ہے۔ اور پھر اس پر اعتماد نہیں کرتا۔"

۲۔ پھر نعماء جنت کا قرآن مجید میں مفصل ذکر ہے۔ اور ہر شخص اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے وحی والہام کے ذریعہ ان امور سے اطلاع دی مگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر (بخاری جلد ۳ کتاب التفسیر سورۃ السجدہ صـ ۱۱۹) یعنی جنت کی نعمتیں ایسی

ہیں۔ جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سُنیں۔ اور نہ کسی کے دل پر ان کی کیفیت گذری کیا اس سے صاف طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ نعماء جنت کے متعلق باوجود وحی الٰہی نازل ہونے کے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ان کی اصل حقیقت سے بے خبر تھے۔

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آیت کریمہ سیھزم الجمع ویولون الدبر کے متعلق فرماتے ہیں۔ انھا لما نزلت قال لم اعلم ماھی ای ما الواقعۃ التی یکون فیھا ذلك فلما کان یوم بدر رأیتُ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یلبس الدرع ویقول سیھزم الجمع فعلمتہ (بیضاوی زیر آیت سیھزم الجمع) یعنی جب یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ سیھزم الجمع ویولون الدبر۔ تو میں حیران ہوا کہ اس میں کس واقع کی طرف اشارہ ہے۔ مگر جب جنگ بدر ہوا۔ اس وقت مجھے اس کی حقیقت کا پتہ چلا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے ایک الہام نازل کیا۔ مگر بزعم مخالفین اسے "مبہم" رکھا۔ اور حضرت عمرؓ جیسا انسان ایک وقت تک حیران رہا۔ کہ نہ معلوم اس کا کیا مطلب ہے لیکن جب وہ الہام پورا ہوا تب انہیں حقیقتِ حال کا علم ہوا۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ سیھزم الجمع ویولون الدبر کی حقیقت خود رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی مکی زندگی میں منکشف نہیں ہوئی تھی۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حیرت کا منظر درپیش رہتا۔ وہ فوراً رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر سکتے تھے۔ کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ بلکہ خود رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس کا مطلب بیان فرما دیتے۔ لیکن نہ تو رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا مطلب بیان کیا۔ اور نہ ہی لوگوں پر اس وقت تک اس کی حقیقت کھلی۔ جب تک کہ وُہ الہام پورا نہ ہوگیا۔ اس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے۔ کہ الہامات کے معانی کا ایک وقت تک صاحب الہام یا اس کے متبعین پر ظاہر نہ ہونا کوئی قابل اعتراض امر نہیں ہوتا۔

۴۔ حدیثوں میں آتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رأیتُ فی المنام انی اھاجر من مکۃ الی ارض بھا نخل فذھب وھلی الی انھا الیمامۃ او ھجر فاذا ھی المدینۃ یثرب (بخاری جلد ۲ کتاب التوحید باب ہجرۃ النبی واصحابہ الی المدینۃ) یعنی میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ میں مکہ سے ایک ایسی زمین کی طرف ہجرت کر کے گیا ہوں۔ جہاں کھجوریں بہت ہیں۔ میرا خیال تھا۔ کہ میں یمامہ یا ہجر کی طرف ہجرت کروں گا۔ مگر ہجرت گاہ

مدینہ ثابت ہوئی۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے ہجرت کا تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر انکشاف فرمایا۔ مگر آپ اس کا صحیح مقام نہ سمجھ سکے۔ آپ کا خیال کچھ اور رہا۔ اور نکلا کچھ اور۔ یہ بھی اس امر کا ثبوت ہے۔ کہ نبی اگر اپنے بعض الہامات کا مطلب نہ سمجھ سکے۔ تو یہ کوئی قابل اعتراض امر نہیں ہوتا۔ اگر کہا جائے کہ اس مثال میں رؤیاء کا ذکر ہے۔ نہ کہ وحی کا۔ تو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ انبیاء علیہم السّلام کی خوابیں بھی وحی کہلاتی ہیں۔ بخاری میں آتا ہے۔ رؤیا الانبیاء وحیٌ (جلد اول ص۲۷) یعنی نبیوں کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔ اسی لئے بخاری کے شروع میں آتا ہے۔ کہ اول ما بدی بہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من الوحی الرؤیا الصالحۃ فی النوم یعنی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر وحیٔ الٰہی کا آغاز رؤیاء صالحہ سے ہوا۔ امام ابن قیّم کا بھی قول ہے۔ کہ رؤیاء الانبیاء وحیٌ فانھا معصومۃ من الشیطٰن وھذا باتفاق الامۃ (تفسیر منازل السائرین و مدارج السالکین ص۹) یعنی نبیوں کا رؤیا وحی ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ وُہ شیطانی دخل سے پاک ہوتا ہے۔ اور اس پر امت محمدیہ کا اتفاق ہے۔ اسی طرح امام نووی اپنی شرح مسلم میں لکھتے ہیں۔ کان الانبیا صلوٰت اللہ وسلامہ علیھم یوحی الیھم فی منامھم کما یوحی الیھم فی الیقظۃ (جلد۲ ص۲۴۲) یعنی انبیاء علیہم السّلام کی طرف بذریعہ خواب بھی وحی کیجاتی ہے۔ جیسا کہ بحالتِ بیداری ان پر وحی نازل کی جاتی ہے۔

غرض رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ رؤیا بھی جو وحی الٰہی میں داخل ہے۔ اس امر کا ثبوت ہے۔ کہ آپ پر ہجرت کا تو انکشاف ہوا۔ مگر اس کا اصل مقام آپ پر واضح نہ ہو سکا۔

۵۔ اسی طرح بخاری باب صلح الحدیبیہ میں آتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم لتدخلن المسجد الحرام والی رؤیا کی بنا پر قریبًا ڈیڑھ ہزار صحابہ سمیت طواف خانہ کعبہ کے لئے گئے۔ ظاہر ہے۔ کہ اس قدر لمبی مسافت کی مشقت برداشت نہیں کی جاسکتی تھی جب تک یہ گمان غالب نہ ہو۔ کہ پیشگوئی کے ظہور کا یہی وقت ہے۔ مگر جب کفار نے روکاوٹ ڈالی۔ تو اس وقت آپ کو معلوم ہوا۔ کہ پیشگوئی کا وقت سمجھنے میں آپ سے اجتہادی غلطی ہوئی۔ علامہ جلال الدین سیوطی تحریر کرتے ہیں۔

رائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی النوم عام الحدیبیۃ قبل خروجہ انہ یدخل مکۃ ھو واصحابہٗ آمنین ویحلقون ویقصرون فاخبر بذالک اصحابہٗ

ففرحوا فلما خرجوا معہٗ وصدھم الکفار بالحدیبیۃ ورجعوا وشق علیھم بذالک وراب بعض المنافقین نزلت (ای سورۃ الفتح) (جلالین سورہ الفتح ص۴۲۴) یعنی حدیبیہ والے سال رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے روانگی سے قبل یہ رؤیا دیکھا۔ کہ آپ اور آپ کے صحابہ امن کی حالت میں سر منڈواتے اور بال ترشواتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے ہیں۔ آپ نے اس رؤیا کی تمام صحابہ کو اطلاع دے دی۔ جس پر وُہ بہت خوش ہوئے مگر جب آپ روانہ ہوئے اور کفار نے حدیبیہ میں روک لیا۔ اور آپ کو صحابہ سمیت واپس لوٹنا پڑا۔ تو یہ امر صحابہ پر بہت گراں گذرا۔ بلکہ بعض تو اسلام کے متعلق شبہ میں ہی پڑ گئے۔ اس پر سورۃ الفتح نازل ہوئی۔ یہ رؤیا بھی اس امر کا ثبوت ہے۔ کہ انبیاء علیہم السّلام کو پیشگوئیوں کا مفہوم سمجھنے میں بعض دفعہ اجتہادی غلطی لگ جاتی ہے۔ اور ضروری نہیں ہوتا۔ کہ پیشگوئی کے ساتھ ہی انہیں تمام حالات سے مطلع کر دیا جائے۔ بلکہ وُہ ایک وقت تک اس کا صحیح مطلب سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ آپ نے رؤیا دیکھا کہ آپ صحابہ سمیت مکہ میں داخل ہوئے ہیں۔ آپ نے خیال کیا۔ کہ اسی سال یہ رؤیا پورا ہونے والا ہے۔ چنانچہ آپ صحابہ کی ایک کثیر جمعیت کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے مگر جب کفار نے آپ کو روک لیا۔ تب آپ پر واضح ہوا۔ کہ جو کچھ آپ نے مطلب سمجھا۔ وُہ صحیح نہیں تھا۔ احادیث سے ثابت ہے۔ کہ اس واقعہ کا صحابہ کے قلوب پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ لکھا ہے۔ کادوا یھلکون (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۱۱ ص۱۰۱) یعنی قریب تھا۔ کہ صحابہ اس وحی الٰہی کے بظاہر نہ پورا ہونے سے ہلاک ہو جاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت کا مالک انسان کہتا ہے۔ واللہ ما شککتُ منذ اسلمتُ الا یومئذٍ۔ (زاد المعاد جلد اول ص۳۷۶) یعنی جب سے میں اسلام لایا۔ کبھی مجھے اس کی حقانیت میں شُبہ نہیں پڑا۔ مگر حدیبیہ کے دن مجھے بھی شک پڑ گیا۔ اسی وجہ سے آپ نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ کہ جب خدا تعالےٰ نے آپ سے کہا تھا۔ کہ ہم مکہ میں داخل ہونگے۔ تو ہم کیوں داخل نہیں ہوئے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدا تعالےٰ نے کہا تو تھا۔ مگر یہ کب کہا تھا۔ کہ ہم اسی سال داخل ہونگے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے ایک بات تو بتائی۔ مگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر اس کے پورا ہونے کے وقت کا انکشاف نہ ہوا۔

۶۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہونے سے قبل رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ کی تصویر رؤیا میں دکھائی جاتی ہے۔ اور بتایا جاتا ہے۔ کہ یہ آپ کی زوجہ مطہرہ بننے والی ہیں۔ مگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ قلتُ ان یکن ھذا من عند اللہ یمضہٖ (مشکوٰۃ باب مناقب ازواج النبی صلعم) یعنی اگر یہ خواب اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے۔ تو وُہ اسے پورا کر دے گا۔ گویا خواب میں ایک امر خدا تعالےٰ کی طرف سے ظاہر ہونے کے باوجود آپؐ نے "اگر" سے اُسے مشروط کر دیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انبیاء علیہم السّلام بعض پیشگوئیوں کے متعلق ان کے پورا ہونے سے قبل یقینی طور پر کچھ نہیں کہتے۔ اسی لئے نادان ایسے الہامات وکشوف کو "مبہم" یا "گول مول" قرار دیا کرتے ہیں۔

۷۔ بخاری جلد اول کتاب الزکوٰۃ میں آتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے آپؐ کی ازواج مطہرات نے دریافت کیا۔ کہ یا رسول اللہ آپ کی وفات کے بعد ہم میں سے سب سے پہلے کون آپ سے ملے گی۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اطولکن یدًا۔ یعنی سب سے زیادہ لمبے ہاتھوں والی۔ آپ کی بیویوں نے یہ بات سُنکر آپ کے سامنے اپنے ہاتھ ناپے۔ تا معلوم کریں۔ کہ کس کے ہاتھ لمبے ہیں۔ معلوم ہوا۔ کہ حضرت سودہؓ کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہیں۔ لیکن رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد جب ام المؤمنین حضرت زینبؓ کا پہلے انتقال ہوا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ لمبے ہاتھوں سے مراد ظاہری ہاتھ نہ تھے۔ بلکہ سخاوت کی طرف اشارہ تھا۔ چنانچہ حضرت زینبؓ امہات المومنین میں سب سے زیادہ سخی تھیں۔ اس حدیث کا قابل ذکر پہلو یہ ہے۔ کہ پیشگوئی بیان کرتے وقت خود رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ معلوم نہ ہوسکا۔ کہ لمبے ہاتھوں سے کیا مراد ہے۔ کیونکہ آپ کے سامنے آپ کی ازواج مطہرات نے اپنے ہاتھ ناپے۔ مگر آپ نے انہیں منع نہ کیا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

لان نسوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حملن طول الید علی الحقیقۃ فلم ینکر علیھن (فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۲۲۹ مصری) یعنی ازواج مطہرات نے طول ید کو حقیقت پر محمول کرتے ہوئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے ہاتھ ناپے مگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع نہ فرمایا۔ اگر آپ کو معلوم ہوتا۔ کہ لمبے ہاتھوں سے مراد سخاوت ہے۔ تو آپ کہہ دیتے۔ کہ ہاتھ ناپنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس سے مراد تو سخاوت ہے۔ لیکن آپؐ کا منع نہ کرنا بتلاتا ہے۔ کہ پیشگوئی کا اصل مفہوم اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس وقت آپ پر ظاہر نہ ہو

۸۔ تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۱۱۱ و زرقانی شرح مواہب اللدنیہ جلد ۳ صفحہ ۷ پر لکھا ہے۔ رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام اسید بن ابی العیص والیًا علی مکۃ مسلمًا فمات علی الکفر وکانت الرؤیاء لولدہٖ عتاب۔ یعنی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے رؤیا میں دیکھا۔ کہ اسید جو ایک کافر تھا۔ مکہ کا حاکم بنایا گیا ہے لیکن وُہ فتح مکہ سے پہلے ہی بحالت کفر وفات پاگیا۔ جب مکہ فتح ہوگیا۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی جگہ اس کے بیٹے عتاب کو مکہ کا حاکم بنا دیا۔ یہ حدیث بھی اس امر کا ثبوت ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے جب ایک پیشگوئی ہو۔ تو اسکا حقیقی مفہوم بعض دفعہ ظاہری مفہوم کے خلاف ہوتا ہے۔ بلکہ خود ملہم کو بھی اس کی خبر نہیں ہوتی۔ کون کہہ سکتا ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا۔ کہ اسید سے مراد اس کا لڑکا عتاب ہے۔ ہاں واقعات نے یہی ظاہر کیا۔ کیونکہ اسید بحالتِ کفر مرگیا۔ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیٹے کو جو بعد میں مسلمان ہوگیا۔ مکہ کا حاکم بنا دیا۔ لیکن پیشگوئی ظاہری طور پر اس مفہوم کی حامل نہیں تھی۔ اور نہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے اس حقیقت سے آگاہ فرمایا۔ بلکہ آپ کو اسید دکھایا گیا تھا جس سے مراد اس کا لڑکا نکلا۔

۹۔ اسی طرح ابوجہل کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رویا دیکھا۔ کہ اسکے ہاتھ میں جنت کے انگوروں کا ایک خوشہ دیا گیا ہے مگر بالفاظ حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلویؒ "حضرت فرمود ابوجہل را با جنت چہ نسبت ... جبر در کار بود۔ چوں در فتح مکہ عکرمہ بن ابی جہل در ربقہ اسلام در آمد معلوم شد کہ تعبیر آں خواب ایں بود" (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۳۶۳) یعنی آپ سخت حیران ہوئے اور فرمایا ابوجہل کو جنت سے کیا نسبت۔ اور اس خواب کے حقیقی معنی اسوقت تک آپ پر نہ کھلے۔ جبتک کہ عکرمہ بن ابوجہل مشرف باسلام نہ ہوگیا

۱۰۔ عبداللہ بن ابی بن سلول جو منافقین کا سردار تھا۔ جب مرگیا۔ تو اس کے بیٹے نے جنازہ پڑھنے کی درخواست کی۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے آمادگی ظاہر فرمائی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یہ منافق تھا۔ اور خدا تعالےٰ آپ کو روک چکا اور بیہ فرما چکا ہے۔ ان تستغفر لھم سبعین مرۃً فلن یغفر اللہ لھم۔ یعنی اگر تو ان منافقین کے لئے ستر مرتبہ بخشش مانگے۔ تب بھی خدا تعالےٰ ان کو نہیں بخشے گا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں ستر سے زیادہ مرتبہ اللہ تعالےٰ کے حضور بخشش کی درخواست کرونگا۔ چنانچہ آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل کی۔ کہ لاتصل علی احدٍ منھم مات ابدًا ولا تقم علی قبرہٖ۔ یعنی منافقوں میں سے

اگر کوئی مرجائے۔ تو اس کی نماز جنازہ ہرگز نہ پڑھ۔ اور نہ اس کی قبر پر دعا کے لئے کھڑا ہو (بخاری جلد ۳ کتاب تفسیر القرآن) اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم کا مفہوم سمجھنے میں پہلے اجتہادی غلطی لگی۔ آپ سمجھتے رہے۔ کہ اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ ستر سے زیادہ مرتبہ اگر بخشش کی درخواست کی جائے۔ تو منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ کا منشاء اس سے یہ تھا۔ کہ خواہ کتنی دفعہ بھی دعا کرو۔ میں انہیں نہیں بخشونگا اسی لئے دوبارہ اللہ تعالےٰ کو ایک آیت کے ذریعہ مفہوم کی وضاحت کرنی پڑی۔ پس رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر اس الہام الٰہی کا مفہوم بھی کامل طور پر پہلے نہیں کھلا۔

حضرت یوسف علیہ السّلام کا رویاء

۱۱۔ پھر اس قسم کی مثالیں صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی مخصوص نہیں۔ بلکہ اور انبیا میں بھی نظر آتی ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب رویاء میں دیکھا۔ کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند انہیں سجدہ کر رہے ہیں۔ تو اس پیشگوئی کی حقیقت جو حضرت یوسف علیہ السّلام کے عروج پر دلالت کرتی تھی۔ اس وقت تک آپ پر روشن نہ ہوئی۔ جب تک کہ وُہ مصر میں امین اور خزانوں کے افسر اعلےٰ مقرر نہ ہوئے۔ اور جب یہ تمام باتیں پوری ہوگئیں۔ اسوقت آپ فرط مسرت سے کہہ اُٹھے۔ ھذا تاویل رؤیای من قبل قد جعلھا ربی حقاً (سورہ یوسف ع) یعنی یہ میرے اس پہلے خواب کی تعبیر ہے۔ جسے میرے رب نے سچ کر دکھایا۔ ان الفاظ سے جہاں اس لذّت کا پتہ چلتا ہے۔ جو حضرت یوسف علیہ السّلام کو خواب کے پورا ہونے سے پہونچی۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کے پورا ہونے سے پہلے آپ کو اس کی تعبیر اور صحیح مفہوم کا علم نہ تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا اپنے بیٹے کو قربان کرنا

۱۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے جب خواب میں دیکھا۔ کہ آپ اپنے بیٹے کو قربان کر رہے ہیں۔ تو آپ نے اس کا مفہوم اپنے بیٹے کو ظاہری طور پر قربان کرنا سمجھا۔ اور اس پر آمادہ بھی ہوگئے۔ مگر درحقیقت جیسا کہ واقعات نے ظاہر کیا۔ اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو وادیٔ غیر ذی زرع میں چھوڑنا۔ اور اس

طرح اپنے ہاتھوں خدا تعالےٰ کی راہ میں انہیں قربان کرنا تھا۔

قوم یونسؑ کا واقعہ

۱۳۔ حضرت یونس علیہ السّلام کو جب بتایا گیا۔ کہ ان کی قوم عذاب سے ہلاک ہونے والی ہے۔ تو یہ امر آپ پر ظاہر نہ کیا گیا۔ کہ قوم کے تضرع سے یہ عذاب ہٹا لیا جائے گا۔ آپ پیشگوئی کرتے وقت یہی سمجھے۔ کہ یہ عذاب ٹلنے والا نہیں۔ لیکن لوگوں کے تضرع اور ابتہال سے عذاب ٹل گیا۔ جیسا کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ فلولا کانت قریۃٌ آمنت فنفعھا ایمانھا الا قوم یونس۔ لما آمنوا کشفنا عنھم عذاب الخزی فی الحیوٰۃ الدنیا ومتعنٰھم الی حین (یونس ع) ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے۔ کہ حضرت یونس علیہ السّلام کو پیشگوئی کا مفہوم سمجھنے میں غلطی لگی۔ اسی لئے تو انہوں نے کہا۔ لا ارجع الیھم کذاباً ابداً (در منثور جلد ۵ صفحہ ۲۸۶) یعنی میں جھوٹا ہو کر ان کی طرف نہیں جاؤنگا۔

حضرت نوح علیہ السّلام کی اجتہادی غلطی

۱۴۔ حضرت نوح علیہ السّلام کو بھی ایک پیشگوئی کا مفہوم سمجھنے میں اجتہادی غلطی لگی قرآن مجید میں آتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السّلام کو حکم دیا گیا۔ کہ احمل فیھا من کل زوجین اثنین واھلک الا من سبق علیہ القول ومن آمن (ھود ع) یعنی اس کشتی میں ہر ایک جوڑے میں سے دو دو سوار کر۔ اور اپنے اہل کو بھی۔ بجز اس کے جس کے متعلق ہم پہلے کہہ چکے۔ اسی طرح مومنوں کو بھی لیکن جب طوفان آیا اور حضرت نوح کا لڑکا غرق ہو گیا۔ تو قرآن مجید میں آتا ہے۔ ونادیٰ نوحٌ ربہ فقال رب ان ابنی من اھلی وان وعدک الحق وانت احکم الحاکمین۔ قال یا نوح انہ لیس من اھلک انہٗ عمل غیر صالح۔ فلا تسئلن ما لیس لک بہ علم انی اعظک ان تکون من الجاھلین۔ یعنی حضرت نوح علیہ السّلام نے اپنے رب کو پکارا۔ اور کہا۔ میرا بیٹا تو میرے اہل میں سے تھا۔ اور تیرا وعدہ ہمیشہ سچا ہوتا ہے پھر وہ غرق کیوں ہو گیا۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ اے نوح وہ تیرے اہل میں سے نہیں تھا کیونکہ اس کے اعمال اچھے نہ تھے۔ تو مجھ سے ایسے امر میں گفتگو نہ کر جس کا تجھے علم نہیں۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں۔ کہ تو جاہلوں میں سے مت بن۔ یہ آیات صاف طور پر اس حقیقت کو مبرہن کرتی ہیں۔ کہ حضرت نوح علیہ السّلام الا من سبق علیہ القول کا مطلب سمجھ

سے قاصر ہے۔ اسی لئے تو انہوں نے اپنے بیٹے کے غرق ہونے پر اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں دعا کی۔ اور کہا۔ ان ابنی من اھلی۔ جس پر خدا تعالےٰ نے فرمایا۔ کہ وہ اعمال غیر صالحہ کی وجہ سے تیرے اہل میں شمار ہونے کے قابل نہیں اگر حضرت نوحؑ پر پہلے سے الہام الٰہی کی یہ حقیقت منکشف ہوتی۔ کہ نہ صرف جسمانی بلکہ روحانی لحاظ سے بھی اہل ہونا ضروری ہے تو وہ لاتخاطبنی فی الذین ظلموا انھم مغرقون کے حکم کے باوجود کیوں اپنے بیٹے کی سفارش کرتے۔

۱۵۔ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کے متعلق بھی لکھا ہے۔ کہ:-

ان قصارًا مرّ علی عیسیٰ علیہ السلام مع جماعتہ من الحواریین فقال لھم عیسیٰ احضروا جنازۃ ھذا الرجل وقت الظھر فلم یمت فنزل جبریل فقال الم تخبرنی بموت ھذا القصار فقال نعم ولکن تصدق بعد ذالک بثلاثۃ ارغفۃ فنجا من الموت۔ (روح البیان جلد ا صـ۲۵۷ مطبوعہ مصر) یعنی حضرت عیسےٰ علیہ السّلام اپنے حواریوں سمیت بیٹھے تھے۔ کہ قریب سے ایک دھوبی گذرا۔ حضرت مسیح نے کہا۔ ظہر کے وقت اس کے جنازے کے لئے آنا لیکن دھوبی نہ مرا۔ جب دوبارہ حضرت جبریل آئے۔ تو حضرت عیسےٰ علیہ السّلام نے پوچھا تو نے مجھے اس دھوبی کی وفات کی خبر نہیں دی تھی۔ وہ کہنے لگے۔ خبر تو دی تھی نے بعد میں تین روٹیاں صدقہ دیدیں۔ اس لئے موت سے نجات پاگیا۔ اس ہوتا ہے۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے بھی ایک الہام کے سمجھنے میں اجتہادی آپ اسے اٹل سمجھتے تھے۔ حالانکہ وہ تقدیر صدقہ و خیرات سے ٹلنے والی تھی۔

اگرچہ ایک حق پسند انسان کے لئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور انبیا سابقین کی قدر مثالیں کافی ہیں۔ مگر معلومات میں اضافہ کے لئے چند اور حوالجات بھی درج کئے جاتے ہیں

علماء اہل السنت والجماعت کا عقیدہ

۱۶۔ نبراس شرح عقائد نسفی کے صـ۳۹۲ پر اہل السنت والجماعت کا یہ عقیدہ درج ہے کہ

ان النبی صلعم قد یجتھد فیکون خطأً کما ذکرہ الاصولیون وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یشاور الصحابۃ فیما لم یوح الیہ وھم یراجعونہ فی ذالک . . . . . وفی الحدیث ما حدثتکم عن اللہ سبحانہٗ فھو حق وما قلت فیہ من قبل نفسی فانما انا بشر اخطی واصیب۔ یعنی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ اجتہاد کرتے۔ مگر وہ غلط ہوتا۔ جیسا کہ اصولیوں نے اس کا ذکر کیا ہے

ع نہیں پاتا۔ اور وہ ایک چیز کے حصول کا مطلقًا حکم کر دیتا ہے۔ حالانکہ حصول نہیں ہو سکتا۔

ہے۔ کہ صاحب کشف والہام پر بعض دفعہ کچھ امور مخفی رہتے ہیں اظہار نہیں کر سکتا۔

عارسے ظاہر شدہ کہ آں حکم فی نفسہٖ قابل محو و اثبات را از تعلیق و قابلیّت محو وے خبر نہ باشد احتمال تخلف خواہد داشت۔" (مکتوب ۲۷۷ جلد اول)

ہو۔ جو فی نفسہٖ قابل محو اور از قبیل ہو۔ تو ایسی صورت میں اگر وہ تخلف کا احتمال ہے۔

کے تمام پہلوؤں سے

کے لئے یہ شرط

سو ایسے

متعلق دو . . .

خدا تعالےٰ کے اور کوئی . . .

میں کوئی نہ کوئی بھید ہوتا ہے۔ اور قرآن۔

نواب صدیق حسن خانصاحب کا

۱۸۔ نواب صدیق حسن خانصاحب لکھتے ہیں:-

لا بعد فی تکلم اللہ تعالیٰ بکلام مفید فی نفسہٖ لا سبیل لاحد الی معرفتہٖ الیست فواتح السور من ھذا القبیل وھل یجوز لاحد ان یقول انہ کلام غیر مفید وھل لاحد سبیل الی دراکہ (السراج الوہاج شرح مسلم جلد ۲ صـ۲۲۷) یعنی یہ کوئی بعید بات نہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ ایک ایسا الہام کرے۔ جو فی نفسہٖ تو مفید ہو۔

"میرے علم ویقین کے مطابق دنیا میں کوئی پیغمبر یا نبی ایسا نہیں گذرا۔ جس پر خدا نے اس قدر بے اعتمادی کی ہو۔ کہ اس کو پیام بھیجا ہو۔ اور پھر اس پیام کے معنی نہ سمجھائے ہوں۔"

مگر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ سلسلہ احمدیہ کے اشد ترین معاند مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی ایک گواہی کا بھی اس ضمن میں ذکر کر دیا جائے۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا بیان

براہین احمدیہ پر ریویو کرتے ہوئے اشاعت السنۃ میں مولوی صاحب موصوف نے لکھا۔

"عصمتِ انبیاء کا مسئلہ نہایت صحیح و درست و تسلیم وصحتِ نبوت کا مناط و مدار ہے۔ مگر وہ انہی امور سے متعلق ہے۔ جو تکلیفی وتبلیغی ہیں۔ اور ان سے عامۂ مکلفین کی ہدایت یا نفع (اگر وہ ٹھیک طور پر ادا ہوں) یا ضلالت ونقصان (اگران کے ادا وتبلیغ میں غلطی ہو) متصور ہے۔ زائد امور میں جو ہدایت اور ضلالت کا مدار نہ ہوں۔ اور نہ ان کے وقوع یا عدم وقوع سے صدق یا کذب ملہم ثابت ہوتا ہو۔ غلطیٔ فہم یا تعبیر یا اشتباہ مراد اس عصمت میں خلل انداز نہیں ہے۔ اس کی تفصیل اور اس پر دلیل پیش کرنے کا یہ موقع نہیں۔ اس تفصیل و دلیل کا محل ہمارا مضمون اثباتِ نبوت ہے۔ جس کا وقت عنقریب آنے والا ہے۔ اس مقام میں ایسی دو تمثیلوں کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جن میں سید الملہمین خاتم المرسلین کا بعض الہامات (غیر متعلق بہ تکلیف وتبلیغ) کے مراد سمجھنے میں اشتباہ وشک پایا جاتا ہے۔ (۱) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو الہام منامی (یعنی خواب میں) حضرت عائشہ صدیقہ کی صورت قبل از نکاح مشاہدہ کرائی گئی۔ اور کہا گیا۔ کہ یہ تیری زوجہ ہوگی۔ آنحضرتؐ کو (باوجودیکہ آپ کو اصل الہام میں شک نہ تھا۔ اور انبیاء کا الہام منامی کیوں نہ ہو۔ ہمیشہ یقینی ہوا کرتا ہے) اس الہام کی تعبیر ومراد سمجھنے میں اشتباہ واقع ہوگیا۔ اور آپنے یہ فرمایا۔ کہ اگر یہ خدا کی طرف سے ہے۔ (یعنی اس کا یہ معنی کہ اس صورت سے عائشہ صدیقہ ہی مراد ہو) تو خدا اس کو سچا کرے گا۔

۲۔ آنحضرت صلعم کو الہام منامی میں آپ کی ہجرت کی ایسی جگہ دکھائی گئی۔ جس میں درخت خرما تھے۔ اس کی تعبیر آپ کے خیال میں یہ آئی۔ کہ وہ یمامہ ہے۔ یا موضع ہجر۔ مگر یہ خیال واقعہ کے مخالف نکلا۔ وہ ہجرت کی جگہ مدینہ طیبہ تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود اس امر کا اظہار فرمایا۔ جب ان دونوں الہاموں کے (جو متعلق بہ تبلیغ وتکلیف نہیں) معنے سمجھنے میں

سید الملہمین وخاتم المرسلین کو شک واشتباہ واقعہ ہوا۔ اور الہام دوم کے معنے سمجھنے میں تو آپ کا خیال واقعہ کے بھی مخالف نکلا۔ تو پھر مؤلف براہین احمدیہ کا ایک لفظ الہامی غیر زبان کے سمجھنے میں غلطی کرنا (جس سے نہ کوئی گمراہیٔ مخلوق متصور ہے۔ نہ اس سے الہام یا ملہم کی کسی خبر کی نسبت خلاف گوئی ثابت ہوتی ہے) کونسا محل تعجب وانکار ہے۔" (براہین احمدیہ پر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا ریویو صہ ۸۹ تا ۹۴)

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا جواب

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام بھی مخالفین کے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔

۱۔ "اگر کہو کہ خدا کے الہام کے اسی وقت کیوں معنے نہ کھولے گئے۔ تو میں اس کے جواب میں کہتا ہوں۔ کہ مقطعاتِ قرآنی کے اب تک معنی نہیں کھولے گئے۔ کون جانتا ہے۔ کہ طٰہٰ کیا چیز ہے۔ اور نٓ کیا چیز ہے۔ اور کٓھٰیٰعٓصٓ کیا چیز ہے۔ اور آیت سیھزم الجمع کی نسبت حدیث میں ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اب تک مجھے اس کے معنے معلوم نہیں۔ اور نیز آپ نے فرمایا۔ کہ مجھے ایک خوشہ بہشتی انگور کا دیا گیا۔ کہ یہ ابوجہل کے لئے ہے۔ اور میں اس کی تاویل سمجھ نہ سکا۔ جب تک کہ عکرمہ اس کا بیٹا مسلمان نہ ہوا۔ اور مجھے ہجرت کی زمین بتلائی گئی۔ اور میں نہ سمجھ سکا۔ کہ وہ مدینہ ہے۔ غرض ایسے اعتراض بوجہ بے خبری سنت اللہ کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔" (حقیقۃ الوحی صہ ۲۲۳)

۲۔ پھر فرماتے ہیں:۔ "معتبر تفسیروں میں لکھا ہے۔ کہ جب یہ آیت نازل ہوئی سیھزم الجمع ویولون الدبر۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ مجھ کو معلوم نہیں۔ کہ یہ پیشگوئی کس موقع کے متعلق ہے۔ اور پھر جب بدر کی لڑائی میں فتح عظیم ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ اب معلوم ہوا۔ کہ اسی فتح عظیم کی یہ پیشگوئی خبر دیتی تھی۔ اور ایک مرتبہ آپ نے فرمایا۔ کہ مجھ کو ایک خوشہ انگور دیا گیا۔ کہ یہ ابوجہل کے لئے ہے۔ اور میں حیران تھا۔ کہ ابوجہل کا ایسا خبیث مادہ ہے کہ وہ بہشت میں داخل ہونے کے لائق نہیں۔ اور کچھ بھی اس کے معنے سمجھ نہ آئے۔ آخر وہ پیشگوئی اس طرح پوری ہوئی۔ کہ ابوجہل کا بیٹا عکرمہ مسلمان ہوگیا۔ اور ایک مرتبہ آپ نے ایک وحی الٰہی کے مطابق مدینہ سے مکہ کی طرف ایک طول طویل سفر کیا۔ اور وحی الٰہی میں یہ بشارت دی گئی تھی۔ کہ مکہ کے اندر داخل ہونگے۔ اور خانہ کعبہ کا طواف کرینگے۔ اور وقت نہیں بتایا گیا تھا۔

مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے محض اجتہاد کی بناء پر اس سفر کی تکلیف اٹھائی۔ اور وہ اجتہاد صحیح نہ نکلا۔ اور مکہ میں داخل نہ ہو سکے۔ سو اس جگہ پیشگوئی کے سمجھنے میں غلطی ہوئی جس سے بعض صحابہ ابتلا میں پڑ گئے۔ ایسا ہی حضرت عیسٰے علیہ السّلام کو خدا نے خبر دی تھی۔ کہ تو بادشاہ ہوگا۔ انہوں نے اس وحیٔ الٰہی سے دنیا کی بادشاہی سمجھ لی۔ اور اسی بناء پر حضرت عیسٰےؑ نے اپنے حواریوں کو حکم دیا۔ کہ اپنے کپڑے بیچکر ہتھیار خرید لو۔ مگر آخر معلوم ہوا۔ کہ یہ حضرت عیسٰے کی غلط فہمی تھی۔ اور بادشاہت سے مراد آسمانی بادشاہت تھی۔ نہ زمین کی بادشاہت اصل بات یہ ہے۔ کہ پیغمبر بھی بشر ہی ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے یہ نقص کی بات نہیں۔ کہ کسی اپنے اجتہاد میں غلطی کھاوے۔ ہاں وُہ غلطی پر قائم نہیں رکھا جا سکتا۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صـ۸۹)

۳۔ اسی طرح فرماتے ہیں:۔ "میری اس تقریر پر کوئی اعتراض عاید نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن شریف میں جو عربوں کے لئے ایک عذاب کا وعدہ دیا گیا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے اس عذاب کی کوئی تصریح نہیں کی۔ کہ کس طرح کا عذاب ہوگا۔ اور کس قسم کا ہوگا۔ صرف یہ فرمایا ہے کہ خدا قادر ہے۔ کہ وُہ عذاب آسمان سے نازل کرے۔ یا زمین سے بھیجے۔ یا کافروں کو مسلمانوں کی تلوار کا مزہ چکھا دے۔ اب ان آیات میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خود اقرار کرتے ہیں۔ کہ مجھے علم نہیں دیا گیا۔ کہ وہ کس قسم کا عذاب ہوگا۔ اور جب پوچھا گیا۔ کہ وہ عذاب کب آئیگا تو آپ نے کوئی تاریخ نہیں بتلائی۔ جیسا کہ قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ ویقولون متٰی ھذا الوعد ان کنتم صادقین۔ قل انما العلم عند اللہ وانما انا نذیرٌ مبین۔ یعنی کافر پوچھتے ہیں۔ کہ یہ دعوٰے پورا کب ہوگا۔ اگر تم سچے ہو۔ تو تاریخ عذاب بتاؤ۔ ان کو کہدے۔ مجھے کوئی تاریخ معلوم نہیں۔ یہ علم خدا کو ہے۔ میں تو صرف ڈرانے والا ہوں اور پھر کافروں نے مکررًا عذاب کی تاریخ پوچھی۔ تو یہ جواب ملا۔ قل ما ادری اقریبٌ ام بعید۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صـ۹۲)

خود ساختہ معیار

میں سمجھتا ہوں۔ الہامات کی تفہیم کے متعلق جس قدر لکھا جا چکا ہے۔ اس کی روشنی میں سیّد حبیب کا پیش کردہ اصل ہر عقلمند کی نگاہ میں خود ساختہ معیار کی حیثیت سے زیادہ وقعت نہیں رکھ سکتا۔ تاہم اس قدر مزید لکھدینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک ملہم کا اپنے

بعض الہامات کے متعلق یہ کہہ دینا۔ کہ مجھے ان کے معانی پر اطلاع نہیں ہوئی۔ بذاتِ خود اس کی صداقت کا بہت بڑا ثبوت ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر ملہم مفتری و کاذب ہے۔ تو کون شخص یہ تسلیم کر سکتا ہے۔ کہ وہ ایسے الہامات گھڑ کر لوگوں کو سُنائے گا۔ جن کے متعلق اسے کہنا پڑے کہ میں ان کے معانی نہیں جانتا۔ ایسی صورت میں وُہ آسان سے آسان جملے تیار کر کے لوگوں کو سُنا سکتا ہے۔ ایسے الہامات گھڑنے کی اُسے کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جو اس پر اعتراض قائم کرنے والے ہوں۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا اردو عربی اور فارسی میں اللہ تعالےٰ کے فضل سے مہارت تامہ رکھنے کے باوجود بعض الہامات کے متعلق یہ کہہ دینا۔ کہ مجھے ان کے معانی کی ابھی سمجھ نہیں آئی۔ اور پھر دوسرے وقت ان کا علیٰ رؤس الاشہاد پورا ہو جانا۔ آپ کی صداقت وحقانیت کا درخشاں ثبوت اور اس امر کی واضح دلیل ہے کہ آپ نعوذ باللہ الہامات کے باب میں افترا نہیں کرتے تھے۔ بلکہ جو کچھ اللہ تعالےٰ آپ کو بتاتا۔ وہ لوگوں تک پہونچا دیتے۔ خواہ ایک وقت وہ لوگوں کو "مبہم" نظر آتے۔ مگر جیسا کہ بتایا جا چکا ہے۔ الہامات میں ایسا ابہام ہمیشہ وقتی اور عارضی ہوا کرتا ہے۔ جب الہام پورا ہوتا ہے۔ تو وُہ نہایت زبردست دلائل اور چمکتے ہوئے براہین کے ساتھ بتلا دیتا ہے کہ وہ خدا کا کلام ہے۔ نہ کہ کسی انسان کے منہ کے الفاظ

چشمۂ معرفت میں ایک معیار کا ذکر

سیّد حبیب نے وہ اصل بیان کرنے کے بعد جس کی ابھی تردید کی گئی ہے لکھا ہے "میں اپنی اس دلیل کو مرزا صاحب کے مقرر کردہ معیار پر جانچتا ہوں۔ آپ کتاب چشمۂ معرفت کے صفحہ ۲۰۹ پر لکھتے ہیں۔ کہ:۔ "یہ تو بالکل غیر معقول اور بیہودہ امر ہے۔ کہ انسان کی اصلی زبان تو کوئی ہو۔ اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو جس کو وہ سمجھ بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ اس میں تکلیف مالا یطاق ہے۔ اور ایسے الہام سے فائدہ کیا۔ جو انسانی سمجھ سے بالاتر ہو"۔ لیکن اس معیار کے قائم کرنے کے بعد آپ کتاب نزول المسیح کے صفحہ ۵۷ پر لکھتے ہیں۔ کہ:۔ "زیادہ تر تعجب کی بات یہ ہے۔ کہ بعض الہامات مجھے ان زبانوں میں ہوئے ہیں۔ جن سے مجھے کچھ بھی واقفیت نہیں جیسے انگریزی یا سنسکرت یا عبرانی وغیرہ" اس کے بعد کون ایسا صاحبِ عقل سلیم ہوگا۔ جو تسلیم نہ کرے گا۔ کہ مرزا صاحب نے خود جو معیار مقرر کیا تھا۔ وُہ اس پر پورے نہیں اترے"۔ (تحریک قادیان صـ۱۰۱)

وُہ یہ ہے کہ الہام کسی ایسی زبان میں ہو۔ جو "انسانی استعمال سے الگ" (صفحہ ۲۰۸) ہو۔ "انسانی سمجھ سے بالاتر" (صفحہ ۲۰۹) ہو۔ بنی نوع انسان کی زبانوں کے مقابلہ میں "بیگانہ زبان" (صفحہ ۲۰۹) ہو۔ اور انسان کا یہ خیال ہو۔ کہ "انسانی زبان میں اس کو بولنا حرام ہے" (صفحہ ۲۰۹) اور اس میں شبہ ہی کیا ہے۔ کہ اگر الہام "خاص البشور کی ہی زبان" (صفحہ ۲۰۸) میں ہو۔ بنی نوع انسان کا کوئی فرد اسے "بولنے اور سمجھنے پر قادر" نہ ہو۔ تو ایسے الہام کا فائدہ کیا۔ اور اس صورت میں تو "دیدہ دانستہ ان کو اپنی تعلیم سے محروم رکھنا" (صفحہ ۲۰۹) ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے جس امر کو بیہودہ قرار دیا ہے۔ وہ یہ نہیں۔ کہ ملہم پر کسی غیر زبان میں الہام نازل ہو۔ بلکہ یہ بیہودہ امر ہے۔ کہ ملہم پر کسی ایسی زبان میں الہام ہو جسے نوع انسان کا کوئی فرد بھی سمجھنے کی اہلیت نہ رکھتا ہو۔ جو صرف خدا ہی جانتا ہو۔ اور جو "تکلیف مالا یطاق" ہو۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام پر اگر انگریزی سنسکرت یا عبرانی میں بعض الہامات ہوئے: تو یہ الہامات "انسانی سمجھ سے بالاتر" نہیں قرار دیئے جا سکتے اور نہ ان زبانوں کو "انسانی استعمال سے الگ" قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ان زبانوں کے نہ صرف جاننے والے دنیا میں موجود ہیں۔ بلکہ ان زبانوں کی لغات بھی موجود ہیں جن سے عبارات کو حل کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے اس استدلال کی صداقت کا مزید ثبوت یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے چشمۂ معرفت کے صفحہ ۲۰۹ پر ہی اس امر کو بیان کیا ہے۔ کہ ملہم پر الہامات غیر زبانوں میں بھی ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔ "یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ قدیم سنت اللہ کے موافق تو یہی عادت الٰہی ہے۔ کہ وُہ ہر ایک قوم کے لئے اسی زبان میں ہدایت کرتا ہے۔ لیکن اگر کوئی زبان ایسی ہو۔ کہ ملہم کو خوب یاد ہو اور گویا اس کی زبان کے حکم میں ہو۔ تو بسا اوقات ملہم کو اس زبان میں الہام ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف کے بعض الفاظ سے یہ سند ملتی ہے۔ کیونکہ اول قرآن شریف قریش کی زبان میں ہی نازل ہونا شروع ہوا تھا۔ کیونکہ اوّل مخاطب قریش ہی تھے۔ مگر بعد اس کے قرآن شریف میں عرب کی اور اور زبانوں کے بھی الفاظ آ گئے ہیں۔ اور ہم لوگ جو قرآن شریف کے پیرو ہیں۔ اور ہماری شریعت کی کتاب خدا تعالےٰ کی طرف سے قرآن شریف ہے۔ اس لئے ہم خدا تعالےٰ سے اکثر عربی میں الہام پاتے ہیں۔ تا وُہ اس بات کا نشان ہو۔ کہ جو کچھ ہمیں ملتا ہے۔ وُہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ملتا ہے۔ اور ہم ہر ایک امر میں اسی ذریعہ

سے فیضیاب ہیں۔ اور چونکہ اس زمانہ میں خدا تعالےٰ کا ارادہ ہے۔ کہ تمام انسانوں کو ایک ہی قوم بنا وے۔ اس لئے ہم کبھی دوسری زبانوں میں الہام پاتے ہیں۔ مگر اکثر خدا تعالےٰ کا مکالمہ مخاطبہ عربی میں ہی ہوتا ہے۔ بلکہ بہت حصہ خدا تعالےٰ کے مکالمہ مخاطبہ کا قرآن شریف کی آیتوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ کہ قرآن شریف خدا کا کلام ہے۔ اور اس طور پر ایک نئے طریق سے ملہم کو یقین دلایا جاتا ہے کہ جس رسول پر وہ ایمان رکھتا ہے۔ وہ سچا رسول ہے۔ اور جس کتاب کو وُہ مانتا ہے۔ یعنی قرآن شریف کو وُہ خدا کی کتاب ہے۔ غرض جبکہ اب بھی مختلف زبانوں میں الہام ہوتا ہے۔ اور صدہا پیشگوئیاں اس الہام کے ذریعہ سے پوری ہوتی ہیں۔ تو کیا اب تک ثابت نہ ہوا۔ کہ خدا ہر ایک زبان میں الہام کرتا ہے۔ کیا سچی خوابیں خدا کی طرف سے نہیں ہوتیں۔ کیا ان میں بھی ویدک سنسکرت لازمی ہے۔" (چشمۂ معرفت صفحہ ۲۰۹ و ۲۱۰)

نزول المسیح اور چشمۂ معرفت کی عبارات میں کوئی تضاد نہیں

اس مندرجہ بالا عبارت میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے تسلیم فرمایا ہے۔ کہ:۔

ا۔ "ہم کبھی دوسری زبانوں میں الہام پاتے ہیں۔"

ب:۔ "اب بھی مختلف زبانوں میں الہام ہوتا ہے۔"

ج:۔ "خدا ہر ایک زبان میں الہام کرتا ہے۔"

اس کے بعد نزول المسیح کی یہ عبارت پڑھیئے۔ کہ:۔

"بعض الہامات مجھے ان زبانوں میں ہوئے ہیں۔ جن سے مجھے کچھ بھی واقفیت نہیں جیسے انگریزی یا سنسکرت یا عبرانی وغیرہ۔" "الہام کبھی ایسی زبانوں میں بھی ہو جاتا ہے۔ جن کا ملہم کو کچھ بھی علم نہیں۔" (نزول المسیح صفحہ ۵۷ و ۱۱۵) اور پھر خود ہی انصاف فرمایئے۔ کہ کیا ان دونوں عبارتوں میں تضاد ہے؟

قرآن کریم پر تضاد کا اعتراض

سید حبیب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی عبارات میں جس قسم کے تضاد کی مثال پیش کی ہے۔ یہ ویسا ہی تضاد ہے۔ جیسا کہ پنڈت دیانند صاحب نے ستیارتھ پرکاش میں لکھا کہ:۔

"قرآن میں کہیں تو لکھا ہے۔ کہ اُونچی آواز سے اپنے مالک کو پکارو۔ اور کہیں لکھا ہے۔ کہ دھیمی آواز سے۔ اب کہئے۔ کونسی بات سچی ہے۔ اور کونسی جھوٹی ہے۔ ایک دوسرے کے متضاد باتیں سودائیوں کے بکواس کے مانند ہوتی ہیں" (باب ۱۲ ع ۷۵)

مگر جس طرح قرآن مجید میں کوئی اختلاف نہیں۔ بلکہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ پر درست ہیں۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چشمہ معرفت والی عبارت بھی درست ہے۔ اور نزول المسیح کی عبارت بھی۔ اگر اعتراض ہوسکتا ہے۔ تو مخالفین کی عقل و فہم پر۔ جو حقیقت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

وحیٔ تشریعی کیلئے شرط

دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ چشمۂ معرفت میں جس وحی و الہام کا ذکر ہے۔ وہ ایسی وحی ہے۔ جس میں الہامی کتاب یعنی شریعت نازل ہو۔ اور اس میں بیان کردہ اوامر و نواہی لوگوں تک پہونچانے ضروری ہوں۔ ایسی وحی والہام کے لئے بیشک ضروری ہے۔ کہ وُہ غیر زبان میں نہ ہو تاکہ اس کے سمجھنے میں ملہم کے لئے کوئی دقت واقع نہ ہو۔ اور لوگوں کو خدا تعالےٰ کا پیغام جلد سے جلد پہونچایا جاسکے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام تو صاحب شریعت نبی نہیں۔ بلکہ قرآن مجید کے تابع ہیں۔ جیسا کہ آپ چشمۂ معرفت میں فرماتے ہیں:۔

"ہماری شریعت کی کتاب خدا تعالےٰ کی طرف سے قرآن شریف ہے" (صفحہ ۲۱)

پس آپ پر اگر غیر زبان میں کوئی ایسا الہام نازل ہو۔ جو شرعی احکام کا حامل نہ ہو تو چشمۂ معرفت میں بیان کردہ اصل کے رُو سے قابل اعتراض امر نہیں ہوسکتا۔

الہامات میں اجنبی زبان کے بعض الفاظ کا آنا قابل اعتراض امر نہیں

تیسرا جواب یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام ایسی الہامی کتاب کا ذکر فرما رہے ہیں۔ جو من اوّلہٖ الی آخرہٖ اجنبی اور غیر زبان میں نازل شدہ ہو۔ لیکن ہزاروں الہامات میں سے اگر چند ایک الہام اجنبی زبان میں نازل ہو جائیں۔ تو النادر کالمعدوم کے حکم کے مطابق وہ متذکرۃ الصدر تحریر کے ماتحت متصور نہ ہونگے۔ جیسا کہ محققین نے یہ تسلیم کیا ہے۔ کہ قرآن مجید میں بھی باوجود اس کے کہ اسے فصیح ترین عربی زبان میں نازل ہونے کا دعوےٰ ہے۔ غیر زبان کے الفاظ موجود ہیں۔ مگر باوجود قرآن مجید

میں غیر زبان کے الفاظ موجود ہونے کے یہ امر انا انزلناہ قرآنًا عربیًا کے دعوے کو باطل نہیں کرسکتا۔ چنانچہ روح المعانی جلد ۴ صـ۷ پر لکھا ہے۔ وذھب جمع الی وقوع غیر العربی فیہ (فی القرآن) واجابوا عن الأیۃ بان الکلمات الیسیرۃ بغیر العربیۃ لا تخرجہ عن العربیۃ فالقصیدۃ الفارسیۃ لا تخرج عن کونھا فارسیۃ بلفظۃٍ عربیۃ یعنی ایک جماعت کا عقیدہ ہے۔ کہ قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ پائے جاتے ہیں۔ اور انہوں نے اس آیت کا کہ ہم نے قرآن مجید کو عربی زبان میں نازل کیا۔ یہ جواب دیا ہے۔ کہ چند غیر عربی کلمات قرآن مجید کی زبان کو عربیت سے علیحدہ نہیں کرسکتے۔ جیسا کہ اگر فارسی قصیدہ میں کوئی عربی لفظ آجائے۔ تو وہ اسے فارسی سے خارج نہیں کرسکتا۔

اسی طرح لکھا ہے:۔

واختار الجلال السیوطی القول بالوقوع واستدل علیہ بما صح عن ابی مسیرۃ التابعی الجلیل انہ قال فی القرآن من کل لسان وروی مثلہ عن سعید بن جبیر و وھب بن منبہ (روح المعانی جلد ۴ صـ۶)

یعنی علامہ جلال الدین سیوطی کا بھی یہی قول ہے۔ کہ قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ پائے جاتے ہیں۔ اور انہوں نے اپنے قول کی بنیاد ابی میسرہ تابعی کی اس روایت پر رکھی ہے۔ کہ قرآن میں ہر زبان کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ سعید بن جبیر اور وہب بن منبہ کا بھی یہی قول ہے۔

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں:۔

ان اللہ تکلم بالمشکوٰۃ وھو بلسان الحبشۃ والسجّیل والاستبرق فارسیان (تفسیر کبیر جلد ۱ صـ۲۳۳)

یعنی قرآن مجید میں جو لفظ مشکوٰۃ آیا ہے۔ یہ حبشہ زبان سے ماخوذ ہے۔ اسی طرح سجّیل اور استبرق فارسی الفاظ ہیں پھر لکھا ہے:۔

"وذکر ابو بکر الواسطی ان فی القرآن من اللغات خمسین لغۃ وسردھا مثلًا لھا الا انہ ذکر ان فیہ من غیر العربیۃ الفرس والنبط والحبشۃ والبربر والسریانیۃ والعبرانیۃ والقبط" (روح المعانی جلد ۴ صـ۲۱)

یعنی ابو بکر الواسطی کہتے ہیں۔ کہ قرآن مجید میں فارسی۔ نبطی۔ حبشی۔ بربری۔ سریانی

عبرانی اور قبطی وغیرہ قریبًا پچاس زبانیں استعمال کی گئی ہیں۔

پس جیسا کہ قرآن میں غیر زبان کے الفاظ آنا قابل اعتراض امر نہیں۔ بحالیکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فارسی، نبطی، حبشی، سریانی، عبرانی اور قبطی وغیرہ زبانوں سے بالکل ناواقف تھے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر غیر زبان میں بعض الہامات ہونا بھی قابل اعتراض امر نہیں ہوسکتا۔

ملہم کی صداقت اور عدم تصنع کی دلیل

علاوہ ازیں عقلی طور پر اگر غور کیا جائے۔ تو یہ امر سمجھ میں آنا کچھ بھی مشکل نہیں کہ غیر زبان میں الہام ہونا کسی خرابی یا نقص کا ثبوت نہیں۔ بلکہ درحقیقت ملہم کی صداقت اور عدم تصنع کی دلیل ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ زبان جسے انسان جانتا ہی نہ ہو۔ اس میں نازل شدہ الہام کو افتراء یا بناوٹ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ وہ کسی بالا ہستی کا کلام ہے۔ بالخصوص جبکہ کسی پیشگوئی پر مشتمل ہو۔ اور اپنے وقت پر پورا ہو کر لوگوں کے ایمانوں میں ازدیاد کا باعث ہو۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انگریزی الہامات کا ذکر کرتے ہوئے براہین احمدیہ پر ریویو کے دوران میں لکھتے ہیں: ”اس زبان میں (جس سے مؤلف کی زبان۔ کان۔ دل۔ خیال کسی کو آشنائی نہ تھی) مؤلف کو الہام ہونے میں ایک فائدہ تو یہ ہے۔ کہ اس میں سامعین و مخاطبین کو مؤلف کی طبیعت یا خیال کی بناوٹ کا احتمال و گمان نہ ہو۔ ہندی۔ فارسی۔ عربی (جو ان کی مادری و مذہبی و علمی زبانیں ہیں) کے الہامات میں یہ بھی احتمال اور متردین کو خیال پیدا ہوسکتا ہے۔ کہ یہ الہامات مؤلف نے خود عمدًا بنالئے ہیں۔ یا بلا ارادہ و اختیار ان کی حالت خواب میں ان کے دماغ و خیال نے گھڑ لئے ہیں۔ اس گھڑت و بناوٹ کا خیال الہامات انگریزی میں (جس سے صاحب الہام کی زبان۔ کان۔ دل و خیال کو کسی قسم کا تعلق نہیں) کوئی نہیں کرسکتا۔ کیونکہ طبیعت و خیال کو اسی چیز تک رسائی ہوتی ہے۔ جس سے اس کو کسی وجہ سے تعلق ہو۔ ہندی نژاد (جو عربی سے محض ناآشنا ہو) کا خیال عربی نہیں بناسکتا۔ جیسے مچھلی اُڑ نہیں سکتی۔ اور چڑیا تیر نہیں سکتی۔“ (صـ۱۸)

پیش کردہ الہامات کی حقیقت

یہ معیار پیش کرنے کے بعد سید حبیب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض ایسے الہامات پیش کئے ہیں۔ جن کے متعلق آپ نے ایک وقت تحریر فرمایا۔ کہ مجھے ان کے معانی سے اطلاع نہیں ہوئی۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد یا تو وہ پورے ہو گئے۔ یا ان کے معانی کا آپ پر انکشاف ہوگیا۔ مگر سید صاحب کے نزدیک ہنوز وہ عقدۂ لا ینحل کی صورت میں ہیں۔

”ایلی ایلی لما سبقتنی ایلی اوس“

سب سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا الہام ”ایلی ایلی لما سبقتنی ایلی اوس“ قابل اعتراض قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ الہام براہین احمدیہ میں درج کرتے وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تحریر فرمایا:۔

”آخری فقرہ اس الہام کا یعنی ایلی اوس بباعث سرعت ورود مشتبہ رہا ہے۔ اور نہ اس کے کچھ معنے کھلے۔ واللہ اعلم بالصواب۔“ (جلد چہارم صـ۵۱۳)

اس کے ساتھ آپ نے الہام کے ابتدائی الفاظ یعنی ایلی ایلی لما سبقتنی کا یہ ترجمہ کردیا۔ کہ: ”اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا“

اس پر سید صاحب لکھتے ہیں: ”پہلے فقرہ کے معنے مرزا صاحب کو اس لئے معلوم تھے کہ یہ فقرہ انجیل میں موجود ہے۔ اور کہا جاتا ہے۔ کہ صلیب پر حضرت عیسےٰ نے یہ فقرہ استعمال کیا۔ مرزا صاحب نے جو اضافہ کیا۔ وہی ان کی سمجھ میں نہیں آیا۔

عقل و فہم سے بعید امر

لیکن کیا کسی شخص کی عقل میں یہ بات آسکتی ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام الہامات میں ازخود ایسا اضافہ کیا کرتے تھے۔ جس کے متعلق آپ کو کہنا پڑتا۔ کہ میری سمجھ میں اس کا مطلب نہیں آیا۔ اگر آپ الہامات میں ازخود اضافہ کیا کرتے تھے۔ بلکہ الہامات اول سے آخر تک خود بنا بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کیا کرتے تھے۔ تو کیا معمولی سے معمولی عقل و دانش کا انسان بھی یہ خیال کرسکتا ہے۔ کہ وہ ایسا اضافہ کرتے۔ یا ایسے الہامات پیش کرتے۔ جن کے معنوں سے خود ناآشنا ہوتے۔ اگر الہامات آپ کے نفس کا افتراء ہوتے۔ تو ایلی ایلی لما سبقتنی کے ساتھ ایک ایسا جملہ بھی آپ بنا سکتے تھے۔

جو دعائیہ ہوتا۔ اور ہر شخص اسے سمجھ سکتا۔ لیکن آپ کا ایسا نہ کرنا بتاتا ہے۔ کہ آپ کو اللہ تعالےٰ نے جو کچھ بتایا۔ وہی آپ نے دُنیا کے سامنے پیش کیا۔ خواہ آپ پر اس کے معانی کا انکشاف اس وقت نہ ہوا۔ اتنی موٹی بات بھی اگر کوئی شخص نہ سمجھ سکے۔ تو بہت قابلِ افسوس امر ہے۔

دردمندانہ دُعا

بہرحال سید حبیب کو ہم بتانا چاہتے ہیں۔ کہ الہام "ایلی اوس" بے معنی فقرہ نہیں بلکہ ایک دردمندانہ دعا کا حامل ہے۔ بے شک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے براہین احمدیہ میں لکھا۔ کہ اس کے معنی مجھ پر نہیں کھلے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ یہ بے معنی فقرہ ہے۔ یا اس کے معنی کھل ہی نہیں سکتے۔ بیسیوں باتیں ایک وقت انسانی ذہن میں نہیں آتیں۔ مگر دوسرے وقت آجاتی ہیں۔ مثال کے طور پر میں ایک اور الہام پیش کرتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو براہین احمدیہ کے زمانہ میں ہی الہام ہوا۔ آئی لو یُو۔ آئی شیل گو یُو اے لارج پارٹی آف اسلام۔ جس کے معنے یہ ہیں۔ کہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔ میں تجھے ایک عظیم الشان اسلامی جماعت عطا کرونگا۔ مگر جس وقت یہ الہام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے براہین احمدیہ میں درج فرمایا۔ تو ساتھ ہی لکھدیا "چونکہ اس وقت یعنی آج کے دن اس جگہ کوئی انگریزی خوان نہیں۔ اور نہ اس کے پورے معنے کھلے ہیں۔ اس لئے بغیر معنوں کے لکھا گیا" (ص۵۵۶ حاشیہ)

گویا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام اقرار فرماتے ہیں۔ کہ ان ہر دو انگریزی الہامات کے معانی آپ پر نہیں کھلے۔ کیونکہ کوئی انگریزی خوان موجود نہیں۔ جس سے آپ پوچھ سکیں اسی لئے بغیر ترجمہ کے الہامات درج کر دیئے گئے۔ لیکن سوچنے والی بات یہ ہے۔ کہ کیا واقعہ میں ان الہامات کے معانی انسانی سمجھ سے بالاتر تھے۔ ہر شخص کہے گا۔ کہ گو بوجہ انگریزی نہ جاننے کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو ان کے معانی پر اطلاع نہ ہوئی۔ مگر لوگوں سے دریافت کرنے کے بعد معانی پر اطلاع ہو سکتی تھی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو دریافت کرنے پر معانی کا پتہ لگ گیا۔ اور آپ نے کئی جگہ ان کو اپنی کتابوں میں درج بھی فرما دیا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو الہام ہوتا ہے۔ ایلی ایلی لما سبقتنی ایلی اوس (ص۵۱۳) آپ پہلے حصہ کا ترجمہ کر دیتے ہیں۔ اور دوسرے

کے متعلق لکھدیتے ہیں۔ کہ اس کے معنے نہیں کھلے۔ اس میں اعتراض کی کونسی بات ہو گئی لغت دیکھیں۔ وہاں لکھا ہے۔

" اَسَ اَوْسًا و ایاسًا۔ اعطیٰ عوّض۔ الاوس العطیّۃ۔ (المنجد) یعنی اس اوسًا کے یہ معنے ہیں۔ کہ اس نے انعام یا معاوضہ دیا۔ اسی طرح اوس عطیہ کو کہا جاتا ہے۔

ایلی جو اوس سے پہلے لفظ ہے۔ اس کے معنے ہر شخص جانتا ہے۔ یعنی ایلی کے معنے "اے خدا" کے ہیں۔ چنانچہ ایلی ایلی لما سبقتنی کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے یہی ترجمہ کیا ہے۔ کہ "اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا" پس ایلی اوس کے یہ معنے ہیں۔ کہ اے خدا مجھ پر اپنے انعامات کی بارش برسا۔ اور مجھے اپنے پاس سے اجر عطا فرما۔ کیونکہ سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جو اجر دے سکے۔ حضرت نوح علیہ السّلام بھی کہتے ہیں۔ ان اجری الا علی اللہ ﴿۱۲﴾۔ ان معانی کو اپنے سامنے رکھیں۔ اور پھر غور فرمائیں۔ کہ کیا یہ بے معنی الہام ہے۔

"ھوشعنا نعسا"

دوسرا الہام براہین احمدیہ ص۵۵۶ سے "ھوشعنا نعسا" پیش کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے لکھا۔ کہ: "یہ دونوں فقرے شاید عبرانی ہیں۔ اور ان کے معنے ابھی تک اس عاجز پر نہیں کھلے" لیکن غالبًا سید صاحب کو معلوم نہیں۔ براہین احمدیہ حصہ پنجم میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے ان کے معانی کو بیان کر دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"اے خدا میں دعا کرتا ہوں۔ کہ مجھے نجات بخش اور مشکلات سے رہائی فرما۔ ہم نے نجات دیدی۔ یہ دونوں فقرے عبرانی زبان میں ہیں۔ اور یہ ایک پیشگوئی ہے۔ جو دُعا کی صورت میں کی گئی۔ اور پھر دعا کا قبول ہونا ظاہر کیا گیا۔ اور اس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جو موجودہ مشکلات ہیں۔ یعنی تنہائی۔ بیکسی۔ ناداری۔ کسی آئندہ زمانہ میں وُہ دور کر دیجائیگی۔ چنانچہ پچیس برس کے بعد یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ اور اس زمانہ میں ان مشکلات کا نام و نشان نہ رہا۔" (ص۸۰)

"ھوشعنا" کا لفظ انجیل میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ آتا ہے۔

"شاگردوں نے جا کر جیسا یسوع نے انہیں حکم دیا تھا۔ ویسا ہی کیا۔ اور گدھی اور بچے کو

لاکر اپنے کپڑے ان پر ڈالے۔ اور وہ ان پر بیٹھ گیا۔ اور بھیڑ میں کے اکثر لوگوں نے اپنے کپڑے راستہ میں بچھائے۔ اور اوروں نے درختوں سے ڈالیاں کاٹ کر راہ میں پھیلائیں۔ اور بھیڑ جو اس کے آگے آگے جاتی اور پیچھے پیچھے چلی آتی تھی۔ پکار پکار کر کہتی تھی۔ کہ ابن داؤد کو ھوشعنا۔ مبارک ہے وُہ جو خداوند کے نام پر آتا ہے۔ عالم بالا پر ھوشعنا۔" (متی ۲۱ تا ۹)

ھوشعنا کے نیچے حاشیہ پر انجیل میں لکھا ہے۔ "عبرانی زبان میں اس کے معنی ہیں کرم کرکے نجات دے۔"

زبور میں بھی ھوشعنا کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ کہ "خداوند میں منت کرتا ہوں۔ نجات بخشئے۔ اے خداوند میں منت کرتا ہوں۔ کامیابی بخشئے۔" ۱۱۸/۲۵

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے بھی یہی ترجمہ فرمایا ہے کہ "اے خدا میں دعا کرتا ہوں۔ کہ مجھے نجات بخش اور مشکلات سے رہائی فرما۔"

دوسرا فقرہ "نعسا" ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے۔ "ہم نے نجات دیدی۔" اور اگر عبرانی لغات دیکھی جائیں۔ تو ان معنوں کی بھی وہاں سے تصدیق ہوتی ہے۔ پس یہ الہام بھی بے معنی نہیں۔ بلکہ ایک دعا اور اس کی قبولیت کا حامل ہے۔

پریشن۔ عمر۔ براطوس یا پلاطوس

تیسرے نمبر پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا الہام "پریشن۔ عمر براطوس یا پلاطوس" مکتوبات احمدیہ جلد اول صـ۶۸ سے نقل کرتے ہوئے اسے بے معنی قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ بھی بے معنی نہیں۔ بلکہ ایک عظیم الشان پیشگوئی پر مشتمل الہام تھا۔ جس نے اپنے وقت پر پورے ہو کر خدا تعالےٰ کے مسیح کی صداقت دنیا پر روز روشن سے بھی بڑھ کر واضح کر دی۔

دراصل یہ الہام براہین احمدیہ کے زمانہ کا ہے۔ اور ۱۸۸۳ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام پر نازل ہوا۔ چنانچہ میر عباس علی صاحب لودھیانوی کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے ایک خط میں تحریر فرمایا۔

"چونکہ اس ہفتہ میں بعض کلمات انگریزی وغیرہ الہام ہوئے ہیں۔ اور اگرچہ بعض ان میں سے ایک ہندو لڑکے سے دریافت کئے ہیں۔ مگر قابل اطمینان نہیں۔ اور بعض منجانب اللہ بطور ترجمہ الہام ہوا تھا۔ اور بعض کلمات شاید عبرانی ہیں۔ ان سب کی تحقیق تنقیح ضرور ہے۔

تا بعد تنقیح جیسا کہ مناسب ہو آخیر جزو میں کہ اب تک چھپی نہیں۔ درج کئے جائیں۔ آپ جہاں تک ممکن ہو۔ بہت جلد دریافت کرکے صاف خط میں جو پڑھا جاوے۔ اطلاع بخشیں۔ اور وُہ کلمات یہ ہیں۔ پریشن۔ عمر۔ براطوس یا پلاطوس یعنی پڑطوس لفظ ہے۔ یا پلاطوس لفظ ہے۔ بباعث سرعتِ الہام دریافت نہیں ہوا۔ اور عمر عربی لفظ ہے۔ اس جگہ براطوس اور پریشن کے معنے دریافت کرنے ہیں۔ کہ کیا ہیں۔ اور کس زبان کے یہ لفظ ہیں۔" (مکتوبات احمدیہ جلد اول صـ۶۸)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی اس تحریر سے اصولی طور پر ہمیں یہ امر معلوم ہوتا ہے۔ کہ سرعت الہام کی وجہ سے آپ کو صحیح الفاظ یاد نہیں رہ سکے۔ مگر چونکہ یہ پیشگوئی ایک عظیم الشان واقعہ کے ذریعہ پوری ہو چکی ہے۔ اس لئے ہمیں یہ کہنے میں تامل نہیں کہ صحیح لفظ "پلاطوس" ہے

اور دراصل اس لفظ میں اس عظیم الشان خون کے مقدمہ کی طرف کئی سال قبل خدا نے اشارہ فرمایا تھا۔ جو مسیحیوں کی طرف سے پادری مارٹن کلارک نے آپ پر دائر کیا۔ اور جس میں اس نے خیال کیا تھا۔ کہ چونکہ گورنمنٹ اس کی ہم مذہب ہے۔ اس لئے عدالت میں اس کی رعایت کی جائے گی۔ اس نے عدالت میں رپورٹ کی تھی۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اس کو قتل کرانے کے لئے ایک آدمی اس کی طرف بھیجا ہے۔ پھر اس امر کو تقویت دینے کے لئے ایک آوارہ طبع آدمی کو کئی قسم کے حیلوں بہانوں اور مکرو فریب سے اس بات پر آمادہ کر لیا گیا۔ کہ وہ عدالت میں کہدے۔ کہ واقعہ میں مجھے مرزا صاحب نے پادری صاحب کو قتل کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ یہ ایک ایسا خطرناک مقدمہ تھا۔ کہ تمام مخالف طاقتیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں متحد ہو گئیں۔ اور دشمنوں نے خیال کیا۔ کہ اب نعوذ باللہ آپ کو مٹانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ مقدمہ ایک انگریز ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کیپٹن ڈگلس کے سامنے پیش ہوا۔ مگر جس طرح مسیح اوّل کے وقت پیلاطوس پر حق کھول دیا گیا تھا۔ اسی طرح کیپٹن ڈگلس پر جو مسیح ثانی کا پیلاطوس تھا۔ حق کھول دیا گیا۔ اور اس نے سمجھ لیا۔ کہ یہ مقدمہ محض بناوٹی ہے۔ چنانچہ اس نے نہایت عزت و احترام کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو بری کیا۔

مقدمۂ اقدام قتل کی طرف اشارہ

پس "پلاطوس" کے لفظ میں جو ۱۸۸۳ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام پر الہامًا نازل ہوا۔ اسی مقدمہ اقدام قتل کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ اور بتایا گیا تھا۔ کہ جس طرح مسیح اول پر مقدمہ ہوا۔ اسی طرح مسیح ثانی پر بھی ہوگا۔ اور جس طرح مسیح اوّل پلاطوس کے سامنے پیش ہوا۔ اسی طرح مسیح ثانی بھی پلاطوس کے سامنے پیش ہوگا۔ چنانچہ واقعہ میں ایسا ہی ہوا۔ اور اسی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے کشتی نوح (صلہ تا ۵۳) اور دیگر کئی کتب میں کپتان ڈگلس کو پیلاطوس قرار دیتے ہوئے اس کے لئے بہت سے تعریفی الفاظ کا استعمال کیا ہے۔

لفظ "عمر" میں مقدمہ کی حقیقت اور انجام کی خبر

اس الہام میں دوسرا لفظ "عمر" ہے۔ جس میں اس مقدمہ کی حقیقت اور انجام کی خبر دی گئی تھی۔ اور بتایا گیا تھا۔ کہ یہ مقدمہ ایسا ہوگا۔ جس کا انسانی زندگی کے ساتھ تعلق ہوگا۔ یعنی مخالف لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی عمر کو منقطع کرنے اور آپ کو دنیا سے ناپید کرنے کے لئے یہ مقدمہ کھڑا کرینگے۔ لیکن ساتھ ہی "عمر" کہکر اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا۔ کہ مخالف لوگ اپنی تدابیر میں ناکام رہیں گے۔ وہ چاہیں گے۔ کہ عمر ختم ہو جائے۔ لیکن خدا تعالےٰ آپ کو عمر عطا کرے گا۔ اور عزت کے ساتھ آپ کو بری کرے گا۔

مخالفین اور حکام کی طرف سے دباؤ

تیسرا لفظ الہام میں "پرتیشن" ہے۔ اس کی تحقیق کے لئے اگر انگریزی زبان کی لغات دیکھی جائیں۔ تو اس کے معنے "دباؤ" نظر آتے ہیں۔ اس لحاظ سے معنی یہ ہوئے کہ مخالفوں کی طرف سے ایک زمانہ میں دباؤ ڈالا جائے گا۔ چنانچہ مقدمہ کے دوران میں ایسا ہی ہوا۔ مخالفین نے حاکم وقت پر دباؤ ڈالنے کی انتہائی کوششیں کیں۔ مگر ناکام رہے۔

اسی طرح اس کا یہ بھی مفہوم تھا۔ کہ حکام کی طرف سے کچھ دباؤ ڈالا جائے گا۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے الہام ماھذا الا تھدید الحکام (البشریٰ جلد دوم صلا) میں جو اسی مقدمہ کے واقعات پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تریاق القلوب صفحہ ۹۱ اور نزول المسیح صفحہ ۱۹۷ پر چسپاں کیا ہے۔ اشارہ کیا گیا تھا۔ اور جسکی

تشریح میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ امرتسر کے وارنٹ جاری کرنے کا واقعہ تریاق القلوب صہ ۹۲ پر بیان کیا ہے۔

علاوہ ازیں سنسکرت زبان میں پریشن یا پریشنا کے معنے دلیل کے ذریعہ کسی چیز کا امتحان کرنا یا پرکھنا ہوتا ہے (پدم چندر کوش صہ ۲۳۳) اس لحاظ سے اس کے معنے یہ ہونگے۔ کہ اس مقدمہ کے دوران میں ڈگلس پر دلائل و براہین کے رو سے حقیقت واضح ہو جائے گی۔ اور وہ معلوم کر لیگا۔ کہ یہ مقدمہ محض بناوٹی ہے۔

اسی طرح سنسکرت میں پر۔ پرائے کو اور ایشں یا ایشن حکومت کو کہتے ہیں۔ گویا پریشن کے معنے غیر ملکی حکومت کے ہیں۔ ان معنوں کے لحاظ سے اس حقیقت کی طرف اشارہ تھا۔ کہ اگرچہ ایک غیر ملکی حکومت کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوگا۔ مگر اللہ تعالےٰ کامیابی عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالےٰ کا چمکتا ہوا نشان

غرض اس الہام میں کئی سال قبل اللہ تعالےٰ نے اس عظیم الشان مقدمہ اور اس میں کامیابی کی خبر دی تھی۔ جس وقت یہ الہام ہوا۔ اس وقت چونکہ خواب و خیال میں بھی یہ مفہوم نہیں آسکتا تھا۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اس کے متعلق لا علمی کا اظہار فرمایا۔ اور میر عباس علی صاحب کو لکھا۔ کہ اس کے معنے دریافت کر کے لکھیں مگر معلوم ہوتا ہے۔ انہیں بھی اس الہام کے متعلق حیرت سی رہی۔ لیکن آنے والے واقعات نے ثابت کر دیا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو اللہ تعالےٰ نے جو کچھ بتایا۔ اس میں آپ کے نفس کا کوئی دخل نہ تھا۔ وہ خدا تعالےٰ کا ایک الہام تھا۔ جو نازل ہوا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد نہایت آب و تاب اور چمکتے ہوئے انزات کے ساتھ پورا ہو گیا۔

"پیٹ پھٹ گیا" "موت تیراں ماہ حال کو" "ایک دم میں دم رخصت ہوا"

چوتھے نمبر پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا الہام "پیٹ پھٹ گیا" البشریٰ جلد دوم صہ ۱۱۹ سے پیش کیا گیا ہے۔ جس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے

"دن کے وقت کا الہام ہے۔ معلوم نہیں۔ کہ یہ کس کے متعلق ہے"

چھٹے نمبر پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ کا الہام "موت تیراں ماہ حال کو" البشریٰ

جلد دوم صہ۱۱۹ سے پیش کیا گیا ہے۔ مگر جس رنگ میں اُسے نقل کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سید صاحب نے بذاتِ خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی کتابوں میں سے یہ الہام نہیں دیکھا۔ بلکہ مخالفین کے لٹریچر میں سے جیسے پڑھا۔ اُسی طرح درج کر دیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔ "ایک اور پُر لطف الہام اسی صفحہ پر درج کرتے ہیں۔ الہام کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔" ۲۴ر دسمبر ۱۹۰۶ء مطابق ۵ر شعبان ۱۳۴۰ھ بروز پیر۔ موت تیرہ ماہ حال کو۔"

اول تو الہام کے نزول کی تاریخ البشریٰ میں ۲۴۔ ستمبر لکھی ہے۔ مگر سید صاحب نے ستمبر کو دسمبر بنا دیا۔

دوم۔ البشریٰ میں ۵ شعبان ۱۳۲۴ھ لکھا ہے۔ مگر سید صاحب نے ۱۳۲۴ھ کی بجائے ۱۳۴۰ھ ہجری کر دی۔

تیسرے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا الہام صرف اس قدر ہے۔ کہ "موت تیراں ماہِ حال کو"۔ لیکن سید صاحب نے اپنی علمیت کے صدقے "۲۴ دسمبر ۱۹۰۶ء مطابق ۵ شعبان ۱۳۴۰ھ بروز پیر" کو بھی الہام کا جزو سمجھ لیا۔ اور اسی بنا پر اسے "پُر لطف" قرار دیا۔ حالانکہ یہ الہام کے نزول کی تاریخ درج کی گئی تھی۔ نہ کہ اسے اصل الہام قرار دیا گیا تھا۔ مگر چونکہ سید حبیب نے اپنے تمام اعتراضات کی بنیاد مخالفین کے لٹریچر پر رکھی ہے۔ اور بذاتِ خود احمدیہ لٹریچر پڑھنے کی تکلیف گوارا نہیں کی۔ اس لئے یہی سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ انہوں نے کسی مخالف کی کتاب میں یہ الہام جس طرح درج دیکھا۔ اُسے نقل کر دیا۔ اور یہ ضروری خیال نہ کیا۔ کہ اصل کتاب سے بھی اس کا مقابلہ کر لیا جائے۔ بہرحال سید صاحب کی یہ ایک فروگذاشت تھی۔ جس کی طرف ہم نے توجہ دلا دی۔ اس الہام کے متعلق بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے لکھا۔ کہ "قطعی طور پر معلوم نہیں۔ کہ کس کے متعلق ہے۔ (البشریٰ جلد دوم صہ۱۲۰)

دسویں نمبر پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام "ایک دم میں دم رخصت ہوا" البشریٰ جلد دوم صہ۱۱۷ سے نقل کیا گیا ہے۔ یہ الہام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام پر ۳۰ جولائی ۱۹۰۶ء کو نازل ہوا۔ اور آپ نے فرمایا:۔

"اس کے پورے الفاظ یاد نہیں رہے۔ اور جس قدر یاد رہا۔ وُہ یقینی ہے۔ مگر معلوم

نہیں۔ کہ کس کے حق میں ہے لیکن خطرناک ہے۔ یہ الہام ایک موزون عبارت میں ہے۔ مگر ایک لفظ درمیان میں سے بھول گیا ہے۔"

سید صاحب نے اسے بھی قابل اعتراض ٹھہرایا ہے۔

چونکہ یہ تینوں الہامات ایک ہی واقعہ کے ذریعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں پورے ہو چکے ہیں۔ اور "حقیقۃ الوحی" میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اس کا ذکر بھی کیا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان تینوں الہامات کے یکجائی حل کے لئے وہ تحریر درج کر دی جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"مجھ کو ۳۰ر جولائی ۱۹۰۶ء میں اور بعد اس کے اور کئی تاریخوں میں وحی الٰہی کے ذریعہ بتلایا گیا۔ کہ ایک شخص اس جماعت میں سے ایک دم میں دُنیا سے رخصت ہو جائیگا۔ اور پیٹ پھٹ جائے گا۔ اور شعبان کے مہینہ میں وُہ فوت ہوگا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق شعبان ۱۳۲۴ھ میں میاں صاحب نور مہاجر جو صاحبزادہ مولوی عبد اللطیف صاحب کی جماعت میں سے تھا۔ یک دفعہ ایک دم میں پیٹ پھٹنے کے ساتھ مر گیا۔ اور معلوم ہوا کہ اس کے پیٹ میں کچھ مدت سے رسولی تھی۔ لیکن کچھ محسوس نہیں کرتا تھا۔ اور جوان مضبوط و توانا تھا۔ یک دفعہ پیٹ میں درد ہوا۔ اور آخری کلمہ اس کا یہ تھا۔ کہ اس نے تین مرتبہ کہا۔ کہ میرا پیٹ پھٹ گیا۔ بعد اس کے مر گیا۔ اور جیسا کہ پیشگوئی میں تھا شعبان کے مہینہ میں ایک دم میں اس کی جان رخصت ہو گئی۔ یہ پیشگوئی قبل از ظہور اخبار بدر اور الحکم میں شائع کرا دی گئی تھی۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صہ۴)

"خدا اس کو پنج بار ہلاکت سے بچائے گا"

پانچویں نمبر پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا الہام "خدا اس کو پنج بار ہلاکت سے بچائے گا۔" (البشریٰ جلد دوم صہ۱۱۹) پیش کیا گیا ہے۔ جس کے متعلق قوسین میں درج ہے۔ کہ "نہ معلوم کس کے حق میں یہ الہام ہے۔"

لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے الہامات پر اگر مجموعی لحاظ سے غور کیا جائے۔ تو اس کا مفہوم بھی بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ درحقیقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو اللہ تعالیٰ نے پانچ عظیم الشان زلازل کے آنے کی ان الفاظ میں خبر دی تھی کہ

"چمک دکھلاؤں گا تم کو اس نشاں کی پنج بار" (حقیقۃ الوحی صـ۹۳)

اور اس کی تشریح میں آپ نے فرمایا تھا:-

"اس وحی الٰہی کا یہ مطلب ہے۔ کہ خدا فرماتا ہے۔ کہ محض اس عاجز کی سچائی پر گواہی دینے کے لئے اور محض اس غرض سے کہ تا لوگ سمجھ لیں۔ کہ میں اس کی طرف سے ہوں۔ پانچ دہشت ناک زلزلے ایک دوسرے کے بعد کچھ کچھ فاصلہ سے آئیں گے۔ تا وہ میری سچائی کی گواہی دیں۔ اور ہر ایک میں ان میں سے ایک ایسی چمک ہوگی۔ کہ اس کے دیکھنے سے خدا یاد آجائے گا۔ اور دلوں پر ان کا ایک خوفناک اثر پڑے گا۔ اور وہ اپنی قوت اور شدت اور نقصان رسانی میں غیر معمولی ہونگے۔ جن کے دیکھنے سے انسانوں کے ہوش جاتے رہیں گے۔" (تجلیات الٰہیہ صـ۱)

اسی طرح فرمایا:-

"پانچ زلزلے اور آئیں گے۔ اور دنیا انکی غیر معمولی چمک کو دیکھے گی۔ اور ان پر ثابت کیا جائے گا۔ کہ یہ خدا تعالےٰ کے نشان ہیں۔ جو اس کے بندے مسیح موعودؑ کے لئے ظاہر ہوئے۔" (تجلیات الٰہیہ صـ۵)

پھر اس کے ساتھ ہی الہام ہوا۔ "اگر چاہوں تو اس دن خاتمہ۔ انی احافظ کل من فی الدار۔" (حقیقۃ الوحی صـ۹۳)

یعنی اگر میں چاہوں۔ تو اس دن دنیا کا خاتمہ کردوں۔ لیکن میں ہر ایسے شخص کی جو تیرے گھر میں ہوگا حفاظت کرونگا۔

ان الہامات کا سیاق و سباق دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جہاں پانچ عظیم الشان زلازل آنے کی اللہ تعالےٰ نے آپ کو خبر دی اور بتلایا۔ کہ اگر میں چاہوں۔ تو اس دن دنیا کا خاتمہ کردوں وہاں انی احافظ کل من فی الدار کا الہام کرکے یہ بھی بتا دیا۔ کہ جماعت احمدیہ اللہ تعالےٰ کے فضل سے ان زلازل عظیمہ کے نقصانات سے محفوظ رہے گی کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "کشتی نوحؑ" میں انی احافظ کل من فی الدار کی تشریح کرتے ہوئے یہ امر بیان فرمایا ہے۔ کہ

"اس جگہ یہ نہیں سمجھنا چاہئے۔ کہ وہی لوگ میرے گھر کے اندر ہیں۔ جو میرے اس خاک وخشت کے گھر میں بود و باش رکھتے ہیں۔ بلکہ وہ لوگ بھی جو میری پوری پیروی کرتے ہیں

میرے روحانی گھر میں داخل ہیں۔" (صـ۱۰)

اسی امر کا اس الہام میں بھی ذکر ہے۔ کہ "خدا اس کو پنج بار ہلاکت سے بچائے گا" کیونکہ جس طرح قرآن مجید کی بعض آیات بعض کی تفسیر کرتی ہیں۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے بعض الہامات بھی بعض اور الہامات کی تشریح کر دیتے ہیں۔ گویا اس الہام کا مطلب یہ ہے۔ کہ دنیا جب اللہ تعالےٰ کی قہری تجلیات کا پانچ مرتبہ نشانہ بنے گی۔ جب زمین کی بنیادیں ہلا دی جائیں گی۔ اور آسمان سے غضب الٰہیہ کا نزول ہوگا۔ اس وقت جماعت احمدیہ اللہ تعالےٰ کی حفاظت اور امان میں ہوگی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام اشعار میں بھی اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

سخت ماتم کے وہ دن ہوں گے مصیبت کی گھڑی
لیک وہ دن ہوں گے نیکوں کے لئے شیریں شمار
آگ ہے پر آگ سے وہ سب بچائے جائیں گے
جو کہ رکھتے ہیں خدائے ذوالعجائب سے پیار (درثمین اردو)

اس امر کا مزید ثبوت کہ اس الہام میں۔ کہ "خدا اس کو پنج بار ہلاکت سے بچائے گا" "اس کو" سے مراد جماعت احمدیہ ہی ہے۔ یہ ہے۔ کہ یہ الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ۱۷ ستمبر ۱۹۰۶ء کو نازل ہوا۔ اور اسی تاریخ کو بعض اور الہامات بھی ہوئے۔ مثلاً الہام ہوا "ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون" یعنی خدا ان لوگوں کے ساتھ ہے جنہوں نے تقوےٰ اختیار کیا۔ اور ان لوگوں کے ساتھ ہے۔ جو محسن ہیں۔ اسی طرح الہام ہوا۔ کتبتُ للذین آمنوا رحمۃً۔ میں نے ایمان والوں کے لئے اپنی رحمت مقدر کردی۔ پس یہ الہامات بھی تائیدی رنگ میں اس امر کا ثبوت ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو جماعت احمدیہ کی حفاظت کا وعدہ دیا ہے۔ اور اسی وعدہ کا اس الہام میں ذکر ہے۔ کہ "خدا اس کو پنج بار ہلاکت سے بچائے گا"

زلزلۂ بہار میں جماعت احمدیہ کی معجزانہ حفاظت

اس مفہوم کی صداقت کا بہت بڑا ثبوت یہ بھی ہے۔ کہ ۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء کو صوبۂ بہار میں ایک ہولناک زلزلہ آیا جس سے ہزاروں انسان ہلاک۔ ہزاروں مجروح بے شمار مکانات منہدم اور لاکھوں انسان بے خانماں ہو گئے۔ اور زلزلے کے ساتھ یہ آفت ٹوٹی۔ کہ زمین

جابجا شق ہوگئی۔ اور اس کے اندر سے پانی اس قدر ابلنا شروع ہوا۔ کہ بعض مقامات پر پانچ پانچ فٹ تک پانی چڑھ آیا۔ اور طغیانی سے آبادیاں غرق ہوگئیں۔ مونگھیر۔ مظفر پور۔ جمال پور۔ پٹنہ۔ دربھنگہ۔ بھاگلپور۔ مرزا پور۔ دارجلنگ اور کھٹمنڈو وغیرہ درجنوں شہر برباد ہو گئے۔ اور اس قدر نقصان ہوا۔ کہ اسے قیامت کا زلزلہ قرار دیا گیا۔ اور تاریخ ہند کے حوادث عظیمہ میں اسے شمار کیا گیا۔ مگر خدا تعالےٰ کی قدرت اور اس کی معجز نمائی نظر آ جاتی ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اس ہیبت ناک زلزلہ کے نتیجہ میں جس کا اثر سالہا سال تک لاکھوں لوگ محسوس کرتے چلے جائیں گے۔ صوبہ بہار میں صرف ایک احمدی شہید ہوا۔ اور باقی تمام احمدیوں کی جانیں معجزانہ رنگ میں اللہ تعالےٰ نے محفوظ رکھیں۔ یہی اس الہام کا مفہوم تھا۔ کہ خدا اس کو پنج بار ہلاکت سے بچائے گا۔ یعنی جب دنیا پانچ قیامت خیز زلازل سے تباہ ہوگی۔ جب آسمان آگ برسائے گا۔ اور زمین تباہی کے لئے منہ کھولے کھڑی ہوگی۔ اس وقت جماعت احمدیہ ہی ایک ایسی جماعت ہوگی جس کا خدا محافظ ہوگا۔ اور غضب کے ایام میں اس پر رحمت کی نگاہ رکھے گا۔ واقعات نے بتا دیا۔ کہ خدا تعالےٰ کا وعدہ پورا ہوا۔ اور ہمیں یقین ہے۔ کہ آئندہ بھی وہ رحیم وکریم آقا ہمیں خونِ دل کھانے کے ایام میں اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے گا۔ اور رحمت کی گود میں بٹھا کر حوادثات کے اثر سے ہمیں بچاتا رہے گا۔

"بہتر ہوگا کہ اور شادی کرلیں"

ساتویں نمبر پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ الہام پیش کیا گیا ہے "بہتر ہوگا کہ اور شادی کرلیں" (البشریٰ جلد دوم صفحہ ۱۲۴)

اس الہام کے متعلق بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے گو یہ لکھا ہے۔ معلوم نہیں کہ کس کی نسبت یہ الہام ہے" مگر مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض صحابہ سے روایتًا معلوم ہوا ہے۔ کہ یہ الہام حضرت نواب محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ کے متعلق ہوا تھا۔ نواب صاحب موصوف کی پہلی اہلیہ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۰۶ء کو فوت ہوئیں۔ (دیکھو اخبار بدر یکم نومبر ۱۹۰۶ء) اور ۲۰ر فروری ۱۹۰۷ء کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو الہام ہوا "بہتر ہوگا کہ اور شادی کرلیں"۔ اس پر ۱۷ر فروری ۱۹۰۸ء کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی بڑی صاحبزادی سیدہ مبارکہ بیگم صاحبہ کا عقد

حضرت نواب صاحب موصوف کے ساتھ کیا گیا (دیکھو اخبار بدر ۲۰ر فروری ۱۹۰۸ء) اور اس طرح یہ الہام معہ دیگر بعض الہامات کے نہایت آب وتاب کے ساتھ پورا ہوگیا۔

ناقابلِ اعتراض حقیقت

لیکن اگر بالفرض یہ الہام اب تک ایک سربستہ راز کی صورت میں ہو۔ تب بھی یہ قابلِ اعتراض نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب یہ پیشگوئی کی تھی۔ کہ ایک زمانہ میں اونٹنیاں سواری کے لحاظ سے بیکار ہوجائیں گی۔ یا کہا تھا۔ کہ مسلمان ہمرنگِ یہود بن جائیں گے۔ یا فرمایا تھا۔ کہ لوگوں میں سودخواری کا رواج ہوجائے گا۔ فواحش کی گرم بازاری ہوگی مسلمانوں پر ادبار وانحطاط چھا جائیگا۔ عیسائیت کا زور ہوگا۔ تو کیا یہ تمام پیشگوئیاں فورًا وقوع میں آگئیں؟ ہر شخص جانتا ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہزاروں پیشگوئیاں اگرچہ آپؐ کی حیات مبارکہ میں پوری ہوئیں۔ مگر ہزاروں پیشگوئیاں ایسی بھی تھیں۔ جو کتب احادیث کی تدوین کے بعد پوری ہوئیں۔ بلکہ اب تک پوری ہو رہی ہیں۔ اسی طرح اگر بعض الہامات اب تک پورے نہیں ہوئے۔ تو وہ کسی آئندہ زمانہ میں پورے ہوکر رہیں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام خود فرماتے ہیں۔

"خدا تعالےٰ نے ارادہ فرمایا ہے۔ کہ میری پیشگوئیوں سے صرف اس زمانہ کے لوگ ہی فائدہ نہ اٹھائیں۔ بلکہ بعض پیشگوئیاں ایسی ہوں۔ کہ آئندہ زمانہ کے لوگوں کے لئے ایک عظیم الشان نشان ہوں" (تریاق القلوب حاشیہ صفحہ ۱۳) اس لحاظ سے آئندہ زمانہ میں پورے ہونے والے الہامات پر اعتراض کرنا منہاج نبوت سے انتہائی ناواقفیت کا ثبوت دینا ہے۔

بعد ۱۱۔ انشاء اللہ

آٹھویں نمبر پر سید حبیب نے بزعم خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا ایک "حیرتناک الہام" یہ پیش کیا ہے۔ "بعد ۱۱۔ انشاء اللہ" (البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۶۵) اگر یہ الہام بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ایسے ہی الہامات میں سے ہوتا۔ جن کی حقیقت ابھی تک پردۂ راز میں ہے۔ تو ہم بلا خوف لومۃ لائم کہہ سکتے تھے۔ کہ ہمیں اس کی حقیقت حوالہ بخدا کرنی چاہیئے۔ اور سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ انبیاء کے تمام الہامات ایک نسل کے لئے ہی نہیں ہوتے۔ بلکہ آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے بھی رکھے جاتے ہیں۔ تا ان کے سامنے پورے ہوکر ان کے ایمانوں میں بھی ازدیاد ہو۔ لیکن یہ الہام تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے ایک اشد معاند بابو الٰہی بخش اکونٹنٹ لاہور کی ہلاکت سے پورا ہو چکا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام "حقیقۃ الوحی" میں یہ الہامات درج کرنے کے بعد کہ "خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں۔ اور انجام کار ان کی تعظیم ملوک اور ذوی الجبروت کرتے ہیں۔ اور وُہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں۔ میں چودہ چارپایوں کو ہلاک کرونگا۔ کیونکہ وہ حد سے بڑھ گئے تھے۔" چودہ چارپایوں کی ہلاکت کی تشریح کرتے ہوئے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں

"بابو الٰہی بخش صاحب گیارہ چارپایوں کے ہلاک ہونے کے بعد طاعون کے ساتھ ہلاک کئے گئے۔ جیسا کہ اس الہامی شعر میں ہے ؎

بر مقام فلک شدہ یارب گر امیدے دہم مدار عجیب

بعد گیاراں۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ بابو صاحب کا بارھواں نمبر تھا۔ اور ان کے بعد دو اور ہیں تا چودہ پورے ہو جاویں۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صہ ۱۵۱)

قارئین کی واقفیت کے لئے یہ درج کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ الہامی شعر کہ ؎

بر مقام فلک شدہ یارب گر امیدے دہم مدار عجیب

"بعد ۱۱۔ انشاء اللہ" والے الہام کے بالکل ساتھ ہے اور البشریٰ جلد دوم صہ ۶۵ پر ہی درج ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ان دونوں الہامات کو بابو الٰہی بخش صاحب کی ہلاکت پر چسپاں کرنا بتاتا ہے۔ کہ آپ کے خیال میں یہ دونوں الہامات پورے ہو چکے۔ مخالفوں کو "چارپایہ" کہنا بھی قابل اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن مجید میں حق و راستی سے دور رہنے والے لوگوں کے متعلق آتا ہے۔ اولٓئک کالانعام بل ھم اضل۔ یعنی وہ چارپائے ہیں۔ بلکہ ان سے بھی بدتر۔

الہام غثم غثم غثم لہٗ کا مفہوم

نویں نمبر پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام "غُثْمُ غُثْمُ غُثْمُ" درج کرنے کے بعد اسے غیر واضح قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ اصل الہام یہ ہے غَثِمَ۔ غَثِمَ۔ غَثِمَ لہ دفع الیہ من مالہٖ دفعۃ" (البشریٰ جلد دوم صہ ۵۰)

پھر عجیب بات یہ ہے۔ کہ اس کے معنے الہام میں ہی بتائے گئے ہیں۔ جو یہ ہیں۔ کہ دفع الیہ من مالہٖ دفعۃ" یعنی اس کا مال اس کو اچانک دیا گیا۔ البشریٰ میں بھی یہی معنے

درج ہیں۔ اور لغت میں بھی یہی لکھا ہے۔ کہ غثم لہ۔ دفع لہ دفعۃً جیدۃ من المال (المنجد) یعنی غثم کے معنے یہ ہیں۔ کہ اُسے یکدم مال دیا گیا۔ پس جبکہ اس الہام کا مطلب بھی بالکل واضح ہے۔ تو اسے بے معنی فقرہ کس طرح کہا جا سکتا ہے۔

الہامات کا بھلایا جانا

گیارھویں نمبر پر سید حبیب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ الفاظ درج کئے ہیں:۔

"ایک عربی الہام تھا۔ الفاظ مجھے یاد نہیں رہے۔ حاصل مطلب یہ ہے۔ مکذبوں کو نشان دکھایا جائے گا۔" (البشریٰ جلد دوم صہ ۹۴)

اس عبارت کے درج کرنے سے سید صاحب کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کو الہامات ہوتے تھے۔ تو کسی الہام کے متعلق آپ کا یہ کہنا۔ کہ وُہ مجھے بھول گیا کیا معنی رکھتا ہے۔ گویا سید صاحب کے نزدیک اللہ تعالےٰ کی تبلائی ہوئی ہر بات نبی یا ملہم کو یاد رہنی چاہئے۔ اور ایک لمحہ بھی اس پر ایسا نہیں آنا چاہئے۔ جبکہ وُہ کہہ سکے۔ کہ مجھے ایک الہام تو ہوا۔ یا خدا تعالےٰ نے بات تو تبلائی۔ مگر وُہ بھول گئی۔ اگر سید صاحب کا یہی خیال ہے۔ اور متذکرۃ الصدر عبارت کے پیش کرنے سے یہی امر ذہن میں آتا ہے۔ تو انہیں معلوم ہونا چاہئے۔ کہ ان کا یہ خیال سراسر غلط اور الہامات الٰہیہ کی حقیقت سے ناواقفی کا ثبوت ہے قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرماتا ہے۔ سنقرئک فلا تنسیٰ الا ما شاء اللہ۔ (سورۃ الاعلےٰ پ ۳۰) یعنی ہم تجھے قرآن مجید پڑھائینگے اور اس میں سے تو کچھ نہیں بھولے گا۔ سوائے اس کے جس کے متعلق خدا تعالےٰ خود چاہے۔ کہ وہ بھلا دیا جائے۔ یہ آیت اس امر پر واضح طور پر دلالت کرتی ہے۔ کہ بعض دفعہ اللہ تعالےٰ کی کسی مصلحت کے ماتحت الہام کو بھلا دیا جاتا ہے۔

بخاری میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت آتی ہے۔ کہ ہم رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھے۔ بیسویں تاریخ کی صبح کو آپ نے فرمایا۔ انی اریت لیلۃ القدر ثم انسیتھا او نسیتھا فالتمسوھا فی العشر الاواخر فی الوتر (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب التماس لیلۃ القدر فی السبع الاواخر) یعنی مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی تھی۔ مگر پھر مجھے بھلا دی گئی۔ یا یہ فرمایا۔ کہ میں بھول گیا۔ اس لئے اب تم لیلۃ القدر

رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت ہے۔ کہ ایک دن رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہمیں لیلۃ القدر کا پتہ بتانے کے لئے باہر تشریف لائے۔ مگر جب آپ باہر آئے۔ تو دیکھا۔ کہ دو مسلمان آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں لیلۃ القدر کی وہ تاریخ تمہیں بتانے آیا تھا۔ جو اللہ تعالےٰ نے مجھ پر ظاہر فرمائی۔ مگر وہ میرے ذہن میں سے اب نکل گئی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ شاید اس کا بھلایا جانا ہی تمہارے لئے بہتر تھا۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب رفع معرفۃ لیلۃ القدر)

غرض چونکہ انسان خطا ونسیان سے مرکب ہے۔ اور انبیاء بھی بشر ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے انہیں بھی بعض دفعہ نسیان ہو جاتا ہے۔ فنسی آدم اللہ تعالےٰ کی شہادت ہے۔ ایسا ہی حضرت موسےٰؑ اور ان کے ایک ساتھی کی نسبت بھی قرآن مجید میں آتا ہے۔ کہ نسیا (سورۃ الکہف) ان دونوں کو نسیان ہو گیا۔ قرآن مجید میں بھی آتا ہے۔ ماننسخ من آیۃ اوننسھا نأت بخیرٍ منھا او مثلھا (پ سورۃ البقرہ) یعنی بعض آیات کو ہم منسوخ کر دیتے اور بعض کو فراموش کرا دیتے ہیں۔ اور ان دونوں صورتوں میں پہلی آیات سے بہتر یا ان جیسی آیات نازل کیا کرتے ہیں۔ پس اسی طرح اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک الہام کے الفاظ یاد نہ رہے۔ صرف اس کا خلاصہ یاد رہا۔ تو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اعتراض تب ہوتا جب "مکذبوں کو نشان دکھایا جائے گا" (البشریٰ جلد دوم صـ۹۴) کا وعدہ پورا نہ ہوتا۔ مگر کیا کوئی مخالف ہے۔ جو ثابت کر سکے۔ کہ اس الہام کے بعد مکذبوں کے لئے کوئی نشان نہیں دکھایا گیا؟ یہ ۱۹ مارچ ۱۹۰۵ء کو الہام ہوا تھا۔ اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تین سال سے زیادہ عرصہ زندہ رہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے نہ ایک بلکہ سینکڑوں نشانات مکذبین کے لئے ظاہر فرمائے۔ پس جبکہ الفاظ کا بھول جانا بھی قابل اعتراض امر نہیں۔ اور جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الہام کا جو خلاصہ یاد رہا۔ اس کے مطابق اللہ تعالےٰ نے نشانات متواترہ سے آپ کی صداقت ثابت کی۔ تو پھر بھی اعتراض کرنا ایسے ہی مخالف کا شیوہ ہو سکتا ہے۔ جس کے دل میں خدا تعالےٰ کی کوئی خشیت نہ ہو۔ اور جس کا مقصد محض استہزاء اور تمسخر ہو۔

اس جگہ پھر یہ کہہ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہی بات جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کی صداقت کا ثبوت ہے۔ مخالفین کی نگاہ میں قابل اعتراض ہو جاتی ہے۔ بھلا کوئی جھوٹا مدعیٔ الہام یا جعلی ملہم ایسا کیا کرتا ہے۔ کہ وہ الہام سنائے اور پھر کہے کہ مجھے اس کا اتنا حصہ یاد رہا اور اتنا یاد نہیں رہا۔ جب خدا سے اس کا تعلق نہیں۔ تو وہ سارا الہام کیوں ایسا بنا کر پیش نہیں کرے گا۔ جس کے کسی حصہ کے متعلق اسے یہ نہ کہنا پڑے۔ کہ مجھے فلاں لفظ یاد نہیں رہا۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صاف صاف کہہ دینا کہ مجھے فلاں الہام یاد نہیں رہا۔ فلاں الہام کی تفہیم نہیں ہوئی۔ آپ کے عدم تصنع اور معصومیت کی ایک زبردست دلیل ہے۔

"ایک دانہ کس کس نے کھانا"

بارھویں نمبر پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس الہام کو بھی غیر واضح الہامات کی فہرست میں درج کیا گیا ہے۔ کہ "ایک دانہ کس کس نے کھانا" (البشریٰ جلد دوم صـ۱۰۱) حالانکہ یہ اپنے معنوں کے لحاظ سے بالکل واضح ہے۔ اور بظاہر اس میں کسی عالمگیر مگر شدید قحط کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ تاہم نہیں کہا جا سکتا۔ کہ اس کا کوئی اور مفہوم بھی ہو۔ جو اپنے وقت پر ظاہر ہو کر لوگوں کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کی طرف متوجہ کرنے والا ہو۔ اس میں شبہ نہیں۔ کہ قحط کا ایک شدید دور گذر چکا ہے۔ جبکہ ایک روپیہ کا صرف تین سیر آٹا بکا کرتا تھا۔ مگر چونکہ مسیح موعودؑ کی علامات میں سے ایک علامت جگہ جگہ قحط کا پڑنا بھی ہے۔ جیسا کہ مسیح ناصریؑ نے کہا۔

"قوم پر قوم اور بادشاہت پر بادشاہت چڑھائی کرے گی۔ اور جگہ جگہ کال پڑیں گے اور بھونچال آئیں گے" (متی ۲۴/۷)

اس لئے امکان ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ اپنے انذاری نشانات میں سے قحط کے ذریعہ کسی زمانہ میں لوگوں کو جھنجھوڑے اور انہیں آستانۂ مسیح پر جھکانے کے لئے بھوک کے عذاب میں مبتلا کر دے تاکہ وہ روحانی غذا کی طرف متوجہ ہوں۔

"لاہور میں ایک بے شرم ہے"

تیرھویں نمبر پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام "لاہور میں ایک بے شرم ہے" (البشریٰ جلد دوم صـ۱۲۶) پیش کیا گیا ہے۔ یہ الہام ۱۳ مارچ ۱۹۰۷ء کا ہے۔ اور عجیب امر یہ ہے۔ کہ اس تاریخ کے الہامات کا کثیر حصہ ۱۳ مارچ کو ہی پورا ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ

کی وفات پر سلسلۂ احمدیہ میں جو ایک عظیم الشان فتنہ کھڑا ہوا۔ اور جس کے نتیجہ میں جماعت احمدیہ کے ایک حصہ نے سلسلہ کے مرکز سے اپنے تعلقات قطع کر کے لاہور میں اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنالی۔ ان واقعات کا ۱۳۔ مارچ ۱۹۱۴ء کے الہامات میں ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک الہام ہے "انی نعیت" یعنی میں نے ایک شخص کی وفات کی خبر دی۔ یہ ۱۳ مارچ کا الہام ہے۔ اور اسی تاریخ کو حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔ گویا انی نعیتُ میں حضرت خلیفۂ اوّلؓ کی وفات کی خبر دی گئی تھی۔ اس کے بعد کا الہام ہے۔ انی انا اللہ لا الٰہ الا انا یعنی میں ہی خدا ہوں۔ اور میرے سوا کوئی خدا نہیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا۔ کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی عظیم الشان ہو۔ فانی ہے۔ اور ایک دن اس نے ضرور فوت ہونا ہوتا ہے اس لئے قابل عبادت صرف ایک ہی ہستی ہے۔ جو خدا ہے۔ اسی سے تمہیں دل لگانا چاہئے۔

پھر اسی تاریخ کا الہام ہے "ایک امتحان ہے بعض اس میں پکڑے جائیں گے۔ اور بعض چھوڑے جائیں گے۔" یہ بھی اسی فتنہ کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ کیونکہ یہ ایک آزمائش تھی۔ جس میں کئی لوگ فیل ہو گئے۔ اور کئی کامیاب۔

پھر الہام ہے "انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔" یعنی خدا چاہتا ہے۔ کہ اے اہل بیت تم سے رجس دُور کرے۔ اور تمہیں ایسا پاک کرے۔ جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے۔ اس الہام کی صداقت بھی فتنۂ غیر مبایعین کے دوران میں ظاہر ہو گئی۔ جبکہ بعض بد باطن لوگوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہل بیت کے اخلاق پر سفیہانہ حملے کئے۔

غرض ۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء کے الہامات کا اکثر حصہ فتنۂ غیر مبایعین پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس لئے ہمیں یہ معلوم کرنے میں کوئی دقت نہیں رہ سکتی۔ کہ الہام الٰہی میں جو یہ کہا گیا۔ کہ "لاہور میں ایک بے شرم ہے" اس میں کس شخص کی طرف اشارہ ہے۔ میں اس کی مزید وضاحت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی ایک تقریر کے اقتباس کے ذریعہ کرنی چاہتا ہوں۔ حضور فرماتے ہیں۔

"۱۳ مارچ کو ہی حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ فوت ہوئے۔ ۱۳ مارچ کو ہی لاہور سے ٹریکٹ شائع ہوا۔ اگر یہ ٹریکٹ شائع نہ ہوتا۔ تو یہ الہام کہ "لاہور میں ایک بے شرم ہے" کس طرح پورا ہوتا۔" (برکات خلافت صـ۱۳)

جس ٹریکٹ کا مجملاً حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہُ اللہ تعالےٰ نے اوپر ذکر فرمایا ہے اس کی تشریح حضور کی کتاب "آئینۂ صداقت" کی مندرجہ ذیل سطور سے ہو سکتی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی وفات کا ذکر کرنے کے بعد ۱۳-۱۴ مارچ کی درمیانی شب کا حضور مندرجہ ذیل واقعہ بیان فرماتے ہیں۔

"دو بجے کے قریب میں اٹھا۔ اور نماز تہجد ادا کرنے کی تیاری کی۔ ابھی میں وضو کر رہا تھا۔ کہ ایک شخص نے میرے ہاتھ میں ایک ٹریکٹ دیا۔ اور کہا کہ یہ ٹریکٹ تمام راستہ میں بیرونجات سے آنے والے احمدیوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جب میں نے اس ٹریکٹ کو دیکھا۔ تو وُہ مولوی محمد علی صاحب کا لکھا ہوا تھا۔ اور اس میں جماعت کو اکسایا گیا تھا۔ کہ آئندہ خلافت کا سلسلہ نہ چلے۔ اور یہ کہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی بیعت بھی انہوں نے بطور خلیفہ کے نہ کی تھی۔ بلکہ بطور ایک پیر اور صوفی کے۔" (صـ۱۸۳)

امید ہے۔ اس تشریح کے بعد یہ سمجھنے میں دقت نہیں رہے گی۔ کہ مندرجہ بالا الہام میں کس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ربّنا عاج کا مطلب

چودھویں نمبر پر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا الہام "ربنا عاج" درج کیا گیا ہے حالانکہ یہ الہام بھی بامعنی اور اللہ تعالےٰ کی بعض صفات کا اظہار کرنے والا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ لفظ عاج جو اسم فاعل ہے۔ اس کے از روئے لغت دو مادے قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ اوّل عجوۃٌ۔ دوسرے عجٌّ۔

عجوۃٌ کے معنے ہیں "شیر بکہ طفل یتیم را خورانند" (منتہی الارب) اور اس لحاظ سے ربنا عاج کے یہ معنے ہیں۔ کہ ہمارا رب وُہ ہے۔ جو ہماری یتیمی و بیکسی کی حالت میں جبکہ ایمان ثریا پر چلا گیا تھا۔ مسیح موعود کے ذریعہ علم و حکمت کے روحانی دودھ سے ہماری تربیت فرمانے والا ہے۔

اسی مفہوم کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا یہ الہام بھی اشارہ کرتا ہے۔ کہ "آسمان سے بہت دودھ اترا ہے محفوظ رکھو" (حقیقۃ الوحی صـ۱۰۱)

دوسرے مادہ کے ماتحت عجٌّ کے معانی بیان کرتے ہوئے منتہی الارب میں لکھا ہے۔ "عجّ عجًّا و عجیجًا برداشت آواز را و بانگ کرد"

یعنی عجؑ کے معنے آواز کا بلند کرنا ہے۔ اسی طرح قاموس میں لکھا ہے۔ عجّ صاح و رفع صوتہٗ یعنی عج کے یہ معنی ہیں کہ وہ چیخا۔ اور اس نے اپنی آواز بلند کی۔ مجمع البحار صفحہ ۳۴۹ پر بھی لکھا ہے۔ عجؑ فھو اعجاج و عاجّ ھو رفع الصوت بالتلبیۃ یعنی عجؑ جس سے اعجاج اور عاج وغیرہ مشتق ہے۔ اس کے معنے تلبیہ کہہ کر اپنی آواز کو بلند کرنے کے ہیں۔ غرض اس مفہوم کی صورت میں ساہنا عاج کے یہ معنے ہیں۔ کہ ہمارا خدا اپنی آواز بلند کرنے والا ہے۔ یعنی دنیا شیطانی تصرفات کی وجہ سے خدا سے غافل ہو گئی تھی۔ مگر اب وقت آگیا ہے۔ کہ اس کی آواز بلند ہو۔ اور تمام شیطانی آوازیں اس کی آواز کے سامنے پست ہو جائیں۔ اسی کی طرف قرآن مجید کی یہ آیت بھی اشارہ کرتی ہے۔ جس کو بعض مفسرین نے مدارک التنزیل اور غایۃ البرہان وغیرہ میں مسیح موعود کے زمانہ پر چسپاں کیا ہے۔ کہ ھو الذی ارسل رسولہٗ بالھدٰی ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ۔ و لو کرہ المشرکون (سورۃ الصف)

یعنی مسیح موعود کے زمانہ میں دلائل و براہین کے میدان میں تمام غیر مذاہب اسلام کے مقابلہ میں شکست کھا جائیں گے۔ زرقانی شرح مؤطا جلد ۴ صفحہ ۲۵ پر کفر کے متعلق لکھا ہے یضمحل فی زمن عیسٰی۔ کہ مسیح موعود کے زمانہ میں کفر بالکل مضمحل ہو جائے گا۔ روح المعانی میں بھی اس آیت کی تفسیر میں آتا ہے۔ کہ عن مجاھد اذا نزل عیسٰی علیہ السّلام لم یکن فی الارض الّا دین اسلام (جلد ۹ صفحہ ۶۲)

یعنی مجاہد کہتے ہیں۔ کہ مسیح موعود کے وقت دین اسلام کامل طور پر پھیل جائیگا۔ اور خدا تعالےٰ کی آواز کی موجودگی میں تمام آوازیں بند ہو جائیں گی

اس کے علاوہ ایک تیسرا مفہوم بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ لفظ عاج میں تین حروف ہیں۔ عین۔ الف۔ جیم۔ حروف مقطعات کے معانی کی طرح عین سے علیم۔ الف سے احد اور جیم سے جلیل یا مجیب خدا مراد لیا جا سکتا ہے۔

غرض تینوں صورتوں میں یہ الہام ایک موزوں ترین جملہ ہے۔ جس میں خدا تعالےٰ کی صفات حسنہ کا باحسن پیرایہ ذکر کیا گیا ہے۔

ان الہامات کو نقل کرنے کے بعد سیّد حبیب لکھتے ہیں :۔

"کیا ایسے الہامات جن کے الفاظ مبہم ہوں۔ اس خداوند کریم کی طرف سے ہو سکتے ہیں

جس نے قرآن پاک ایسی کتاب نازل کی۔ محمدؐ جیسا فہیم و حکیم رسول بھیجا۔ اور جو دنیا کو دعوت دیتا ہے۔ کہ عقل سے کام لو۔ فہم سے کام لو۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔"

الزامی جواب

میں ثابت کر چکا ہوں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے پیش کردہ الہامات میں سے ایک بھی ایسا نہیں۔ جو مبہم کہلا سکے۔ اس لئے ان الہامات کے متعلق سیّد حبیب کا نظریہ درست تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اگر فرض بھی کر لیا جائے۔ کہ یہ الہامات مبہم الفاظ میں ہوئے ہیں۔ تو چونکہ سیّد حبیب "قرآن پاک" کے الہامات کو درست تسلیم کرتے ہیں۔ اس لئے اگر قرآن مجید سے بعض ایسے الہامات درج کر دیئے جائیں۔ جن کے "الفاظ مبہم" ہوں۔ تو سیّد حبیب کو یہ سمجھنے میں سہولت رہے گی۔ کہ جو اعتراض قرآن مجید پر بھی لوٹ کر آتا ہو۔ اگر وہی کسی دوسرے شخص کے الہام پر ہو جائے۔ تو اس میں قرآن پاک پر ایمان لانے والوں کے لئے کوئی جائے اعتراض نہیں ہو سکتی۔

۱۔ قرآن مجید میں آتا ہے یا ایّھا النبی لم تحرم ما احل اللّٰہ لک۔ یعنی اے نبی تو کیوں وہ چیز اپنے نفس پر حرام کرتا ہے۔ جسے خدا تعالےٰ نے تیرے لئے حلال قرار دیا ہے۔ اس الہام کے الفاظ مبہم ہیں۔ کیونکہ یہ ذکر نہیں۔ کہ رسول کریم صلے اللّٰہ علیہ وسلم نے کیا چیز اپنے نفس پر حرام کی۔ اس کے لئے تفاسیر کی ورق گردانی کرنی پڑتی ہے۔

۲۔ ارأیت الذی ینھٰی عبدًا اذا صلّٰی۔ یعنی کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جو نماز پڑھنے سے ہمارے بندے کو روکتا ہے۔ یہ الہام بھی اس لحاظ سے مبہم ہے کہ کچھ پتہ نہیں چلتا۔ کہ وہ روکنے والا کون شخص تھا۔

۳۔ انا انزلناہ فی لیلۃ القدر۔ ہم نے قرآن مجید کو لیلۃ القدر میں نازل کیا۔ اس جگہ یہ بتایا نہیں گیا۔ کہ لیلۃ القدر کس تاریخ کو تھی۔ اور یہ کہ کب سے قرآن مجید کا نزول شروع ہوا۔

۴۔ سأل سائل بعذاب واقع۔ ایک سوال کرنے والے نے عذاب کے متعلق سوال کیا۔ اس میں سائل کے متعلق یہ بتایا نہیں گیا۔ کہ وہ کون تھا۔

۵۔ اما نرینّک بعض الذی نعدھم او نتوفینّک۔ یعنی یا تو کفار کے متعلق

جو پیشگوئیاں ہیں۔ ان میں سے بعض ہم تجھے پوری ہوتے دکھا دینگے۔ یا تجھے وفات دیدینگے یہ بھی مبہم الہام ہے۔ کیونکہ ایک پہلو معین نہیں کیا گیا۔

۶۔ غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین۔ یعنی رومی اگرچہ قریب ترین سرزمین میں مغلوب کئے گئے۔ مگر وہ اپنی مغلوبیت کے بعد چند ہی سالوں میں غالب ہوجائینگے۔ اس جگہ بضع سنین کو مبہم رکھا۔ جیسا کہ تفسیر فتح البیان میں بھی لکھا ہے۔ وانما ابھم البضع ولم یبینہ (جلد ۷ صفحہ ۱۷۹) یعنی اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کو مبہم رکھا ہے۔ اور کھول کر نہیں بتایا۔ کہ رومی اتنے سال کے بعد غالب آئینگے۔

۷۔ او کالذی مر علی قریۃ۔ اس آیت کو بھی مبہم رکھا گیا۔ اور بتایا نہیں گیا۔ کہ ویران شدہ بستی کے پاس سے کون گزرا تھا۔

۸۔ قال قائل منھم لا تقتلوا یوسف۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو مت قتل کرو۔ اس جگہ بھی قائل کا نام پوشیدہ رکھا گیا ہے۔

۹۔ جاء من اقصا المدینۃ رجل یسعیٰ۔ دور سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا۔ کون تھا۔ کہاں سے آیا۔ اس کا کوئی ذکر نہیں۔

۱۰۔ واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا۔ نبی نے اپنی بعض بیویوں سے کوئی بات پوشیدہ طور پر کہی۔ اس آیت میں نہ تو بعض ازواجہ کی توضیح کی گئی ہے اور نہ پوشیدہ بات کی۔

یہ دس مثالیں جن میں اور بھی اضافہ ہوسکتا ہے۔ اس امر کا ثبوت ہیں۔ کہ قرآن مجید کے بعض الہامات بھی ایسے ہیں جن پر سید حبیب کی پیش کردہ دلیل کے ماتحت "مبہم" ہونے کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ اس لئے سید صاحب جو جواب ان آیات کا دیتے ہیں یا دیں گے۔ وہی ہماری طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات کے متعلق سمجھ لیں۔

پھر تورات و انجیل میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی پیشگوئی کو بھی مفسرین نے مبہم قرار دیا ہے۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں زیر آیت لا تلبسوا الحق بالباطل لکھا ہے۔ کہ "ان النصوص الواردۃ فی التوراۃ والانجیل فی امر محمد صلی

اللہ علیہ وسلم کانت نصوصا خفیۃ تحتاج فی معرفتھا الی الاستدلال۔ یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق تورات و انجیل میں جس قدر نصوص وارد ہیں وہ ظاہر و صاف نہیں۔ بلکہ ان سے استدلال کے ذریعہ معرفت حاصل ہوتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی تحریر فرماتے ہیں "پیشگوئی میں اس بات کا ہونا تو ضروری ہے۔ کہ اس کا مفہوم خارق عادت ہو۔ اور انسانی طاقت یا کر و فریب اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔ مگر یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ ہر ایک پہلو سے اس پیشگوئی کی حقیقت ظاہر کی جائے۔ توریت میں ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایک ضروری پیشگوئی محض گول مول ہے۔ کہ ایک نبی موسےٰ کی مانند بنی اسرائیل میں سے ان کے بھائیوں میں سے آئے گا۔ اور کہیں کھول کر نہ بتلایا۔ کہ بنی اسماعیل میں سے آئے گا۔ اور اس کا یہ نام اور اس کے باپ کا یہ نام ہوگا۔ اور مکہ میں پیدا ہوگا۔ اور اتنی مدت بعد آئے گا۔ اس لئے یہود کو اس پیشگوئی سے کچھ بھی فائدہ نہ ہوا۔ اور اسی غلطی سے لاکھوں یہود جہنم میں جا پڑے" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۸۹)

مگر اس الزامی جواب سے قطع نظر کرتے ہوئے حقیقت یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام الہامات منہاج نبوت پر مبنی ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ بحث میں ثابت کیا جا چکا ہے۔ اس لئے احمدیت کے ناقابل قبول ہونے کی یہ دلیل بہر صورت غیر وزن دار اور معقولیت سے کوسوں دور ہے۔

احمدیت کے خلاف سید حبیب کی گیارھویں دلیل

احمدیت کے خلاف گیارھویں دلیل جو سید حبیب نے پیش کی۔ وہ نہایت ہی عجیب و غریب ہے۔ لکھتے ہیں۔

"تحریک قادیان کے خلاف میری گیارھویں دلیل یہ ہے۔ کہ مرزا صاحب کے ایسے الہامات کی وجہ سے مدعیان نبوت کے لئے ایک میدان وسیع پیدا ہوگیا ہے۔ آئے دن ایک نبی علم نبوت بلند کرے گا۔ اور کہے گا۔ کہ مرزا صاحب کے فلاں الہام کی وضاحت کیلئے مجھے مبعوث کیا گیا ہے" (صفحہ ۱۱۱)

سید حبیب نے اپنی علمیت کے صدقے "الہامات کی وضاحت" کے لئے انبیاء کی بعثت کا جو اصل قائم کیا ہے۔ اسی سے معلوم ہوسکتا ہے۔ کہ دینیات میں آپ کس حد

جو پیشگوئیاں ہیں۔ ان میں سے بعض ہم تجھے پوری ہوتے دکھا دینگے۔ یا تجھے وفات دیدینگے یہ بھی مبہم الہام ہے۔ کیونکہ ایک پہلو معین نہیں کیا گیا۔

۶۔ غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین۔ یعنی رومی اگرچہ قریب ترین سرزمین میں مغلوب کئے گئے۔ مگر وہ اپنی مغلوبیت کے بعد چند ہی سالوں میں غالب ہو جائینگے۔ اس جگہ بضع سنین کو مبہم رکھا ہے۔ تفسیر فتح البیان میں بھی لکھا ہے وانما ابھم البضع ولم یبینہ (جلد ۷ صفحہ ۱۷۵) یعنی اللہ تعالےٰ نے اس لفظ کو مبہم رکھا ہے۔ اور کھول کر نہیں بتایا کہ رومی اتنے سال کے بعد غالب آئینگے۔

۷۔ او کالذی مر علی قریۃ۔ اس آیت کو بھی مبہم رکھا گیا۔ اور بتایا نہیں گیا۔ کہ ویران شدہ بستی کے پاس سے کون گذرا تھا۔

۸۔ قال قائل منھم لا تقتلوا یوسف۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو مت قتل کرو۔ اس جگہ بھی قائل کا نام پوشیدہ رکھا گیا ہے۔

۹۔ جاء من اقصا المدینۃ رجل یسعیٰ۔ دُور سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا۔ کون تھا۔ کہاں سے آیا۔ اس کا کوئی ذکر نہیں۔

۱۰۔ واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا۔ نبی نے اپنی بعض بیویوں سے کوئی بات پوشیدہ طور پر کہی۔ اس آیت میں نہ تو بعض ازواجہ کی توضیح کی گئی ہے اور نہ پوشیدہ بات کی۔

یہ دس مثالیں جن میں اور بھی اضافہ ہو سکتا ہے۔ اس امر کا ثبوت ہیں۔ کہ قرآن مجید کے بعض الہامات بھی ایسے ہیں جن پر سید حبیب کی پیش کردہ دلیل کے ماتحت "مبہم" ہونے کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اس لئے سید صاحب جو جواب ان آیات کا دیتے ہیں یا دیں گے۔ وہی ہماری طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات کے متعلق سمجھ لیں۔

پھر تورات و انجیل میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی پیشگوئی کو بھی مفسرین نے مبہم قرار دیا ہے۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں زیر آیت لا تلبسوا الحق بالباطل لکھا ہے۔ کہ "ان النصوص الواردۃ فی التوراۃ والانجیل فی امر محمد صلی

اللہ علیہ وسلم کانت نصوصًا خفیۃ تحتاج فی معرفتھا الی الاستدلال۔" یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق تورات و انجیل میں جس قدر نصوص وارد ہیں وُہ ظاہر و صاف نہیں۔ بلکہ ان سے استدلال کے ذریعہ معرفت حاصل ہوتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی تحریر فرماتے ہیں "پیشگوئی میں اس بات کا ہونا تو ضروری ہے۔ کہ اس کا مفہوم خارق عادت ہو۔ اور انسانی طاقت یا مکر و فریب اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔ مگر یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ ہر ایک پہلو سے اس پیشگوئی کی حقیقت ظاہر کی جائے۔ توریت میں ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایک ضروری پیشگوئی محض گول مول ہے۔ کہ ایک نبی موسےٰ کی مانند بنی اسرائیل میں سے ان کے بھائیوں میں سے آئے گا۔ اور کہیں کھول کر نہ بتلایا کہ بنی اسماعیل میں سے آئے گا۔ اور اس کا یہ نام اور اس کے باپ کا یہ نام ہوگا۔ اور مکہ میں پیدا ہوگا۔ اور اتنی مدت بعد آئے گا۔ اس لئے یہود کو اس پیشگوئی سے کچھ بھی فائدہ نہ ہوا۔ اور اسی غلطی سے لاکھوں یہود جہنم میں جا پڑے۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۵۵)

مگر اس الزامی جواب سے قطع نظر کرتے ہوئے حقیقت یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام الہامات منہاج نبوت پر مبنی ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ بحث میں ثابت کیا جا چکا ہے۔ اس لئے احمدیت کے ناقابل قبول ہونے کی یہ دلیل بہر صورت غیر دزندار اور معقولیت سے کوسوں دُور ہے۔

احمدیت کے خلاف سید حبیب کی گیارھویں دلیل

احمدیت کے خلاف گیارھویں دلیل جو سید حبیب نے پیش کی۔ وُہ نہایت ہی عجیب و غریب ہے۔ لکھتے ہیں۔

"تحریک قادیان کے خلاف میری گیارہویں دلیل یہ ہے۔ کہ مرزا صاحب کے ایسے الہامات کی وجہ سے مدعیان نبوت کے لئے ایک میدان وسیع پیدا ہو گیا ہے۔ آئے دن ایک نیا علم نبوت بلند کرے گا۔ اور کہے گا۔ کہ مرزا صاحب کے فلاں الہام کی وضاحت کیلئے مجھے مبعوث کیا گیا ہے۔" (صفحہ ۱۱)

سید حبیب نے اپنی علمیت کے صدقے "الہامات کی وضاحت" کے لئے انبیاء کی بعثت کی جو اصل قائم کیا ہے۔ اسی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ دینیات میں آپ کس حد

تک دسترس رکھتے ہیں۔ پھر عجیب بات یہ ہے۔ کہ انہوں نے اپنے اس اصل کی تائید میں قرآن و احادیث سے کوئی تائیدی ثبوت پیش نہیں کیا۔ حالانکہ "دلیل" اس امر کا نام نہیں ہوتا کہ جو کچھ اپنے خیال میں آئے۔ اسے بلا سوچے سمجھے اور بغیر اس امر پر غور کئے کہ آیا قرآن مجید کی کوئی آیت یا رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی حدیث اس کی تائید بھی کرتی ہے یا نہیں۔ لوگوں کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ اور اپنے بے بنیاد خیالات کی بناء پر جو جی میں آئے کہدیا جائے۔ بلکہ مذہبی مباحث میں دلیل اسے کہتے ہیں۔ کہ قرآن مجید سے ایک بات پیش کی جائے۔ یا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی قول پر اپنے خیالات کی بنیاد رکھی جائے۔ کیا سید حبیب دیانتداری سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ ان کی اس دلیل کی قرآن مجید کی کسی آیت یا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی قول سے تائید ہو سکتی ہے۔ کیا قرآن مجید میں کہیں آتا ہے۔ کہ "مبہم الہامات کی وضاحت" کے لئے خدا تعالیٰ کے انبیاء مبعوث ہوا کرتے ہیں۔ یا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کہیں بیان فرمایا ہے کہ اگر ملہم پر کسی الہام کے معانی کا انکشاف نہ ہو۔ تو جب تک ایک اور نبی مبعوث نہ ہو اس کا حل نہیں ہو سکتا۔ یا کہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہی لکھا ہے۔ کہ جن الہامات کے معانی مجھ پر ظاہر نہیں ہوئے۔ آئندہ انبیاء ہی انہیں ظاہر کر سکتے ہیں۔ اگر کہیں ایسا لکھا ہے۔ تو پیش کریں۔ اور اگر نہیں پیش کر سکتے۔ تو اس میں کیا شبہ ہے۔ کہ انھوں نے اپنی پریشان دماغی کے نتیجہ میں ایک بے بنیاد اصل قائم کر کے اُسے دلیل بلکہ گیارہوں دلیل" قرار دے دیا۔ اور سمجھ لیا۔ کہ اس دلیل سے احمدیت کی نعوذ باللہ تردید ہو جائیگی

قرآنی آیات کی وضاحت کی صورت

پھر اگر الہامات کی وضاحت کے لئے انبیاء کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ تو کیوں سید حبیب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلۂ نبوت کے اجراء کے قائل نہیں۔ کیا یہ واقعہ نہیں۔ کہ قرآن مجید کی کئی آیات ایسی ہیں۔ جن کے معانی کی وضاحت کی ضرورت ہے مثال کے طور پر مقطعات قرآنی کو ہی دیکھ لیا جائے۔ کیا امت محمدیہ کے لئے یہ ایک عقدۂ لاینحل نہیں رہے۔ پھر کیوں سید حبیب تسلیم نہیں کرتے۔ کہ ان کی وضاحت کیلئے بھی نبیوں کی ضرورت ہے

مفسرین میں اختلاف

پھر کیا یہ واقعہ نہیں۔ کہ کئی آیات ایسی ہیں۔ جن کی اگر وضاحت کرتے ہیں۔ تو مفسرین

اور مفسرین میں بھی پھر اسقدر اختلاف ہے کہ الامان۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں

۱۔ قرآن مجید کی ایک معمولی آیت ہے۔ قٓ والقرآن المجید۔ اس کے متعلق ابن عباس کہتے ہیں۔ قٓ سے مراد قسم ہے۔ بعض کہتے ہیں قٓ سورۃ کا نام یا قرآن مجید کا نام ہے۔

امام قرطبی کہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالےٰ کے اسماء قادر۔ قدیر۔ قاہر اور قریب کی کنجی ہے۔ عکرمہ اور ضحاک کہتے ہیں۔ کہ یہ ایک سبز زمرد کا پہاڑ ہے۔ جو تمام زمین پر محیط ہے آسمان میں جو سبزی سی نظر آتی ہے۔ یہ اسی پہاڑ کا عکس ہے۔ اور آسمان اس پر خیمہ کی طرح تنا ہوا ہے۔

امام رازی کہتے ہیں۔ کہ یہ حروف صرف سامع کو ہوشیار کرنے کے لئے ہیں (تفسیر سراج منیر جلد ۴ صفحہ ۷۳ و ۷۴)

۲۔ آیت کریمہ وکذٰلک اوحینا الیک روحًا من امرنا کے متعلق ابن عباس کہتے ہیں۔ روح سے مراد نبوت ہے۔ حسن کہتے ہیں۔ روح سے مراد رحمت ہے۔ امام سدی کہتے ہیں۔ روح سے مراد وحی ہے۔ کلبی کہتے ہیں۔ روح سے مراد کتاب ہے۔ ربیع کہتے ہیں۔ روح سے مراد جبرئیل ہے۔ مالک ابن دینار کہتے ہیں۔ روح سے مراد قرآن مجید ہے۔

(سراج منیر جلد ۳ صفحہ ۵۱۹)

۳۔ جعلہٗ دکًّا کی تشریح میں ابن عباس کہتے ہیں۔ کہ اسے مٹی بنا دیا۔ سفیان کہتے ہیں۔ وُہ پہاڑ زمین میں دھنس گیا۔ یہاں تک کہ سمندر کی تہ میں چلا گیا۔ اور اس میں ابھی جا رہا ہے امام کلبی کہتے ہیں۔ وُہ متفرق چھوٹے چھوٹے پہاڑوں کی صورت میں تبدیل ہو گیا۔ علامہ بغوی کہتے ہیں۔ وہ اپنی عظمت وشان کی وجہ سے متفرق چھ پہاڑ بن گیا۔ جن میں سے تین مدینہ منورہ میں جا پڑے اور تین مکۂ مکرمہ میں واقع ہیں۔ (تفسیر خازن جلد ۲ صفحہ ۱۵۲ و ۱۵۳ وسراج منیر جلد ۱ صفحہ ۴۹۳)

کیا ان حالات میں تسلیم کیا جائیگا۔ کہ ان آیات کی وضاحت کے لئے بھی نبیوں کی ضرورت ہے اگر سید حبیب کے نزدیک۔ قرآنی آیات کی وضاحت کے لئے انبیاء کی ضرورت ہے۔ تو وہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض الہامات کی وضاحت کے لئے بھی انبیاء کی ضرورت ہے۔ اور اگر وُہ قرآن مجید کی غیر واضح آیات کے متعلق یہ کہیں۔ کہ ان کی تشریح مفسرین کر سکتے ہیں۔ علماء امت کر سکتے ہیں۔ تو کیوں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایسے الہامات کے متعلق کبھی یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ ان الہامات کی تشریح کے لئے جماعت

احمدیہ کے مقدس افراد اور علماء ہی کافی ہیں۔ لیکن ان امور سے اگر قطع نظر کرلیں۔ تب بھی کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے الہامات کے متعلق ثابت کیا جا چکا ہے۔ کہ وُہ بالکل واضح ہیں اور بعض جو ابھی پورے نہیں ہوئے۔ وُہ آئندہ زمانہ کے لئے پیشگوئیوں پر مشتمل ہیں۔ جب وُہ پورے ہونگے۔ تو اپنی وضاحت آپ کر دینگے۔ اس صورت میں بھی یہ دلیل باطل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جب کوئی مبہم الہام نہ رہا۔ تو مبہم الہامات کے متعلق جو نظریہ قائم کیا گیا ہے۔ وُہ خود بخود باطل ہو گیا

احمدیت کے خلاف سیّد حبیب کی بارہویں دلیل

احمدیت کے خلاف بارہویں دلیل ان الفاظ میں پیش کی گئی ہے۔ کہ "کہا جاتا ہے مرزا صاحب امتی نبی ہیں۔ جس نبی صلعم کے یہ امتی ہیں۔ اس پر جو کتاب نازل ہوئی۔ اس میں متعدد انبیاء کے اسماء گرامی موجود ہیں۔ لیکن مرزا صاحب پر جو الہام نازل ہوئے۔ ان میں کسی ایسے امتی نبی کا نام نہیں آیا۔ جو حضور سرور کائنات کے بعد مبعوث ہوا ہو۔ نیز مرزا صاحب نہایت فصاحت سے کتاب حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۳۹۱ پر لکھتے ہیں۔ کہ "تیرہ سو برس ہجری میں کسی شخص کو آج تک بجز میرے یہ نعمت عطا نہیں کی گئی" جس کے معنی یہ ہیں کہ مرزا صاحب واحد امتی نبی ہیں۔ جو تیرہ سو سال میں مبعوث ہوئے۔ پھر ہر صدی میں مجدد کا آنا کیسا اور مرزا صاحب کا مجدد الف ہونا لایعنی۔ یعنی یہ دونوں امور توضیح کے طالب ہیں" ص۱۱

ایک فروگذاشت کا ذکر

پیشتر اس کے کہ اس دلیل کی تردید کی جائے یہ واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ اخبار "سیاست" کے صفحات پر جن دنوں تحریک احمدیت کے خلاف سید حبیب کے مضامین کی اقساط شائع ہو رہی تھیں۔ اسی بارھویں دلیل کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے لکھا تھا۔ "ہر صدی میں محدث کا آنا کیسا اور مرزا صاحب کا مجدد الف ثانی ہونا لایعنی"، چونکہ یہ دونوں باتیں اسلامی تعلیم اور عقائد سلسلہ احمدیہ سے سید حبیب کی ناواقفیت کا روشن ترین ثبوت تھیں۔ اس لئے انہی ایام میں ہم نے ان کی اس فروگذاشت کی طرف انہیں توجہ دلائی کیونکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علیٰ رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا (ابو داؤد جلد ۲ ص۲۴۱) میں جس کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے (حجج الکرامہ ص۱۳۳) ہر صدی کے سر پر ایک مجدد کے مبعوث ہونے کی بشارت

دی ہے۔ نہ کہ "محدث" کی۔ مگر سیّد صاحب نے اس اسلامی اصطلاح کو نہ سمجھتے ہوئے مجدد کی کی بجائے "محدث" لکھدیا۔ پھر یہ بھی نہایت واضح بات تھی۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا دعوئے مجدد الف ثانی ہونے کا نہیں۔ بلکہ مجدد الف آخر مسیح موعود مہدی معہود اور نبی اللہ ہونے کا ہے۔ مجدد الف ثانی تو حضرت شیخ احمد صاحب سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ہو چکے ہیں۔ اور انہوں نے اپنی مجددیت کا بڑے زور شور سے دعوئے بھی کیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"صاحب ایں علوم و معارف مجدد ایں الف است کما لا یخفیٰ علی الناظرین فی علومہ و معارفہ التی تتعلق بالذات والصفات والافعال (مکتوبات جلد ۲ مکتوب چہارم ص۱۳ و ۱۴) یعنی جس شخص کو یہ علوم و معارف دیئے گئے ہیں۔ وہی اس صدی کا مجدد ہے۔ جن لوگوں نے اس کے علوم کو دیکھا۔ اور ان معارف کا ملاحظہ کیا۔ جو اس کی ذات وصفات سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان پر یہ بات پوشیدہ نہیں۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ علیہ السّلام کو "مجدد الف ثانی" قرار دینا بھی سید صاحب کی غلطی تھی۔ معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے توجہ دلانے کا سید صاحب پر اثر ہوا۔ اور انہوں نے کتابی صورت میں اپنے مضمون کو شائع کرتے وقت عبارت یوں کردی

"ہر صدی میں مجدد کا آنا کیسا۔ اور مرزا صاحب کا مجدد الف ہونا لایعنی" حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے دعوئے کے متعلق صرف "مجدد الف" لکھنا بھی اگرچہ صحیح نہیں مگر ایک اصولی غلطی میں جتنی بھی اصلاح انہوں نے کی۔ وہ ایک مستحسن امر ہے۔

واحد امتی نبی

سید صاحب کی اس دلیل کا پہلا حصہ یہ ہے۔ کہ:۔

"مرزا صاحب امتی نبی ہیں جس نبی صلعم کے یہ امتی ہیں۔ اس پر جو کتاب نازل ہوئی اس میں متعدد انبیاء کے اسماء گرامی موجود ہیں۔ لیکن مرزا صاحب پر جو الہام نازل ہوئے۔ ان میں کسی ایسے امتی نبی کا نام نہیں آیا جو حضور سرور کائنات کے بعد مبعوث ہوا ہو"

اس کا اصل جواب تو وہی ہے۔ جو سید صاحب نے اس کے ساتھ ہی حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی ایک تحریر درج کرکے بیان کر دیا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے الہامات میں کسی اور امتی نبی کا نام جو "حضور سرور کائنات" کے بعد مبعوث ہوا ہو" اس لئے نہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے پہلے امت محمدیہ میں کوئی "امتی نبی" ہوا ہی نہیں

تیرہ سو برس میں اللہ تعالیٰ نے اس نعمت عظیمہ سے صرف آپ کو ہی حصہ یاب فرمایا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"یہ بات ایک ثابت شدہ امر ہے۔ کہ جس قدر خدا تعالیٰ نے مجھ سے مکالمہ و مخاطبہ کیا ہے۔ اور جس قدر امور غیبیہ مجھ پر ظاہر فرمائے ہیں۔ تیرہ سو برس ہجری میں کسی شخص کو آج تک بجز میرے یہ نعمت عطا نہیں کی گئی۔ اگر کوئی منکر ہو۔ تو بارِ ثبوت اس کی گردن پر ہے۔

غرض اس حصۂ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں۔ اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گذر چکے ہیں۔ ان کو یہ حصۂ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا۔ اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔ کیونکہ کثرتِ وحی اور کثرتِ امور غیبیہ اس میں شرط ہے۔ اور وہ شرط ان میں پائی نہیں جاتی۔ اور ضرور تھا۔ کہ ایسا ہوتا تاکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی صفائی سے پوری ہو جاتی۔ کیونکہ اگر دوسرے صلحاء جو مجھ سے پہلے گذر چکے ہیں۔ وہ بھی اسی قدر مکالمہ و مخاطبۂ الٰہیہ اور امور غیبیہ سے حصہ پا لیتے تو وہ نبی کہلانے کے مستحق ہو جاتے۔ تو اس صورت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی میں ایک رخنہ واقع ہو جاتا۔ اس لئے خدا تعالیٰ کی مصلحت نے ان بزرگوں کو اس نعمت کو پورے طور پر پانے سے روک دیا۔ تا جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے۔ کہ ایسا شخص ایک ہی ہو گا۔ وہ پیشگوئی پوری ہو جائے۔" (حقیقۃ الوحی صـ۳۹۱)

اہل پیغام کا حضرت مسیح موعود کی واضح تحریرات سے انحراف

تعجب ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس واضح ارشاد کے باوجود کہ

"تیرہ سو برس ہجری میں کسی شخص کو آج تک بجز میرے یہ نعمت عطا نہیں کی گئی"

"اس حصۂ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں"

"جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گذر چکے ہیں انکو یہ حصۂ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا"

"نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا"

"دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں"

"ضرور تھا۔ کہ ایسا ہوتا۔ تاکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی صفائی سے پوری

ہو جاتی"

"خدا تعالیٰ کی مصلحت نے ان بزرگوں کو اس نعمت کو پورے طور پر پانے سے روک دیا"

پھر بھی غیر مبائعین کی طرف سے سید حبیب کے اعتراضات کے جواب میں "آئینۂ احمدیت" نامی جو کتاب شائع ہوئی ہے۔ اس کے صفحہ ۱۲۲ پر لکھا گیا ہے۔

"محدثین کے امتی نبی ہونے کا انکار نہیں امتی نبی وہ بھی ہیں۔ اور حضرت مرزا صاحب بھی"

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ ہے ان لوگوں کی حضرت مسیح موعودؑ سے محبت اور آپ کے کلام کا پاس۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ بھی فرماتے ہیں:۔

"اس امت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے ہزارہا اولیاء ہوئے ہیں۔ اور ایک وہ بھی ہوا جو امتی بھی ہے اور نبی بھی" (حقیقۃ الوحی حاشیہ صـ۲۸)

اسی طرح "تذکرۃ الشہادتین" میں فرماتے ہیں:۔

"حکمت الٰہی نے یہ تقاضا کیا۔ کہ پہلے بہت سے خلفاء کو برعایت ختم نبوت بھیجا جائے۔ اور ان کا نام نبی نہ رکھا جائے۔ اور یہ مرتبہ ان کو نہ دیا جائے۔ تا ختم نبوت پر یہ نشان ہو۔ پھر آخری خلیفہ یعنی مسیح موعودؑ کو نبی کے نام سے پکارا جائے۔ تا خلافت کے امر میں دونوں سلسلوں کی مشابہت ثابت ہو جائے۔" صـ۴۴

غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات میں کسی امتی نبی کا اس لئے ذکر نہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی اور کو امتی نبی بنایا ہی نہیں۔ اور قرآن مجید میں اگر متعدد انبیاء کے اسماءِ گرامی" موجود ہیں۔ تو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بہتوں کو نبی بنا دیا۔

سید صاحب کا بیجا شکوہ

سید صاحب کو اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے "واحد امتی نبی" ہونے پر اعتراض ہے۔ اور انہیں خیال ہے۔ کہ کیوں پہلے اولیاء و اقطاب اس درجہ پر نہیں پہونچے۔ تو یہ خدا تعالیٰ سے پوچھیں۔ جس نے انہیں "امتی نبی" نہ بنایا۔ یا پھر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کریں۔ جنھوں نے مسیح موعودؑ کو ہی نبی اللہ کہا۔ اور امتِ محمدیہ کے باقی مقتدر افراد کو محدث و مجدد وغیرہ خطابات عطا کئے۔ یہ تقسیم تو منشاءِ الٰہی کے ماتحت ہوئی ہے۔ اس پر کسی کا اعتراض کرنا خود خدا پر اعتراض کرنا ہے۔ جیسا کہ کفارِ مکہ کا یہ اعتراض تھا کہ لولا نزل ھذا القرآن علیٰ رجل من القریتین عظیم یعنی یہ قرآن اگر نازل ہی ہونا تھا

تو طائف اور مکہ کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ ہوا۔ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا خوبی تھی۔ کہ آپ پر اس کا نزول ہوگیا۔ مگر خدا تعالےٰ نے فرمایا۔ کہ اللّٰہ اعلم حیث یجعل رسالتہٗ۔ اللہ تعالےٰ خوب جانتا ہے۔ کہ اس کے پیغام کے لئے کون شخص زیادہ موزوں ہے۔ اسی طرح ہم بھی کہتے ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ جانتا ہے۔ کسے امتی نبی بنائے۔ کسے صدیق، شہید مجدد۔ محدث اور ولی یا صالح وغیرہ۔ انسانی ذہن اگر اللہ تعالےٰ کی تقسیم پر اعتراض کرتا ہے۔ تو وہ اپنی حدود سے تجاوز کرتا اور ایسے میدان میں قدم رکھتا ہے۔ جہاں اس کی رسائی نہیں۔

سلسلۂ مجددین اور حضرت مسیح موعودؑ

سید صاحب کی دلیل کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ جب

"مرزا صاحب واحد امتی نبی ہیں۔ جو تیرہ سو سال میں مبعوث ہوئے۔ پھر ہر صدی میں مجدد کا آنا کیسا۔ اور مرزا صاحب کا مجدد الف ہونا لایعنی۔ یعنی یہ دونوں امور تو پیشرو کے طالب ہیں۔"

یہ کچھ ایسی پیچیدہ عبارت ہے۔ کہ صحیح طور پر معلوم نہیں ہوسکتا۔ سید صاحب کیا بیان کرنا چاہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ وہ اس موقعہ پر اپنے مافی الضمیر کا اظہار پورے طور پر نہیں کرسکے۔ تاہم الفاظ پر نگاہ ڈالتے ہوئے اتنا پتہ چلتا ہے۔ کہ سید صاحب کا منشا یہ ہے۔ کہ احادیث میں تو آتا ہے۔ کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد آیا کرے گا۔ اور مرزا صاحب کا دعوےٰ بھی مجدد الف آخر ہونے کا ہے۔ اور یہ دونوں امور پیشرو کے طالب ہیں۔ پھر حضرت مرزا صاحب "واحد امتی نبی" کیونکر ہوگئے۔

معلوم ہوتا ہے۔ سید صاحب کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے۔ کہ "امتی نبی" اور "مجدد" ایک ہی حیثیت رکھا کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ درست نہیں۔ امتی نبی اب تک امت محمدیہ میں صرف ایک ہی وجود ہوا ہے۔ اور وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہیں۔ لیکن بایں آپ کا دعویٰ مجدد ہونے کا بھی ہے۔ جیسا کہ آپ فرماتے ہیں۔

"مسیح موعودؑ جو آخری زمانہ کا مجدد ہے۔ وہ میں ہی ہوں۔" (حقیقۃ الوحی صـــ ۱۹۴)

اسی طرح فرماتے ہیں:۔

"لوگ اب تک آسمانی گورنمنٹ کے باغی ہیں۔ خدا کے نشانوں کو نہیں دیکھتے۔ امت ضعیفہ

کی ضرورت پر نظر نہیں ڈالتے۔ صلیبی غلبہ کا مشاہدہ نہیں کرتے۔ اور ہر روز ارتداد کا گرم بازار دیکھکر ان کے دل نہیں کانپتے۔ اور جب ان کو کہا جائے۔ کہ عین ضرورت کے وقت میں عین صدی کے سر پر عین غلبۂ صلیب کے ایام میں یہ مجدد آیا۔ جس کا نام ان معنوں سے مسیح موعود ہے۔ کہ وہ اسی صلیبی فتنہ کے وقت میں ظاہر ہوا۔ تو کہتے ہیں۔ کہ حدیثوں میں ہے۔ کہ اس امت میں تیس دجال آوینگے۔ کہ تا امت کا اچھی طرح خاتمہ کردیں۔ کیا خوب عقیدہ ہے۔ اے نادانو! کیا اس امت کی ایسی ہی پھوٹی ہوئی قسمت اور ایسے ہی بد طالع ہیں۔ کہ ان کے حصہ میں تیس دجال ہی رہ گئے۔ دجال تو تیس مگر طوفانِ صلیب کے فرو کرنے کے لئے ایک بھی مجدد نہ آسکا۔ زہے قسمت۔" (نزول المسیح صـــ ۳۳)

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعویٰ مسیح موعودؑ ہونے کے ساتھ جسے نبی اللہ کہا گیا ہے۔ مجدد ہونے کا بھی ہے۔ اور گو پہلے مجددین سے آپ کی شان ہر رنگ میں بلند و بالا ہے۔ مگر بہرحال اس میں اسمی اشتراک پایا جاتا ہے۔ اور بہت سے پیشرو یعنی مجددین ہمیں ایسے نظر آتے ہیں۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قبل مبعوث ہوئے۔ لیکن امتی نبی اور مسیح موعودؑ ہونے میں آپ امت محمدیہ کے فرد اکمل ہیں۔ اور آپ کا قدم اس بلندی پر ہے۔ جہاں تیرہ سو برس میں کسی کا نہیں پہونچا۔

چودھویں صدی کے سر پر مسیح موعود کی بعثت

ان اقتباسات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے امت محمدیہ میں اپنے "واحد امتی نبی" ہونے کے باوجود اصلاحِ خلق کے لئے وقتاً فوقتاً مجددین آنے کو تسلیم فرمایا ہے۔ اور اس پہلو سے اپنی صداقت کو بھی واضح کیا ہے۔ کیونکہ آپ بھی تجدید دین کے لئے مبعوث ہوئے۔

حج الکرامہ میں بھی لکھا تھا کہ:۔ "بر سر مائۃ چہاردہم کہ دہ سال کامل آنرا باقی ست۔ اگر ظہور مہدی علیہ السلام و نزول عیسےٰ صورت گرفت پس ایشاں مجدد و مجتہد باشند۔" صـــ ۱۳۹

یعنی اگر چودھویں صدی کے سر پر جس میں ابھی دس سال باقی رہتے ہیں۔ مسیح و مہدی کا ظہور ہوگیا۔ تو وہ اس صدی کے مجدد ہونگے۔ اللہ تعالےٰ کے وعدوں کے مطابق مسیح موعودؑ کا ظہور ہوا۔ مگر افسوس۔ شپرہ چشم لوگوں نے اللہ تعالےٰ کے اس نور کو شناخت نہ کیا۔ اور ان کی وہی حالت ہوگئی جس کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان اشعار میں

اشارہ فرمایا ہے۔ کہ ؎

یاد وُہ دن جبکہ کہتے تھے یہ سب ارکانِ دین
مہدیٔ موعودِ حق اب جلد ہوگا آشکار
کون تھا جس کی تمنا یہ نہ تھی اک جوش سے
کون تھا جس کو نہ تھا اس آنے والے سے پیار
پھر وہ دن جب آگئے اور چودھویں آئی صدی
سب سے اول ہو گئے منکر یہی دیں کے منار
پھر دوبارہ آگئی احبار میں رسمِ یہود
پھر مسیحِ وقت کے دشمن ہوئے یہ جُبّہ دار (درثمین اردو)

احمدیت کے خلاف سید حبیب کی تیرھویں دلیل

احمدیت کے خلاف تیرھویں دلیل سید حبیب نے ان الفاظ میں پیش کی ہے کہ
"مرزا صاحب کی تحریک کے خلاف میری تیرھویں دلیل یہ ہے۔ کہ وُہ اپنے الہام خود سمجھنے سے قاصر رہے۔ جس کے معنی یہ ہیں۔ کہ انہیں قدرت کی طرف سے ایسا علم نہیں دیا گیا جو ان کے مقصد بعثت کے لئے کافی ہوتا۔ پس وُہ نبی مبعوث نہ تھے۔ ورنہ اللہ تعالےٰ جو الہام نازل فرماتا۔ اس کا فہم انہیں ضرور عطا کرتا"

یہ دلیل جسے تیرھواں نمبر دیا گیا ہے۔ بعینہٖ دسویں دلیل کی نقل ہے۔ اور کوئی بات ان الفاظ میں ایسی بیان نہیں کی گئی۔ جس کا پہلے اظہار نہ کر چکے ہوں۔ لیکن چونکہ سید صاحب نے اس جگہ ایک زائد امر بھی بیان کیا ہے۔ اس لئے ہم اسی زائد امر کو ان کی تیرھویں دلیل سمجھتے ہوئے اس پر کچھ روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

سید صاحب لکھتے ہیں:۔

"مرزا صاحب کے الہامات میں ایک عجیب بات یہ ہے۔ کہ ان پر بعض اوقات قرآن شریف کی پوری آیات اور حدیث شریف کے پورے کے پورے فقرے بطور الہام نازل ہوئے" صـ۱۱۲

اس کے بعد انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا الہام انت مدینۃ العلم البشریٰ جلد دوم صـ۱۲ سے پیش کیا ہے۔ اور لکھا ہے۔ کہ یہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا شخص ہے۔ کہ انا مدینۃ العلم و علیؓ بابھا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے الہامات انا اعطینٰک الکوثر۔ ما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین۔ داعیًا الی اللہ وسراجًا منیرا۔ ماینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحیٌ یوحٰی۔ اور دنیٰ فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنیٰ پیش کرکے یہ اعتراض کیا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے قرآنی آیات پر نعوذ باللہ تصرف کیا ہے۔ اور یہ کہ "اگر اس قسم کے الہامات کو صحیح مان لیا جائے۔ تو یہ حسن عقیدت کی انتہا ہے۔ اس کے معنی تو یہ ہونگے کہ جس کا جی چاہے۔ وہ قرآن شریف کی چند آیات لیکر اعلان کر دے۔ کہ یہ اس کی شان میں بذریعہ وحی نازل ہوئی ہیں۔ لہذا وُہ پیغمبر ہے" صـ۱۱۳

کیا جھوٹے طور پر دعویٔ الہام کرنا آسان چیز ہے

اعتراض سے قطع نظر کرتے ہوئے سید صاحب کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے نزدیک دعوے وحی و الہام بڑی آسان چیز ہے۔ اور "جس کا جی چاہے۔ وُہ قرآن شریف کی چند آیات لیکر" اعلان کر سکتا ہے۔ کہ "یہ اس کی شان میں بذریعہ وحی نازل ہوئی ہیں۔ لہذا وُہ پیغمبر ہے" حالانکہ قرآن مجید نے نہایت وضاحت سے یہ امر بیان کیا ہے۔ کہ افتراء ایک ایسی لعنت ہے۔ جس کا ارتکاب کرنے والا اللہ تعالےٰ کی قہری گرفت سے کبھی بچ نہیں سکتا۔ بلکہ خدا تعالےٰ کا عذاب اسے جلد تر دنیا سے نابود کر دیتا ہے۔ وُہ فرماتا ہے:۔

ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون (النحل ع ۵) جو لوگ خدا تعالےٰ پر افترا کرتے ہیں۔ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

قال لھم موسیٰ ویلکم لا تفتروا علی اللہ کذبًا فیسحتکم بعذاب وقد خاب من افتریٰ (طٰہٰ ع ۳) حضرت موسیٰ نے ان سے کہا۔ تم خدا پر افترا نہ کرو۔ ورنہ وُہ تمہیں اپنے عذاب سے ہلاک کر دے گا۔ کیونکہ مفتری ہمیشہ ناکام رہتا ہے۔

قل ان افتریتہٗ فعلیّ اجرامی (ھود ع ۳) اے رسُول کہدے۔ اگر میں نے خدا پر افترا کیا ہے۔ تو اس کا وبال مجھ پر پڑے گا۔

فمن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبًا او کذب بایاتہٖ اولٰئک ینالھم نصیبھم من الکتٰب (اعراف ع ۴) اس سے بڑھکر اور کوئی ظالم نہیں۔ جو خدا پر افتراء کرے۔ یا اس کی آیات کی تکذیب کرے۔ ایسے لوگوں کو ان کا مقررہ حصہ

اگر یہ دعوئے پیغمبری ایسی ہی آسان چیز ہے۔ اور جھوٹے مدعیوں پر اللہ تعالےٰ کی کوئی گرفت نہیں ہوسکتی۔ تو کیوں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے مقابل پر کسی کا جی نہ چاہا کہ وُہ بھی دعوئے وحی والہام کرے۔ اور کیوں لوگوں کے دل میں نہ آیا۔ کہ اس منصب جلیلہ پر وُہ بھی متمکن ہوجائیں۔ کیا ایک بھی مثال ایسی پیش کی جاسکتی ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے مقابل پر کسی نے جھوٹے طور پر دعوئے وحی والہام کیا ہو۔ اور وُہ اللہ تعالےٰ کی قہری گرفت سے بچ گیا ہو۔ یا کیا ایک نظیر بھی نظام عالم میں ایسی ملتی ہے۔ کہ کسی نے خدا پر افتراء کیا ہو۔ اور خدا نے اسے اپنے عذاب سے ہلاک نہ کیا ہو۔ اگر نہیں۔ تو یہ کہنا کس قدر اپنی علمی فرومائیگی کا ثبوت دینا ہے۔ کہ "جس کا جی چاہے وُہ قرآن شریف کی چند آیات لیکر" اعلان کرسکتا ہے۔ کہ گویا وُہ بھی خدا تعالےٰ کا پیغمبر ہے۔ کیا نعوذ باللہ خدا تعالےٰ کی بادشاہت اندھیر نگری ہے۔ کہ اس میں جو چاہے خدا تعالےٰ پر افتراء کرتے ہوئے دندناتا ہوا پھر سکتا ہے۔ اور کیا خدا تعالیٰ اگر ایسا کرنے لگے تو سچے اور جھوٹے مدعیٔ الہام میں کوئی فرق رہ جائے ؟

پس سیّد حبیب کا یہ کہنا اللہ تعالےٰ کے عدل و انصاف پر حملہ کرنا اور قرآن مجید کے ایک صریح فرمان سے اپنی انتہائی ناواقفیت کا ثبوت دینا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے اس میں بھی وہ معذور ہیں۔ کیونکہ وُہ اقرار کرچکے ہیں۔ کہ "میری جہالت کی کوئی انتہا نہیں۔" اور یہ کہ "حدیث شریف اور فقہ کو میں نے صحیح معنوں میں ہاتھ تک نہیں لگایا" (تحریک قادیان) جس شخص کی مذہبی واقفیت کا یہ عالم ہو۔ وُہ اپنے خیالات کے زیر اثر جو کچھ بھی کہہ جائے اس سے بعید نہیں سمجھا جاسکتا۔

سیّد صاحب کا اعتراض اوپر درج کیا جاچکا ہے جس کا ماحصل یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اپنے الہامات میں قرآن مجید کی آیات اور ان کے بعض فقرات پر تصرف کیا۔ گویا ایک بات جو حدیث میں آچکی تھی۔ اُسے اپنا الہام قرار دے دیا۔ یا قرآن مجید میں جو آیات آچکی ہیں۔ ان میں سے بعض پر تصرف کرکے اپنی وحی میں داخل کرلیا۔ اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی۔ دوسرا حقیقی

قرآن مجید کا کتب سابقہ کی بعض آیات پر تصرف

الزامی جواب تو یہ ہے۔ کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے الہامات پر

عتراض کیا جاسکتا ہے۔ کہ ان میں احادیث کے بعض فقرات یا قرآن مجید کی بعض آیات پر تصرف کیا گیا ہے۔ تو یہی اعتراض قرآن مجید کے الہامات پر بھی وارد ہوتا ہے۔ بلکہ عیسائی اپنی کئی کتابوں "ینابیع الاسلام" اور "ہمارا قرآن" وغیرہ میں یہ اعتراض بارہا کرچکے ہیں کہ قرآن مجید نے اپنی وحی والہام کے باب میں کتب سابقہ کے الہامات یا بعض فقرات پر تصرف کیا۔ میں نمونہ کے طور پر چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

(۱) پیدائش ۱/۲ میں لکھا ہے "خدا کی رُوح پانیوں پر جنبش کرتی تھی" قرآن مجید میں آتا ہے۔ کان عرشہ علی الماء (۱۱-۱۱)

(۲) استثناء ۳۲/۳۹ میں آتا ہے "میں ہی مارتا ہوں۔ اور میں ہی جلاتا ہوں۔" قرآن مجید میں آتا ہے۔ انّا لنحن نحی ونمیت (۱۵—۲۳)

(۳) زبور میں ہے "آسمان خدا کا جلال بیان کرتے ہیں۔ اور فضا اس کی دستکاری کھلاتی ہے۔ ایک دن دوسرے دن سے باتیں کرتا ہے۔ اور ایک رات دوسری رات کو معرفت بخشتی ہے۔ ان کی کوئی لغت اور زبان نہیں۔ ان کی آواز سُنی نہیں جاتی۔ پر ساری زمین میں ان کی تار گونجتی ہے۔" ۱۹/۱تا۴

قرآن مجید میں آتا ہے۔ تسبح لہ السمٰوٰت السبع والارض ومن فیھن۔ وان من شیٔ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم (۱۷—۴۶)

(۴) استثناء ۶/۴ میں لکھا ہے "خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے" قرآن مجید میں آتا ہے۔ الٰھکم الٰہ واحد (۲—۱۵۸)

(۵) زبور ۸۱/۹ میں ہے "تیرے درمیان کوئی دوسرا معبود نہ ہووے۔ تو کسی اجنبی معبود کو سجدہ نہ کرنا۔"

قرآن مجید میں لکھا ہے۔ فلا تجعلوا للہ اندادًا (۲—۲)

(۶) یسعیاہ ۴۸/۱۲ میں ہے "میں ہی اول اور میں ہی آخر بھی ہوں۔" قرآن مجید میں آتا ہے۔ ھو الاول والاٰخر (۲۷—۳)

(۷) متی میں لکھا ہے "جہاں دو یا تین میرے نام پر اکٹھے ہیں۔ وہاں میں ان کے بیچ میں ہوں۔" ۱۸/۲۰

قرآن مجید میں آتا ہے۔ ما یکون من نجوٰی ثلٰثۃ الا ھو رابعھم (۵۸—۸)

(۸) ۲۔ تواریخ ۳۰/۹ میں ہے "خداوند تمہارا خدا غفور اور رحیم ہے" قرآن مجید میں آتا ہے۔ وھو الغفور الودود (۵۸—۱۴)

(۹) زبور ۵/۱۱ میں آتا ہے "خداوند پر توکل کرو" قرآن مجید میں لکھا ہے وتوکل علیہ (۱۱—۱۲۳)

(۱۰) خروج ۱۲/۲۰ میں ہے "تو اپنے ماں باپ کو عزت دے" قرآن مجید میں آتا ہے وبالوالدین احسانا (۱۷—۲۳)

(۱۱) استثناء ۱۳/۲۵ میں لکھا ہے "تو اپنے تھیلے میں مختلف باٹ ایک بڑا ایک چھوٹا مت رکھیو۔ تو اپنے گھر میں مختلف پیمانے ایک بڑا ایک چھوٹا مت رکھیو۔ تو ایک پورا اور ٹھیک باٹ اور ایک پورا اور ٹھیک پیمانہ رکھیو"

قرآن مجید میں آتا ہے۔ فاوفوا الکیل والمیزان ولا تبخسوا الناس اشیاءھم (۷—۸۳)

(۱۲) احبار ۱۱/۱۹ میں ہے "ایک دوسرے سے جھوٹ مت بولو" قرآن مجید میں آتا ہے۔ واجتنبوا قول الزور (۲۲—۳۱)

(۱۳) یسعیاہ ۴/۴۹ میں ہے "میرا اجر میرے خدا کے پاس" قرآن مجید میں آتا ہے ان اجری الا علی اللہ (۱۰—۷۳)

اسی طرح قرآن مجید میں ہر سورۃ کے ابتداء میں جو آیت کریمہ بسم اللہ الرحمن الرحیم آتی ہے۔ اس کے متعلق مسیحیوں کی طرف سے بارہا یہ اعتراض کیا گیا ہے۔ کہ یہ آیت پہلی کتب سے نقل کی گئی ہے۔ چنانچہ راڈول لکھتا ہے۔ کہ یہ یہودی الاصل کلمہ ہے۔ (ویری جلد اول صفحہ ۲۸۶) ویری لکھتا ہے۔ کہ "یہ امر قریباً یقینی ہے۔ کہ یہ کلمہ محمد (صلعم) نے یہودیوں اور صابیوں سے مستعار لیا ہے۔ آخر الذکر ہمیشہ اپنی تحریروں سے پہلے یہ لکھا کرتے تھے "بنام یزداں بخشائش گر داد گر" (ویری جلد اول صفحہ ۲۸۹)

پادری سینٹ کلیئر ٹسڈل صاحب نے ینابیع الاسلام میں اس عبارت کو زرتشتیوں کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ کتاب دساتیر میں ہر نبی کے صحیفہ سے پہلے یہ عبارت درج ہے "بنام ایزد بخشائش گر مہربان داد گر" (اردو ترجمہ ینابیع الاسلام صفحہ ۱۲۷)

پھر خود قرآن مجید سے ثابت ہے۔ کہ یہ آیت حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی معلوم تھی

چنانچہ انہوں نے جو خط ملکۂ سبا کو لکھا۔ اسے قرآن نے یوں بیان فرمایا ہے۔ انہ من سلیمٰن وانہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الا تعلوا علی وآتونی مسلمین (سورۃ النمل ع ۲) پس اس آیت کے متعلق بھی یہ اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ یہ پہلی کتب میں موجود تھی۔ قرآن مجید نے اس پر تصرف کر لیا۔

ان مثالوں سے یہ امر پورے طور پر واضح ہو جاتا ہے۔ کہ قرآن مجید نے اپنے بعض الہامات میں کتب سابقہ کی آیات پر تصرف کیا۔ بلکہ قرآن مجید اس امر کو تسلیم فرماتا ہے۔ اور کہتا ہے فیھا کتب قیمۃ (بینہ) یعنی قرآن مجید میں تمام سابقہ درست کتابیں شامل کر دی گئی ہیں۔ اسی طرح کہتا ہے۔ انہ لفی زبر الاولین۔ یعنی قرآن مجید کے الہامات پہلی کتب میں بھی آچکے ہیں۔ اسی لئے مخالفین قرآن مجید کے الہامات کے متعلق اساطیر الاولین کہا کرتے تھے۔ یعنی یہ تو پہلوں کی کہانیاں ہیں۔ جنہیں دہرایا جا رہا ہے۔

پس الزامی جواب یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات پر اگر یہ اعتراض جائز ہو سکتا ہے۔ کہ اس میں قرآنی آیات پر تصرف کیا گیا ہے۔ تو پھر قرآن مجید پر بھی یہ اعتراض وارد ہو جائے گا۔ کیونکہ قرآن مجید کی کئی آیات سابقہ الہامی کتب یا صحیفوں میں نازل ہو چکی ہیں۔

قرآن مجید کی آیات میں الہام ہونا

حقیقی جواب یہ ہے۔ کہ قرآن مجید کی آیات میں الہام ہونا کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ امت محمدیہ کے اولیاء نے اسے جائز تسلیم کیا ہے۔ بلکہ خود اولیاء امت پر قرآنی آیات میں الہام ہو چکے ہیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل امثلہ ملاحظہ ہوں۔

(۱) فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۲۸۷ پر لکھا ہے۔ اما الالقاء بغیر التشریع فلیس بمحجور ولا التعریفات الا لٰھیۃ بصحۃ الحکم المقرر او فسادہ وکذالک تنزل القرآن علی قلوب الاولیاء ما انقطع مع کونہ محفوظا لھم ولکن لھم ذوق الانزال وھذا البعضھم۔ یعنی غیر شرعی الہام ممنوع نہیں۔ اور نہ ایسا الہام ممنوع ہے۔ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کسی پہلے حکم کی تعریف کرے۔ یا کسی حکم کے عدم تعمیل کی خرابی ظاہر فرمائے۔ یہ دونوں قسم کے الہام منقطع نہیں۔ اسی طرح اولیاء کے قلوب پر قرآن مجید کا نزول بھی منقطع نہیں ہوا۔ حالانکہ قرآن مجید اپنی اصل

صورت میں محفوظ ہے۔ لیکن اولیاء کو نزول قرآنی کا ذوق عطا کرنے کے لئے ایسا کیا جاتا ہے۔ مگر ایسی شان صرف بعض کو عطا ہوتی ہے۔ اسی طرح لکھا ہے۔ ان القرآن دکل کلام ینزل علی التالین و المتکلمین فی حال تلاوتہم و کلامہم ولولا ذالک ما تلوا ولا تکلّموا (فتوحات مکیہ جلد ۲ صـــ۷۷)

یعنی قرآن مجید کی تلاوت کرنے والوں پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے قرآن کا نزول ہُوا کرتا ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو۔ تو وہ تلاوت ہی نہ کریں۔

(۲) فصوص الحکم میں لکھا ہے۔ وفینا من یاخذہ عن اللہ فیکون خلیفۃً عن اللہ بعین ذالک الحکم فتکون المادۃ من حیث کانت المادۃ لرسولہ صلی اللہ علیہ وسلم فھو فی الظاھر متبع لعدم مخالفتہ فی الحکم (صـــ۱۹۳ و ۱۹۴)

یعنی ہم اہل کشف میں بعض ایسے بھی ہیں۔ جو احکام قرآنیہ کو براہ راست اللہ تعالےٰ کی طرف سے بطور وحی حاصل کرتے ہیں۔ اور وُہ ان احکام میں خدا تعالےٰ کے نائب ہوتے ہیں۔ مادہ وہی ہوتا ہے۔ جو رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے تھا۔ ایسے اہل کشف بھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متبع ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ احکام شریعت محمّدیہ کے خلاف نہیں ہوتے

(۳) اسی طرح حضرت شیخ محی الدین صاحب ابن عربی نے حضرت امام مہدیؑ کے لئے یہ تصریح کی ہے۔ کہ انہ یحکم بما القی الیہ ملک الالھام من الشریعۃ وذالک انہ یلھمہ الشرع المحمدی فیحکم بہ۔ یعنی مہدی علیہ السّلام اس وحی کے ساتھ حکم کرینگے۔ جو فرشتہ الہام شرعی وحی میں سے ان کی طرف القا کرے گا۔ اور یہ اس طرح ہوگا۔ کہ وہ فرشتہ انہیں شرع محمدی کا الہام کرے گا۔ اور امام مہدی اسی کے مطابق فیصلہ کرینگے (الیواقیت جلد ۲ صـــ۱۰۱)

سیّد عبد القادر صاحب جیلانی کی شہادت

(۸) حضرت سید عبد القادر صاحب جیلانی فتوح الغیب کے مقالہ ۳۴ صـــ۲۳ میں فرماتے ہیں۔ کہ "فحینئذٍ تکون وارث کل رسول ونبی وصدیق" یعنی اے سالک تو فانی عن الارادہ ہوجانے کے وقت خدا تعالےٰ کے خاص فضلوں کا جاذب ہوجائے گا۔ اور ہر نبی اور ہر رسُول کا وارث ہوجائیگا۔ یعنی جس طرح خدا تعالےٰ ان سے ہمکلام ہوا۔ اسی طرح تجھ سے کلام کرے گا۔ اس حوالہ کی موجودگی میں اگر انا اعطیناک الکوثر یا۔ ما ارسلناک

الا رحمۃ للعالمین وغیرہ الہامات جو رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ہوئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام پر بھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں نازل ہوگئے۔ تو تکون وارث کل رسول ونبی کو تسلیم کرتے ہوئے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔

(۵) امام عبد الوہاب شعرانی الیواقیت والجواہر جلد ۲ صـــ۱۰۱ پر لکھتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح علیہ السّلام جب آئیں گے۔ تو یلھمہ بشرع محمد انہیں شریعت محمّدیہ میں الہام ہونگے۔

(۶) حضرت شیخ احمدؒ صاحب سرہندی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں۔ "ہمچنانکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام آں علوم را از وحی حاصل میکرد ایں بزرگواراں بطریق الہام آں علوم را از اصل اخذ میکنند" (مکتوبات جلد ۱ صـــ۹۰)

یعنی جس طرح رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے علوم شریعہ وحی کے ذریعہ حاصل کئے اسی طرح بزرگان ملت اور اولیاء عظام الہام کے ذریعہ وہ علوم اصل سرچشمہ سے حاصل کر لیتے ہیں۔

مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی پر قرآنی آیات میں الہام

(۷) مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی مرحوم جو امرتسر کے غزنوی خاندان کے مورث اعلےٰ ہوئے ہیں۔ ایک نہایت ہی نیک پاک طینت اور صاحب کشف بزرگ تھے۔ ان پر قرآن مجید کی بہت سی آیات الہاماً نازل ہوئیں۔ جس کی مخالفت میں مولوی غلام علی صاحب قصوری نے ایک رسالہ لکھا۔ اور قرآنی آیات میں الہام ہونے کو قابل اعتراض ٹھہرایا۔ اس کے جواب میں مولوی عبد الجبار صاحب غزنوی نے ایک رسالہ "اثبات الالہام والبیعت" لکھا۔ جس کا چھوٹا سا اقتباس افادہ احباب اور سید حبیب کے اعتراض کے ابطال کے لئے درج ذیل کیا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"آیتیں بے شک پہلے ہی نازل ہوچکی ہیں۔ اور ان کے الفاظ اور مورد بھی عام ہیں مگر جب صاحب الہام پردہ غیب سے سنتے ہیں۔ یا خود بخود ان کی زبان پر آیات جاری کی جاتی ہیں۔ تو وُہ اپنے حال سے مطابق کرتے ہیں۔ اور بہ سبب فہم خداداد کے حظ وافر اٹھاتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی کام کے نیک و بد ہونے میں متردد ہوتے ہیں۔ تو مثلاً آیت والرجز فاھجر سنکر اس کے ترک کا عزم کرتے ہیں۔ اور جب دینی معاملات کے سبب مصیبتوں میں مبتلا کئے جاتے ہیں۔ تو قوموا للہ قانتین۔ اور ان اللہ معنا سنکر ان کے دل

مطمئن ہوتے ہیں۔" صفحہ ۱۴۸

اسی طرح لکھا ہے:۔

"اگر الہام میں اس آیت کا القاء ہو جس میں خاص آنحضرتؐ کو خطاب ہو۔ تو صاحب الہام اپنے حق میں خیال کرکے اس کے مضمون کو اپنے حال سے مطابق کرے گا۔ اور نصیحت پکڑیگا۔ . . . . . . اگر کوئی شخص ایک آیت کو جو پروردگار نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں نازل فرمائی ہے۔ اُسے اپنے پر وارد کرے۔ اور اس کے امر و نہی اور تاکید و ترغیب کو بطور اعتبار اپنے لئے سمجھے۔ تو بے شک وہ شخص صاحب بصیرت اور مستحق تحسین ہوگا۔ اگر کسی پر ان آیات کا القاء ہو جنمیں خاص آنحضرتؐ کو خطاب ہے۔ مثلاً الم نشرح لك صدرك۔ کیا نہیں کھولا ہم نے واسطے تیرے سینہ تیرا۔ ولسوف يعطيك ربك فترضى فسيكفيكهم الله۔ فاصبر كما صبر اولوا العزم من الرسل۔ واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه۔ فصل لربك وانحر۔ ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا واتبع هواه۔ ووجدك ضالاً فهدى۔ تو بطریق اعتبار یہ مطلب نکالا جائے گا۔ کہ انشراح صدر اور رضا اور انعام ہدایت جس لائق یہ ہے۔ علی حسب المنزلت اس شخص کو نصیب ہوگا۔ اور اس امر و نہی وغیرہ میں اس کو آنحضرتؐ کے حال میں شریک سمجھا جائے گا۔" (اثبات الالہام والبیعۃ صفحہ ۱۴۲، ۱۴۳)

علاوہ ازیں مولوی غلام علی قصوری کے اعتراضات کو نواب صدیق حسن خانصاحب۔ مولوی نذیر حسین صاحب محدث دہلوی اور مولانا عبدالحی صاحب محدث لکھنوی وغیرہ نے بھی باطل قرار دیا۔ بلکہ مولوی عبدالحی صاحب نے تو معترض کو جاہل کا خطاب دیا۔

(۸) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی "حقیقۃ الوحی" میں مولوی عبداللہ صاحب مرحوم غزنوی کا ایک الہام درج فرمایا ہے۔ جو قرآنی آیت میں ان پر نازل ہوا۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"جب وہ زندہ تھے۔ ایک دفعہ مقام خیر دی میں اور دوسری دفعہ مقام امرتسر میں ان سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے انہیں کہا۔ کہ آپ ملہم ہیں۔ ہمارا ایک مدعا ہے۔ اس کے لئے آپ دعا کرو۔ مگر میں آپ کو نہیں بتلاؤنگا۔ کہ کیا مدعا ہے۔ انہوں نے کہا "در پوشیدہ داشتن برکت است و من انشاء اللہ دعا خواہم کرد و الہام امر اختیاری نیست" اور میرا مدعا یہ تھا۔ کہ دین محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام روز بروز تنزل میں ہے۔ خدا اس کا مددگار ہو۔ بعد اس کے

میں قادیان میں چلا آیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد بذریعہ ڈاک ان کا خط مجھے ملا۔ جس میں یہ لکھا تھا۔ کہ "این عاجز برائے شما دعا کردہ بود۔ القا شد وانصرنا على القوم الكفرين۔ فقیر را کم اتفاق مے افتد کہ بدیں جلدی القا شود این از اخلاص شما مے بینم۔" صفحہ ۲۳۹

(۹) سید عبدالقادر صاحب جیلانی فرماتے ہیں۔ ثم ترفع الى الملك الاكبر فتخاطب بانك اليوم لدينا مكين امين۔ (فتوح الغیب مقالہ ۲۸) یعنی جب تو اللہ تعالےٰ کا قرب حاصل کرلے گا۔ تو خدا کی طرف تجھے بلند کیا جائیگا۔ اور خدا تجھے الہاماً مخاطب کرکے کہیگا۔ کہ انك اليوم لدينا مكين امين۔ یہ قرآن کی آیت ہے۔ جو سورۃ یوسف میں آتی ہے۔

حضرت مجدد صاحب الف ثانی پر قرآنی آیت میں الہام

(۱۰) مقامات امام ربانی مجدد الف ثانی مطبوعہ دہلی میں لکھا ہے۔

"مجدد الف ثانی کے سب سے چھوٹے فرزند حضرت شاہ محمد یحیٰ کے تولد سے پہلے حضرت مجدد صاحب کو الہام ہوا تھا۔ انا نبشرك بغلام اسمه يحيى۔ اسی رعایت سے ان کا نام محمد یحیٰ ہوا۔" صفحہ ۱۳۶

حضرت خواجہ میر درد صاحب دہلوی پر قرآنی آیات میں الہام

(۱۱) حضرت خواجہ میر درد صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب علم الکتاب میں "تحدیث نعمۃ الرب" کے عنوان کے ماتحت لکھا ہے۔ کہ مجھ پر خدا تعالےٰ نے مندرجہ ذیل قرآنی آیات الہاماً نازل فرمائیں۔

(۱) لا تتبع اهواءهم واستقم كما امرت (۲) قل حسبي الله (۳) ان كثيراً من الناس لفاسقون (۴) افحكم الجاهلية يبغون (۵) من احسن من الله حكماً لقوم يؤمنون (۶) ان الله يحب المقسطين (۷) انا جعلناك آية للناس لعلهم يرشدون (۸) ولكن اكثر الناس لا يعلمون" صفحہ ۶۱

پھر صفحہ ۸۴ سے ۸۶ پر بھی بہت سی آیات قرآنیہ کو اپنے الہامات میں شامل کیا ہے۔ جن میں بعض یہ ہیں:۔

(۱) اذهب بكتابي هذا (۲) فانظر ماذا يرجعون (۳) انذر عشيرتك الاقربين (۴) واخفض جناحك لمن اتبعك من المؤمنين (۵) بلسان عربي مبين

وانہ لھدیً ورحمۃ للمؤمنین (۶) لاتحزن علیھم ولا تکن فی ضیق مما یمکرون (۷) یمدھم فی طغیانھم (۸) واللہ خیر الماکرین (۹) ما انت بھادی العمی عن ضلالتھم۔ ان تسمع الا من یومن بآیاتنا فھم مسلمون (۱۰) ان الناس کانوا بآیاتنا لا یوقنون

ساتھ ہی لکھا ہے کہ ھذا ما ایّدنی ربی بآیاتہ القرآنیۃ والمنکرون لا یومنون یعنی یہ وہ قرآنی آیات ہیں۔ جن سے اللہ تعالےٰ نے میری تائید فرمائی۔ مگر منکرین ان باتوں پر ایمان نہیں لاتے۔

حضرت بایزید صاحب بسطامی پر قرآنی آیت میں الہام

(۱۲) حضرت بایزید بسطامی کے متعلق تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے۔ کہ "آپ نے نماز صبح پڑھکر ان کی طرف دیکھکر کہا۔ انّی انا اللہ لا الٰہ الّا انا فاعبدون بے شک میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس میری عبادت کرو۔ لوگوں نے کہا۔ یہ دیوانہ ہے چھوڑ کر چلے گئے۔ شیخ اس وقت خدا کی زبان سے فرماتے تھے۔" (صـ۱۳۴)

اس سے بھی معلوم ہوا۔ کہ لا الٰہ الّا انا فاعبدون۔ ۲۰/۱۴۔ درحقیقت آپ پر الہام نازل ہوا تھا۔ جو ایک قرآنی آیت ہے۔ مگر لوگوں نے اُسے نہ سمجھا۔

(۱۳) حضرت مجدد صاحب الف ثانی نے اپنے مکتوبات جلد ۲ صـ۱۶۶ پر یہ بھی لکھا ہے۔ کہ "از امام ہمام جعفر صادق رضی اللہ عنہ منقول است کہ گفت ما زلتُ اردد الایۃ حتی سمعتھا من المتکلم بھا" یعنی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ کہ میں نے قرآن مجید کی ایک آیت کو اتنی بار لوٹایا۔ کہ خود اس آیت کے متکلم یعنی اللہ تعالےٰ سے اُسے سُن لیا۔ گویا آپ پر اللہ تعالےٰ نے جو الہام نازل فرمایا۔ وہ قرآن مجید کی ایک آیت میں ہی تھا۔

ان حوالجات سے دو امر ظاہر ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ قرآن مجید کی آیات میں الہام ہونا ایک خوبی کی بات ہے۔ نہ کہ قابل اعتراض امر۔

دوسرے یہ کہ امت محمدیہ کے بہت سے اولیاء پر قرآنی آیات میں الہام نازل ہو چکے ہیں۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی اگر قرآنی آیات میں الہام نازل ہوئے۔ تو نہیں کہا جاسکتا۔ کہ نعوذ باللہ آپ نے قرآنی آیات پر تصرف کیا۔ کیونکہ اس حملے کا نہ صرف اولیاء امت پر اثر پڑتا ہے۔ بلکہ قرآن کریم بھی اس زد سے باہر نہیں رہ سکتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا جواب

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام بھی فرماتے ہیں:-

"اگر یہ اعتراض ہوسکتا ہے۔ تو پھر اس بات کا کیا جواب ہے۔ کہ قرآن شریف میں جو یہ آیت ہے فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ یہ بھی دراصل ایک انسان کا کلام تھا۔ یعنی عبداللہ بن ابی سرح کا جو ابتداء میں قرآن شریف کی بعض آیات کا کاتب بھی تھا۔ پھر مرتد ہوگیا۔ وہی کلام اس کا بغیر کمی بیشی کے فرقانِ مجید میں نازل ہوگیا۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صـ۵)

اسی طرح فرماتے ہیں:-

"اس بارہ میں ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ کہ اور نبیوں کو تلاش کرنا کچھ ضروری نہیں خود ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر بعض ایسے فقرے وحیٔ الٰہی کے نازل ہو چکے ہیں۔ جو پہلے وہ کسی آدمی کے منہ سے نکلے تھے۔ جیسا کہ یہ فقرہ وحیٔ فرقانی یعنی فتبارک اللہ احسن الخالقین یہ فقرہ پہلے عبداللہ بن ابی سرح کی زبان سے نکلا تھا۔ اور وہی فقرہ وحیٔ قرآنی میں نازل ہوا۔ دیکھو تفسیر کبیر الجزء السادس صـ۲۷۶ مطبوعہ مصر۔ . . . .
اب دیکھو عبداللہ ابن ابی سرح کے کلام سے خدا تعالےٰ کی کلام کا توارد ہوا۔ یعنی عبداللہ کے منہ سے بھی یہ فقرہ نکلا تھا۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ اور خدا تعالےٰ کی وحی میں بھی یہی آیا۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صـ۲۹)

اس حوالہ سے اس اعتراض کا بھی حل ہو جاتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے بعض الہامات کا احادیث سے توارد ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ الہام انت مدینۃ العلم کے متعلق پیر جیب نے لکھا ہے۔ کہ "مرزا صاحب کا الہام اس حدیث شریف کا ملخّص ہے۔ کہ انا مدینۃ العلم و علیٌّ بابھا۔

قرآنی آیات میں الہام ہونے کی وجہ

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام قرآنی آیات میں اکثر الہام الٰہی نازل ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"بہت حصہ خدا تعالےٰ کے مکالمہ مخاطبہ کا قرآن شریف کی آیتوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ کہ قرآن شریف خدا کا کلام ہے۔ اور اس طور پر ایک [illegible] سے ہم کو یقین دلایا جاتا ہے۔ کہ جس رسول پر وہ ایمان رکھتا ہے۔ وہ سچا رسول ہے

اور جس کتاب کو وُہ مانتا ہے۔ یعنی قرآن شریف کو وُہ خدا کی کتاب ہے۔" (چشمۂ معرفت ص۲۱)

اسی طرح اپنے بعض الہامات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"یہ عجیب بات ہے۔ کہ اس پیشگوئی کے الفاظ سب کے سب قرآن شریف کی عبارت ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ یہ معجزہ دراصل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔" (مضمون حضرت اقدس مشمولہ چشمۂ معرفت ص۳۲۶)

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام براہین احمدیہ میں بعض ایسی قرآنی آیات کے الہام ہونے کا ذکر کرنے کے بعد جن کا اصل خطاب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے ہے جیسے داعیًا الی اللّٰہ وسراجًا منیرًا وغیرہ فرماتے ہیں:۔

"اس جگہ یہ وسوسہ دل میں نہیں لانا چاہئے۔ کہ کیونکر ایک ادنیٰ امتی آں رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے اسماء یا صفات یا محامد میں شریک ہو سکے۔ بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ حقیقی طور پر کوئی نبی بھی آنحضرت کے کمالاتِ قدسیہ سے شریک مساوی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ تمام ملائکہ کو بھی اس جگہ برابری کا دم مارنے کی جگہ نہیں۔ چہ جائیکہ کسی اور کو آں حضرت کے کمالات سے کچھ نسبت ہو۔ مگر اے طالبِ حق ارشدک اللّٰہ تم متوجہ ہو کر اس بات کو سنو۔ کہ خداوند کریم نے اس غرض سے کہ تا ہمیشہ اس رسولِ مقبول کی برکتیں ظاہر ہوں۔ اور تا ہمیشہ اس کے نور اور اس کی قبولیت کی کامل شعاعیں مخالفین کو ملزم اور لاجواب کرتی رہیں۔ اس طرح پر اپنی کمال حکمت اور رحمت سے انتظام کر رکھا ہے۔ کہ بعض افراد امت محمدیہ کو جو کمال عاجزی اور تذلل سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت اختیار کرتے ہیں اور خاکساری کے آستانہ پر پڑ کر بالکل اپنے نفس سے گئے گذرے ہوتے ہیں۔ خدا ان کو فانی اور ایک مصفّے شیشہ کی طرح پا کر اپنے رسول مقبول کی برکتیں ان کے وجود بے نمود کے ذریعہ سے ظاہر کرتا ہے۔ اور جو کچھ منجانب اللہ ان کی تعریف کی جاتی ہے۔ یا کچھ آثار اور برکات اور آیات ان سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ حقیقت میں مرجع تام ان تمام تعریفوں کا اور مصدرِ کامل ان تمام برکات کا رسول کریم ہی ہوتا ہے۔ اور حقیقی اور کامل طور پر وُہ تعریفیں اسی کے لائق ہوتی ہیں۔ اور وہی ان کا مصداق اتم ہوتا ہے۔ مگر چونکہ متبع سنن آں سرورِ کائنات کا اپنے غایت اتباع کی جہت سے اس شخص نورانی کے لئے کہ جو وجود باجود حضرت نبوی ہے مثل ظل کے ٹھہر جاتا ہے۔ اس لئے جو کچھ اس شخص مقدس میں انوار الٰہیہ پیدا اور ہویدا ہیں۔

اس کے اس ظل میں بھی نمایاں اور ظاہر ہوتے ہیں۔ اور سایہ میں اس تمام وضع اور انداز کا ظاہر ہونا کہ جو اس کے اصل میں ہے۔ ایک ایسا امر ہے۔ کہ جو کسی پر پوشیدہ نہیں۔" (براہین احمدیہ حصہ سوم ص۲۴۳ حاشیہ در حاشیہ)

اسی طرح فرماتے ہیں: "ان کلمات کا حاصل مطلب تلطفات اور برکات الٰہیہ ہیں۔ جو حضرت خیر الرسل کی متابعت کی برکت سے ہر یک کامل مومن کے شاملِ حال ہو جاتی ہیں۔ اور حقیقی طور پر مصداق ان سب عنایات کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور دوسرے سب طفیلی ہیں۔" براہین احمدیہ حصہ چہارم حاشیہ در حاشیہ ص۴۸۴)

دو عظیم الشّان فوائد

کتنی وضاحت کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے یہ امر بیان فرما دیا ہے۔ کہ تمام محامد و اوصاف حقیقی طور پر آنحضرت صلے اللہ علیہ کے لئے ہی ہیں لیکن اگر آپ کی اتباع میں طفیلی طور پر امتِ محمدیہ کے کسی دوسرے پاک نفس پر وہی آیات الہامًا نازل ہو جاتی ہیں۔ جن میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا گیا تھا۔ تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتی۔ کہ وُہ آپ کے درجہ میں شریک ہو گیا۔ بلکہ اس سے دو بزرگ امر پیدا ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس سے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بدرجۂ غایت کمالیت ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ جس چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہو سکتا ہے۔ اور ہمیشہ روشن ہوتا ہے۔ وہ ایسے چراغ سے بہتر ہے۔ جس سے دوسرا چراغ روشن نہ ہو سکے دوسرے اس امت کی کمالیت اور دوسری امتوں پر اس کی فضیلت اس افاضۂ دائمی سے ثابت ہوتی ہے۔ اور حقیقتِ دینِ اسلام کا ثبوت ہمیشہ تر و تازہ ہوتا رہتا ہے۔ صرف یہی بات نہیں ہوتی۔ کہ گذشتہ زمانہ پر حوالہ دیا جائے۔ اور یہ ایک ایسا امر ہے۔ کہ جس سے قرآن شریف کی حقانیت کے انوار آفتاب کی طرح ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اور دین اسلام کے مخالفوں پر حجت اسلام پوری ہوتی ہے۔ اور معاندین اسلام کی ذلت اور رسوائی اور روسیاہی کامل طور پر کھل جاتی ہے۔ کیونکہ وُہ اسلام میں وہ برکتیں اور وہ نور دیکھتے ہیں۔ جن کی نظیر کو وُہ اپنی قوم کے پادریوں اور پنڈتوں وغیرہ میں ثابت نہیں کر سکتے۔" (براہین احمدیہ حصہ سوم حاشیہ در حاشیہ ص۲۴۴)

ان عظیم الشان برکات کے باوجود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے

ان الہامات پر معترض ہونا جو آپ پر قرآنی آیات میں نازل ہوئے۔ انتہائی کور چشمی کا ثبوت دینا ہے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر انبیاء سابقین کے خطابات کا اعادہ

علاوہ ازیں عقلاً اگر غور کیا جائے۔ تب بھی کسی دوسرے شخص کو پہلے کا خطاب دے دینا قابل اعتراض نہیں سمجھا جا سکتا۔ کیا یہ حقیقت نہیں۔ کہ ہر نبی کو اللہ تعالےٰ نے نبی اور رسول کہا۔ پھر کیا اس سے انکار کیا جا سکتا ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالےٰ نے یہی خطاب دیا۔ اور گو اس میں درجات کے لحاظ سے اضافہ بھی کیا۔ مگر نبی اور رسول ہونے میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سب انبیاء کے ساتھ شریک ہیں ایسی کی طرف لانفرق بین احدٍ من رسلہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ پس کیا یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ نعوذ باللہ یہ بھی خدا تعالےٰ کی غلطی تھی۔ کہ اس نے پہلے انبیاء کا خطاب ہی آپ پر دہرا دیا۔ اور کیا اس موقعہ پر سید حبیب کے یہ الفاظ دہرائے جا سکتے ہیں۔ کہ تعجب ہے۔ ایک انسان تو اپنے دس لڑکوں کو دس اسناد ایسی دے سکتا ہے جس میں حسن خدمات کا ذکر ایک دوسرے سے مختلف ہو لیکن (معاذ اللہ) خداوند علیم و حکیم یہ نہیں کر سکتا۔ کہ وہ اپنے ایک نئے نبی کو سند دیتے ہوئے نئے الفاظ استعمال کر سکے" (تحریک قادیان صـ۱۱۳) جب نہیں۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو بھی اگر اللہ تعالےٰ نے کسی ایسے خطاب سے مخاطب فرما لیا۔ جو کسی پہلے نبی کے لئے آ چکا تھا تو اس میں اعتراض کی کونسی بات ہوئی۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی تائیدی شہادت

چونکہ اس اعتراض کا جواب ایک مرتبہ سلسلۂ احمدیہ کے اشد ترین معاند مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے قلم سے بھی نکل چکا ہے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ افادۂ احباب کے لئے اسے بھی درج کر دیا جائے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی براہین احمدیہ پر ریویو کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے مخالفین کے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہ کیوں آپ پر قرآنی آیات میں الہام ہوئے خصوصًا ان آیات میں جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں وارد ہوئیں۔ لکھتے ہیں:

"فریق دوم کی استدلال کا ماحصل یہ ہے۔ کہ مؤلف براہین احمدیہ نے اپنے آپ:

بہت سی آیاتِ قرآن کا جو حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم و آدم و عیسےٰ و ابراہیم علیہم السّلام کے خطاب میں وارد ہیں مخاطب و مورد نزول ٹھہرایا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کے جواب دو ہیں۔ اول یہ کہ مؤلف براہین احمدیہ نے ہرگز یہ دعوےٰ نہیں کیا کہ قرآن میں ان آیات کا مورد نزول و مخاطب میں ہوں۔ اور جو کچھ قرآن یا پہلی کتابوں میں محمد رسول اللہ صلعم و عیسیٰ و ابراہیم و آدم علیہم السّلام کے خطاب میں خدا نے فرمایا ہے۔ اس سے میرا خطاب مراد ہے۔ اور نہ یہ دعوےٰ کیا ہے۔ کہ جو خصوصیات و کمالات ان انبیاء میں پائی جاتی ہیں۔ وہ مجھ میں پائی جاتی ہیں کلّا واللہ ثم باللہ ثم تاللہ۔ اس کتاب میں یا خارجًا مؤلف نے یہ دعاوی نہیں کئے۔ اور ان کو کامل یقین اور صاف اقرار ہے۔ کہ قرآن اور پہلی کتابوں میں ان آیات میں مخاطب و مراد وہی انبیاء ہیں۔ جن کی طرف ان میں خطاب ہے۔ اور ان کمالات کے محل وہی حضرات ہیں۔ جن کو خدا تعالےٰ نے ان کمال کا محل ٹھہرایا ہے۔ اپنے اوپر ان آیات کے الہام یا نزول کے دعوےٰ سے ان کی مراد (جس کو وہ صریح الفاظ سے ظاہر کر چکے ہیں۔ ہم اپنی طرف سے اختراع نہیں کرتے) یہ ہے۔ کہ جن الفاظ یا آیات سے خدا تعالےٰ نے قرآن یا پہلی کتابوں میں انبیاء علیہم السّلام کو مخاطب فرمایا ہے۔ ان ہی آیات یا الفاظ سے دوبارہ مجھے بھی شرفِ خطاب بخشا ہے۔ پر میرے خطاب میں ان الفاظ سے اور معانی مراد رکھے ہیں۔ جو معانیٔ مقصودہ قرآن اور پہلی کتابوں سے کچھ مغائرت اور کسی قدر مناسبت رکھتے ہیں۔ اور وہ معانی ان معانی کے اظلال و آثار ہیں"

(ریویو صـ۵۶، ۵۷)

اسی طرح لکھتے ہیں:۔

"قرآن میں تو وہ ان آیات کو ان ہی مواقع اور معانی سے مخصوص سمجھتے ہیں۔ جن سے وہ (قرآن یا پہلی کتابوں میں) مخصوص ہیں۔ اپنی شمولیت یا خصوصیت اور اپنے حال کے مناسب کوئی امر مراد خداوندی قرار دیتے ہیں۔ تو انہی الفاظِ آیات یا فقرات میں جو خدا تعالےٰ نے اس زمانہ میں ان کے خطاب و الہام میں فرمائے ہیں۔ جس کو بہ نظر و لحاظ ان کے مخاطب کے کوئی قرآن نہیں کہہ سکتا۔ اور نہ ان کے معانی و مراد کو جن کی مؤلف نے تشریح کی ہے۔ کوئی خاصۂ انبیاء سمجھتا ہے" صـ۷۶

پھر سکتے ہیں:- ایک کلام کو ایک ہی وقت میں مخاطب یا متکلم کے لحاظ سے قرآن اور غیر قرآن کہنا اہل علم کے نزدیک مستبعد و محل اعتراض نہیں ہے۔ اور کلام ہمیشہ مخاطب یا متکلم کے اختلاف سے (باوجودیکہ اس کے الفاظ کی صورت کچھ نہ بدلے) مختلف نام رکھواتا ہے کبھی ایک کلام جبکہ اس کا متکلم (مثلاً) خدا تعالےٰ کو ٹھہرایا جائے۔ کلام رحمانی کہلاتا ہے۔ کبھی وہی کلام جبکہ اس کا متکلم شیطان یا فرعون ٹھہرایا جائے شیطانی یا فرعونی کلام کہلاتا ہے۔ اس کی تمثیل میں ہم دو کلام قرآن سے پیش کرتے ہیں۔ قرآن میں ایک یہ کلام ابلیس سے منقول ہے۔ انا خیرٌ منہُ خلقتنی من نارٍ و خلقتہٗ من طین اور ایک یہ کلام فرعون سے انا ربکم الاعلیٰ۔ ان دونوں کو اگر یوں خیال کریں۔ کہ یہ ابلیس و فرعون کے کہے ہوئے ہیں۔ (خواہ کسی زبان میں انہوں نے کہے ہوں) تو یہ کلام شیطانی و فرعونی کہلاتے ہیں۔ اور اگر بعینہٖ ان دونوں کی نسبت یہ خیال کریں۔ کہ بہ ضمن حکایتِ ابلیس و فرعون یہ کلام خدا میں پائے گئے ہیں۔ تو یہ کلام رحمانی اور جزوِ قرآن کہلاتے ہیں۔ ایسا ہی اختلاف مخاطب کے سبب اختلافِ کلام کو سمجھنا چاہیئے۔ جو کلام خدا تعالےٰ نے آنحضرتؐ کے خطاب میں فرمایا ہے اور وُہ ایک کتاب (معروف) میں درج ہو کر مسلمانوں میں پڑھا جاتا ہے۔ وُہ قرآن کہلاتا ہے۔ وہی کلام اگر کسی غیر نبی کے خطاب میں اور پہلی کتاب (تورات۔ انجیل وغیرہ) میں یا کسی ولی کے الہام میں خدا نے فرمایا ہے۔ تو وُہ قرآن نہیں کہلاتا۔ گو حقیقت میں وہ بعینہٖ وہی کلام ہے جو قرآن میں پایا جاتا ہے۔" (صفحہ ۲۴۶ و ۲۴۷)

مولوی محمد حسین بٹالوی کی یہ گواہی بھی الفضل ما شہدت بہ الاعداء کے مطابق سید حبیب کے اعتراضات کو باطل کر رہی ہے۔

الہامات کی تشریح

اس تفصیل کے بعد اگرچہ ضرورت نہیں تھی۔ کہ سید حبیب کے پیش کردہ الہامات میں سے ہر الہام کے متعلق علیحدہ طور پر کچھ تشریح کی جاتی۔ تاہم اس خیال کے ماتحت کہ کہیں ان کی طرف سے یہ کہہ نہ دیا جائے۔ کہ الہامات کے متعلق صرف اصولی بحث کر دی گئی ہے۔ ہر الہام کی الگ الگ حقیقت واضح نہیں کی گئی۔ مختصراً چند امور بیان کئے جاتے ہیں:-

انت مدینۃ العلم

سب سے پہلے البشریٰ جلد دوم صفحہ ۱۸۱ سے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا الہام انت مدینۃ العلم پیش کیا گیا ہے۔ جس کے یہ معنے ہیں۔ کہ تو علم کا شہر ہے۔

اس الہام کی واقعیت سے انکار کرنا حقائق بینہ سے انکار کے مترادف ہے۔ کیونکہ آج کوئی بھی شخص جو مذہبی دُنیا کے حالات سے واقفیت رکھتا ہو۔ یہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے علمی دُنیا میں ایک تغیر عظیم پیدا کر دیا ہے۔

سلسلہ احمدیہ کے اشد ترین معاند مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے علمی تبحر کا براہین احمدیہ پر ریویو کرتے ہوئے جن الفاظ میں اعتراف کیا۔ اور پھر آپ کی وفات پر اخبار وکیل امرت سر نے جو کچھ لکھا۔ وہ اس الہام کی صداقت کا ایک ظاہری ثبوت ہیں۔ جو ہر شخص کو نظر آ سکتے ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ آپ کے مدینۃ العلم ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے۔ کہ آپ کے دامنِ پاک سے جس شخص کو بھی وابستہ ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ وہ علم وعقل کا مجسّمہ ہو گیا۔ اس کی نگاہ تیز ہو گئی۔ اس کا فہم بلند ہو گیا۔ اور اس کی دانائی میں اس قدر اضافہ ہو گیا۔ کہ غیر مذاہب کے بڑے بڑے علماء اس کے سامنے طفل مکتب کی حیثیت رکھنے لگے۔ اور وُہ بھی اس شہر کا جو تکمیل اشاعت ہدایت کے لئے بسایا گیا ہے۔ ایک دروازہ بن گیا۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں جس پر شواہد پیش کرنے کی ضرورت ہو۔ آج اللہ تعالےٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ کا بچہ بچہ اس حقیقت کا زندہ ثبوت ہے۔ اور مخالفین کے قلوب پر جماعت احمدیہ کی علمیت کی وُہ ہیبت ہے۔ کہ میدان مقابلہ میں کوئی مخالف کھڑے ہونے کی ہمت نہیں رکھتا۔ یہ دبدبہ یہ رعب یہ ہیبت اور یہ علمی اقتدار اسی مسیح موعود کی غلامی کا نتیجہ ہے۔ جسے خدا نے "مدینۃ العلم" کہا۔ اور جس کے علمی جواہر ریزوں سے آج ایک دنیا مستفید ہو رہی ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام خود فرماتے ہیں:-

"میں یقیناً کہتا ہوں۔ اگر کوئی شخص ایک ہفتہ ہماری صحبت میں رہے۔ اور اُسے ہماری تقریریں سننے کا موقعہ مل جائے۔ تو وُہ مشرق و مغرب کے مولویوں سے بڑھ جائے گا۔" (الحکم ۱۰۔ فروری ۱۹۰۲ء)

جاننے والے جانتے ہیں۔ کہ یہ الفاظ حقیقت کا جامہ پہنے ہوئے ہیں تصنع اور بناوٹ

دینے کا اعلان فرمایا۔ پھر توفی کے معنوں کے متعلق دعوےٰ کیا۔ کہ جب خدا فاعل ہو۔ اور مفعول کوئی ذی روح ہو۔ اور توفی کا لفظ بولا جائے۔ تو اس وقت سوائے قبض روح کے اور کوئی معنے نہیں ہو سکتے۔ آپ نے اعلان فرمایا۔ کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید۔ احادیث یا لغتِ عرب سے اس کے خلاف مثال پیش کرے۔ تو اسے ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائیگا۔ اسی طرح اپنی کتب کرامات الصادقین اور اعجاز احمدی وغیرہ کا جواب لکھنے والوں کے لئے انعامات مقرر کئے۔ مگر کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ کہ وہ ان حقائق و معارف کا رد کر سکے۔ یہ آپ کے مدینۃ العلم ہونے کا اگر ثبوت نہیں تو اور کیا ہے۔

احادیث کی گواہی

احادیث میں بھی آتا تھا۔ کہ امام مہدی جب آئے گا۔ تو کثرت سے مال بانٹے گا یعنی علوم روحانیہ سے لوگوں کو مالا مال کر دے گا۔ چنانچہ قرآن مجید نے حکمت اور دانائی کی باتوں پر خیر کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ من یؤتی الحکمۃ فقد اوتی خیرًا کثیرًا۔ اور خیر مال کو بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ یہ آیت ہے۔ انہ لحب الخیر لشدید۔ یا جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے۔ ان ترک خیرًا۔ پس احادیث میں بھی تبلایا گیا تھا۔ کہ مہدئ معہود کا علمی پایہ نہایت بلند ہوگا۔ اور وُہ لوگوں کو دینی علوم سے بہرہ ور کرے گا۔ اسی امر کی طرف الہام انت مدینۃ العلم میں اشارہ کیا گیا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کا بے مثال علمی تبحر

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے علمی تبحر کا اس امر سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے معارفِ قرآنی میں مقابلہ کرنے کی تمام مخالف علماء کو دعوت دی۔ مگر کوئی شخص اس کے لئے آمادہ نہ ہوا۔ آپ فرماتے ہیں :۔

”میں سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ اگر کوئی مولوی اس ملک کے تمام مولویوں میں سے معارفِ قرآنی میں مجھ سے مقابلہ کرنا چاہے۔ اور کسی سورت کی ایک تفسیر میں لکھوں۔ اور ایک کوئی اور مخالف لکھے۔ تو وُہ نہایت ذلیل ہوگا۔ اور مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ باوجود اصرار کے مولویوں نے اس طرف رُخ نہیں کیا۔“ (ضمیمہ انجام آتھم ص۵)

اسی طرح فرماتے ہیں :۔

”اگر کوئی مولوی عربی کی بلاغت فصاحت میں میری کتاب کا مقابلہ کرنا چاہیگا۔ تو وہ ذلیل

یا مبالغہ آرائی سے ان میں کام نہیں لیا گیا۔ اب بھی اگر کوئی شخص اس حقیقت کا علم حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تو وُہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی پر معارف کتب کو ایک دفعہ پڑھکر دیکھ لے۔ اگر وُہ مشرق و مغرب کے مخالفین اسلام کا ناطقہ بند نہ کر دے۔ تو جو جی میں آئے کہے۔

رُوحانی علوم کا حیرت انگیز انکشاف

الہام الہٰیؑ انت مدینۃ العلم ’’ کے ساتھ بعض اور الہامات بھی ہیں۔ جو اس امر پر روشنی ڈالتے ہیں۔ کہ ”مدینۃ العلم“ سے مراد یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو وہ روحانی علوم عطا فرمائے گئے ہیں۔ جن کے مقابلہ کی تاب کسی دشمن میں نہیں۔ وہ الہام یہ ہیں تنزیلٌ من اللہ العزیز الرحیم۔ بلجت آیاتی۔ ولن یجعل اللہ للکٰفرین علی المؤمنین سبیلا۔ انت مدینۃ العلم۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام ان الہامات کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

”یہ اس خدا کا کلام ہے۔ جو عزیز اور رحیم ہے۔ اور اگر کوئی کہے کہ کیونکر ہم جانیں کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ تو ان کے لئے یہ علامت ہے۔ کہ یہ کلام نشانوں کے ساتھ اترا ہے۔ اور خدا ہرگز کافروں کو یہ موقعہ نہیں دیگا۔ کہ مومنوں پر کوئی واقعی اعتراض کر سکیں۔ تو علم کا شہر ہے۔“ (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص۲۳)

اس سے ظاہر ہے۔ کہ انت مدینۃ العلم اور بعض دوسرے الہامات نازل کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو اللہ تعالےٰ نے یہ بتایا ہے۔ کہ تیرے پاس وہ علوم ہیں جن کے سامنے کوئی کافر لب کشائی کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اور اگر مومن ان علوم کو استعمال کرینگے۔ تو انھیں بھی کوئی مخالف شکست نہیں دے سکیگا۔ دُنیا جانتی ہے۔ کہ آج مذہبی مباحثات میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے بیان کردہ علوم سے ہی فتح حاصل ہوتی ہے۔ پس اس الہام کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں۔

لاجواب انعامی کتب

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے مدینۃ العلم ہونے کا یہ بھی ثبوت ہے۔ کہ آپ نے اپنی کئی کتب کا جواب لکھنے والوں کے لئے بڑے بڑے انعامات مقرر کئے مگر کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ کہ اس علم کے سمندر کے سامنے ٹھہر سکے۔ براہین احمدیہ جب آپ نے لکھی۔ تو اس وقت تمام غیر مذاہب والوں کو اس کے دلائل کا ابطال کرنے پر دس ہزار روپیہ انعام

ہوگا۔ . . . . اور اگر یہ نشان منظور نہ ہو۔ تو میرے مخالف کسی سورت قرآنی کی بالمقابل تفسیر بناویں۔ یعنی روبرو ایک جگہ بیٹھکر بطور فال قرآن شریف کھولا جائے۔ اور پہلی سات آیتیں جو نکلیں۔ ان کی تفسیر میں بھی عربی میں لکھوں اور میرا مخالف بھی لکھے۔ پھر اگر میں حقائق ومعارف کے بیان کرنے میں صریح غالب نہ رہوں۔ تو پھر بھی میں جھوٹا ہوں۔" (ضمیمہ انجام آتھم صنہ ۲)

یہ پرزور تحدیاں بھی آپ کے مدینۃ العلم ہونے کا ایک بین ثبوت ہیں۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے۔ کہ جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں اپنے متعلق فرمایا۔ کہ انا مدینۃ العلم۔ تو کوئی وجہ نہیں۔ کہ آپ کا بروز کامل مدینۃ العلم نہ ہوتا۔ اور اسے بھی خدا نہ فرماتا۔ کہ تو علم روحانی کا ایک شہر ہے۔

انا اعطینٰک الکوثر

دوسرا الہام البشریٰ جلد دوم صفحہ ۱۰۹ سے انا اعطینٰک الکوثر فصل لربک وانحر پیش کیا گیا ہے۔ اس کا ترجمہ براہین احمدیہ حصہ چہارم میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ کیا۔ کہ:۔ "ہم نے تجھکو معارفِ کثیرہ عطا فرمائے ہیں۔ سو اس کے شکر میں نماز پڑھ اور قربانی دے۔" (صنہ ۵۱۷ حاشیہ)

انجام آتھم صفحہ ۵۸ پر بھی اس الہام کو درج کر کے حضور نے اس کا یہ ترجمہ کیا۔ کہ:۔

"ہم نے تجھے بہت سے حقائق اور معارف اور برکات بخشے ہیں اور ذریت نیک عطا کی ہے سو خدا کے لئے نماز پڑھ اور قربانی کر۔"

مولوی محمد حسین بٹالوی نے بھی لکھا۔ کہ:۔

"آیت نمبر ۲ کا مخاطب قرآن میں تو وہ آنحضرتؐ ہی کو سمجھتے ہیں۔ اور کوثر سے اس آیت میں حوض کوثر میدان محشر (جس کا آنحضرت کو وعدہ دیا گیا ہے۔ اور یہ وعدہ آنحضرت کے سوا کسی نبی کو بھی نہیں دیا گیا۔ چہ جائے ولی) مرادِ خداوندی سمجھتے ہیں۔ اور جب انہی الفاظ سے خدا تعالیٰ نے ان کو مخاطب فرمایا۔ تو ان میں (نہ آیتِ قرآن میں) وہ اپنے آپ کو مخاطب سمجھکر کوثر سے وہ معارفِ کثیرہ (جو خدا نے ان کو عطا فرمائے ہیں) مرادِ خداوندی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ بصفحہ ۵۱۷ کتاب۔ ان الفاظ ملہمہ کا ترجمہ وہ ان الفاظ سے کرتے ہیں۔ "ہم نے تجھے معارف کثیرہ عطا فرمائے ہیں۔ سو اس کے شکر میں نماز پڑھ اور قربانی دے۔" (ریویو صنہ...)

لیکن "نزول المسیح" میں اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:۔

"ہم تجھے بہت سے ارادت مند عطا کریںگے۔ اور ایک کثیر جماعت تجھے دی جائیگی۔" (صنہ ۱۳۱)

پس کوثر سے خواہ معارف وحقائق سمجھ لو یا ارادت مندوں کی کثرت۔ دونوں اعتبار سے اس الہام پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

ما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین

تیسرا الہام انجام آتھم صفحہ ۸۰ سے یہ پیش کیا گیا ہے۔ "ما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین" اس الہام کا بھی اگر وہ ترجمہ دیکھا جائے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا ہے۔ تو وساوس کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

"میں نے تجھے اس لئے بھیجا ہے۔ کہ تا رب لوگوں کے لئے رحمت کا سامان پیش کروں۔" (براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۵۰۶)

اور اس میں شبہ ہی کیا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کا ہر مامور دنیا کے لئے رحمت کا باعث ہوا کرتا ہے۔ سید عبد القادر صاحب جیلانی فتوح الغیب مقالہ نمبر ۱۴ میں فرماتے ہیں:۔

"بھم ثبات الارض والسماء وقرار الموتیٰ والاحیاء اذ جعلھم ملیکھم اوتادا للارض التی دحیٰ" یعنی زمین وآسمان کا ثبات واصلاح حق کے طفیل ہی ہے۔ اسی طرح مُردوں اور زندوں کا قرار بھی انہی کی برکت سے ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے ان کو زمین کے لئے بمنزلہ میخوں کے بنایا ہے۔

اسی طرح لکھتے ہیں۔ کہ اگر تو فانی لوگوں میں داخل ہو جائے۔ تو:۔

"بک تنکشف الکروب وبک تسقی الغیوث وبک تنبت الزروع وبک تدفع البلایا والمحن عن الخاص والعام واھل الثغور والراعی والرعایا والائمۃ والامۃ وسائر البرایا فتکون شحنۃ البلاد والعباد" (مقالہ نمبر ۴) یعنی تیری برکت سے لوگوں کی تکالیف دور کی جائیں گی۔ تیری وجہ سے بارشیں برسائی جائیں گی۔ تیری وجہ سے کھیتیاں اگائی جائیں گی۔ اور تیری وجہ سے عوام وخواص۔ اہل سرحد۔ والیانِ ملک۔ رعایا ائمہ پیشوا اور تمام مخلوق سے مصیبتیں دور کی جائیں گی۔ گویا تو شہروں اور لوگوں کا محافظ ہوگا۔ اسی طرح لکھا:۔

"بھم تمطر السماء وتنبت الارض" "ھم شحن البلاد والعباد بھم

یدفع البلاء عن الخلق وبھم یمطرون وبھم یمطر اللہ السماء وبھم تنبت الارض "(الفتح الربانی والفیض الرحمانی کلام الشیخ عبد القادر جیلانی مجلس ۶۲ صفحہ ۱۴)
یعنی پاک لوگوں کی برکت سے ہی آسمان مینہ برساتا اور زمین سبزی اُگاتی ہے یہ لوگ بلاد و عباد کے محافظ ہوتے ہیں۔ اور انہی کی برکت سے خلقت کی مصیبتیں ہٹائی جاتی ہیں۔

حضرت مجدد صاحب الف ثانی نے بھی اپنے مکتوبات کی جلد ۲ مکتوب ۹۲ میں اور خواجہ محمدؐ معصوم رحمۃ اللہ علیہ فرزند و جانشین حضرت مجدد صاحب الف ثانی نے اپنے مکتوب نمبر ۸۶ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی فرماتے ہیں:۔

"تمام امور مقبولوں کے ہی اثر وجود سے ہوتے ہیں۔ اور ان کے انفاس پاک سے اور ان کی برکات سے یہ جہان آباد ہو رہا ہے۔ انہی کی برکت سے بارشیں ہوتی ہیں۔ اور انہی کی برکت سے دُنیا میں امن رہتا ہے۔ اور وبائیں دُور ہوتی ہیں۔ اور فساد مٹائے جاتے ہیں۔ اور انہیں کی برکت سے دُنیا دار لوگ اپنی تدابیر میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اور انہی کی برکت سے چاند نکلتا ہے۔ اور سورج چمکتا ہے۔ وُہ دنیا کے نور ہیں۔ جب تک وُہ اپنے وجود نوعی کے لحاظ سے دنیا میں ہیں۔ دُنیا منور ہے۔ اور ان کے وجود نوعی کے خاتمہ کے ساتھ ہی دُنیا کا خاتمہ ہو جائیگا۔ کیونکہ حقیقی آفتاب و ماہتاب دُنیا کے وہی ہیں۔ بنی آدم کی مرادات بلکہ زندگی کا مدار وہی لوگ ہیں۔ اور بنی آدم کیا ہر ایک مخلوق کے ثبات اور قیام کا مدار اور مناط وہی ہیں۔ اگر وُہ نہ ہوں۔ تو پھر دیکھو۔ کہ بتوں سے کیا حاصل ہے۔ اور تدبیروں سے کیا حاصل۔ یہ ایک نہایت باریک بھید ہے۔ جس کے سمجھنے کے لئے صرف اس دنیا کی عقل کافی نہیں۔ بلکہ وُہ نور درکار ہے۔ جو عارفوں کو ملتا ہے" (آسمانی فیصلہ صفحہ ۱۸ و ۱۹)

پس اس اعتبار سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالےٰ نے رحمۃ للعالمین قرار دیا۔ اور اسی کی طرف آپ نے ان اشعار میں بھی اشارہ فرمایا ہے کہ

؎ صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے۔
ہیں درندے ہر طرف میں عاقبت کا ہوں حصار
پشتیٔ دیوار دیں اور مامنِ اسلام ہوں
نارسا ہے دستِ دشمن تا بفرقِ ایں جدار

مسیح موعودؑ کا رحمۃ للعالمین ہونا ایسا واضح امر ہے۔ کہ متقدمین نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ السید الشریف محمد بن رسول الحسینی البرزنجی ثم المدنی اپنی کتاب الاشاعۃ لاشراط الساعۃ مطبوعہ مصر میں لکھتے ہیں:۔

المھدی رحمۃ اللہ کما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال تعالےٰ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین والمھدی یقفو اثرہ لا یخطیٔ فلا بُدّ ان یکون رحمۃ۔ یعنی مہدی علیہ السلام اللہ تعالےٰ کی ایک رحمت ہونگے۔ جیسا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم تھے۔ اللہ تعالےٰ نے چونکہ آپ کے حق میں یہ فرمایا ہے۔ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔ اور مہدی علیہ السلام رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلینگے۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ وُہ بھی رحمۃ للعالمین ہوں۔ (صفحہ ۱۶۸ و صفحہ ۱۶۹)

پھر تعجب ہے۔ مسیح اوّل کے متعلق تو اللہ تعالےٰ نے یہ فرما دیا۔ کہ ولنجعلہٗ آیۃً للناس ورحمۃً منا۔ یعنی ہم نے مسیح کو ایک آیت اور رحمت بنا کر بھیجا۔ مگر مسیح ثانی جو محمدیت کے انوار و برکات کا حامل ہے۔ اور مسیح اوّل سے اپنی تمام شان میں بڑھکر ہے اور صرف رسولًا الیٰ بنی اسرائیل ہی نہیں۔ بلکہ تمام جہان کی طرف اس کی بعثت ہے اس کے متعلق مخالفین یہ پسند نہیں کر سکتے۔ کہ اسے اہل جہان کے لئے رحمت قرار دیا جائے۔ یہ کیسی مضحکہ انگیز بات ہے۔

داعیًا الی اللہ وسراجًا منیرًا

چوتھے نمبر پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام داعیًا الی اللہ وسراجًا منیرا پیش کیا گیا ہے۔ مکمل الہام اس طرح ہے۔ اصحاب الصفہ وما ادراک ما اصحاب الصفہ ترٰی اعینھم تفیض من الدمع یصلون علیک۔ ربنا اننا سمعنا منادیًا ینادی للایمان وداعیًا الی اللہ وسراجًا منیرا۔ املو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نزول المسیح میں اس کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"صفہ کے دوست اور تو کیا جانتا ہے۔ کہ کیا ہیں صفہ کے دوست۔ تو ان کی آنکھوں کو دیکھیگا۔ کہ ان سے آنسو جاری ہیں۔ تیرے پر درود بھیجیں گے۔ یہ کہتے ہوئے کہ اے ہمارے خدا ہم نے ایک آواز دینے والے کی آواز کو سُنا۔ جو کہتا تھا کہ اپنے ایمان

کو درست کرو۔ اور قوی کرو۔ اور وُہ خدا کی طرف بلاتا تھا۔ اور شرک سے دُور کرتا تھا۔ اور وُہ ایک چراغ تھا زمین پر روشنی پھیلانے والا۔ (لکھ لو)" صفحہ ۱۲۴

اس کے بعد فرماتے ہیں:۔

"یہ پیشگوئی جس زمانہ میں براہین احمدیہ میں شائع کی گئی۔ اس وقت نہ کوئی صفہ تھا۔ نہ اصحاب الصفہ۔ پھر بعد اس کے جو مخلصین قادیان میں ہجرت کر کے آئے۔ ان کے لئے صفے اور مہمان خانے تیار کئے گئے۔ دیکھو یہ کس قدر عظیم الشان پیشگوئی ہے۔ کہ اس زمانہ میں یہ باتیں تبلائی گئیں۔ جبکہ کسی کو اس طرف خیال بھی نہیں آسکتا تھا۔ کہ ایسا وقت بھی آئے گا۔ کہ قادیان میں ایسے مخلص جمع ہونگے۔ اور ان کے لئے صفے تیار کئے جائیں گے۔"

اس تشریح سے ظاہر ہے۔ کہ داعیًا الی اللہ وسراجًا منیرًا میں رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے ہمسری کا دعوےٰ نہیں کیا گیا۔ بلکہ اُسے اصحاب الصفہ کی دعا کا ایک جزو قرار دیا گیا ہے۔ یعنی مخلصین جماعت روتے ہوئے اللہ تعالےٰ کے حضور گر جائینگے۔ اور کہینگے اے خدا ہم نے ایک منادی کو سُنا۔ جو کہتا تھا۔ کہ اپنے ایمانوں کو درست کرو۔ وُہ خدا کی طرف ہمیں بلاتا تھا۔ وہ ظلمتکدۂ عالم میں ایک روشن چراغ تھا۔ ہم نے اُسے دیکھا اور اس کے پیچھے چل پڑے۔

کیا اس تشریح کے ہوتے ہوئے کوئی شخص اس الہام کو قابل اعتراض قرار دے سکتا ہے اگر ایک مخالف حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو داعی الی اللہ، یا سراج منیر نہیں مانتا تو وہ معذور ہے۔ اس نے کب حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی شان کو پہچانا۔ کب اسے یہ سعادت نصیب ہوئی۔ کہ وُہ آپ کے دامنِ پاک سے وابستہ ہو۔ داعی الی اللہ اور سراج منیر سمجھنے والے تو جماعت احمدیہ کے افراد ہیں۔ وُہ افراد جو اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو داعی الی اللہ اور سراج منیر کہتے رہیں گے۔ اور اسی اعتراف حقیقت پر قائم رہ کر انشاء اللہ وُہ اپنی جان جان آفریں کے سپرد کرینگے۔ اگر ہمارے اس عقیدہ سے مخالفین کو تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ تو ہُوا کرے۔ ہم بندوں کی محبت کے لئے خدا اور اس کے انبیاء کو چھوڑنے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔

مَا ینطقُ عَنِ الھَویٰ اِنْ ھُوَ اِلّا وحیٌ یوحیٰ

پانچویں نمبر پر اربعین ۳ کے صفحہ ۳۶ سے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے مندرجہ ذیل دو الہام نقل کئے گئے ہیں۔

۱۔ ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الّا وحیٌ یوحیٰ۔

۲۔ دنیٰ فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔

الہام اول کو جو لوگ قابل اعتراض ٹھہراتے ہیں۔ انہیں اس حدیث قدسی پر غور کرنا چاہئیے کہ مایزالُ عبدی یتقرب الی بالنوافل حتّٰی احبّہ فاذا احببتُہٗ کنت سمعہ الذی یسمع بہٖ و بصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا (بخاری کتاب الرقاق باب التواضع جلد ۴) یعنی نوافل کے ذریعہ میرا بندہ جب میرے قرب کو حاصل کر لیتا ہے۔ تو میں اس سے یہاں تک محبت کرتا ہوں۔ کہ اس کے کان بن جاتا ہوں۔ جن سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں۔ جن سے وُہ دیکھتا ہے۔ اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں۔ جن سے وُہ پکڑتا ہے۔ اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں۔ جن سے وُہ چلتا ہے۔ اسی انتہائی تقرب باری تعالےٰ کا ما ینطق عن الھوی ان ھو الّا وحیٌ یوحیٰ میں اظہار کیا گیا ہے۔ گویا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو اللہ تعالےٰ کا یہاں تک قرب حاصل ہوا۔ کہ آپ کی زبان بھی اسی طرح خدا کی زبان بن گئی۔ جیسا کہ خدا اپنے مقربین کے کان۔ آنکھ۔ ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہے۔

ایک روائت میں ولسانہ الذی یتکلم بہ بھی آتا ہے۔ یعنی خدا اپنے مقربین کی زبان بن جاتا ہے۔ جن سے وہ بولتے ہیں (ملاحظہ ہو کتاب صراط مستقیم مصنفہ مولٰنا اسمٰعیل صاحب شہید صفحہ ۱۳۱ و ۱۴۰)

مولوی عبد الحق صاحب محدث دہلوی بھی لکھتے ہیں:۔

"عارف کے ہاتھ خدا کے ہاتھ اور اس کی زبان خدا کی زبان اور اس کی آنکھ خدا کی آنکھ ہو جاتی ہے۔ (اور خدا تعالےٰ درحقیقت ان اعضاء سے پاک ہے) چنانچہ اس حدیث میں فکنت سمعہ الذی یسمع بہٖ اسی طرف اشارہ ہے۔ اور اسی مرتبہ میں وحدت وجود کا راز کھلتا ہے۔ گرچہ خدائے پاک اپنی ذات اور صفات میں جمیع کائنات سے الگ اور ممتاز ہے۔ کوئی ممکن واجب نہیں ہو سکتا۔ لیکن عارف پر وجوب کا ایک ایسا پر تو پڑتا ہے

کہ اس کے آثار اس میں ظہور کرنے لگتے ہیں۔ تب اس کا تصرف عالم میں ہونے لگتا ہے اور وہ شخص فنا فی اللہ اور باقی باللہ ہو جاتا ہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

پس یہ انسان کا کمالِ انتہائی ہے۔ سو یہ مرتبہ خاص انبیاء علیہم السّلام کو اور اُن سے کچھ اتر کر ان کے متبعین اولیاء کرام کو نصیب ہوتا ہے۔" (مقدمہ تفسیر حقانی صہ ۱۲)

حضرت فریدالدین صاحب عطار بھی فرماتے ہیں:۔

"جو شخص حق میں محو ہو جاتا ہے۔ وہ حقیقت میں سرتاپا حق ہی ہوتا ہے۔ اور اگر وہ آدمی خود نہ رہے۔ اور سب حق کو ہی دیکھے۔ تو یہ عجیب نہیں ہوتا۔" (تذکرۃ الاولیاء صہ ۱۴۹ تذکرہ بایزید بسطامی)

مولانا روم بھی فرماتے ہیں:۔

"گفتہ او گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

پس چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو اللہ تعالےٰ کا انتہائی قرب حاصل تھا۔ خدا تعالےٰ نے آیت کریمہ ماینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحیٌ یوحیٰ آپ کی شان میں بھی نازل فرمادی۔ اور بتا دیا۔ کہ آپ کے کسی فعل میں اپنے نفس کا دخل نہیں۔ خدا تعالےٰ کے بلائے بولتے۔ اور اسی کے کہے پر ہمیشہ عمل کرتے ہیں۔

دَنیٰ فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنیٰ

دوسرا الہام دنیٰ فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنیٰ ہے۔ اس کا ترجمہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اربعین میں یہ کیا ہے۔ کہ:۔

"یہ خدا کے قریب ہوا۔ یعنی اوپر کی طرف گیا۔ اور پھر نیچے کی طرف تبلیغِ حق کے لئے جھکا۔ اس لئے یہ دو قوسوں کے وسط میں آ گیا۔ اوپر خدا اور نیچے مخلوق" (ار ۳ صہ ۳)

اس نکتہ عظیمہ پر جس کا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے نہایت مختصر الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ غور کرنے سے اگرچہ اعتراض کی لغویت عیاں ہو جاتی ہے۔ مگر دو حوالجات بھی پیش کئے جاتے ہیں:۔

مولانا عبدالعلی صاحب مثنوی مولانا روم کے ایک شعر کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

"ایک مقام فنائے صفات کا ہے۔ جو حدیث قرب نوافل میں بیان ہوا ہے۔ کہ خدا بندے کا کان آنکھ ہو جاتا ہے۔ اور دوسرا مقام فنائے ذات ہے۔ اور تیسرا مقام جمع الجمع و قاب قوسین اور مقام کمال ہے۔" (مثنوی دفتر ۲ حاشیہ صہ ۷۷)

حضرت خواجہ معین الدین صاحب چشتی بھی فرماتے ہیں ؎

ازیں حقیقت دنادت چہ بگذری شاید   کہ تا دنیٰ فتدلّٰی صعودِ خود بینی

(دیوانِ معین صہ ۷۸ ردیف الیاء)

معترضین کی کج فہمی

پس جبکہ علماء امت میں یہ تسلیم کیا جا چکا ہے۔ کہ مقام فنا کا ایک درجہ قاب قوسین بھی ہے۔ تو اسی حقیقت اور الطاف الٰہیہ کے اظہار کے لئے اگر خدا تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو دنیٰ فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنیٰ والی آیت قرآنی سے مخاطب فرما لیا۔ تو سید حبیب یا دوسرے معترضین کو اس سے کیا تکلیف ہوئی کہ وہ اپنی قوت برداشت کو کھو بیٹھے۔ اور روحانی کوچہ سے ناآشنا ہوتے ہوئے واصلانِ حق پر معترض ہونے کی انہیں جرأت ہو گئی۔ کیا اس کا باعث وہی امر تو نہیں۔ جو انہوں نے ابتدائی اقساط میں بایں الفاظ بیان کیا تھا۔ کہ

"ہم ہر معاملہ میں زبان کو قابو میں رکھنا اور اس کو لگام دینا جانتے ہیں۔ مگر مذہب اور اس کے مسائل ہمارے لئے گویا بازیچۂ اطفال ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔"

(تحریک قادیان صہ ۴۷)

حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئیوں پر مخالفین سلسلہ کے اعتراضات کا جواب

اِذَا رَاَوْا آیَۃً یَّسْتَسْخِرُوْنَ وَقَالُوْا اِنْ ھٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۲۳/۵

ایک اصولی غلطی کا اظہار

الہامات کے بعد سید حبیب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی پیشگوئیوں پر بحث کی ہے۔ اور چونکہ ان کے معلومات کا تمام تر انحصار مخالفین سلسلہ کی کتب پر ہے۔ اس لئے اوّل سے آخر تک انہوں نے کسی پیشگوئی کے متعلق احمدیت کا نقطۂ نگاہ پیش نہیں کیا۔ حالانکہ جب وُہ ایک ایسے مضمون پر بحث کر رہے تھے۔ جو نہایت ہی معرکۃ الآرا ہے۔ اور جبکہ ان کا دعوےٰ تھا۔ کہ "مرزا صاحب کے ادعائے نبوت کے خلاف میری پندرھویں دلیل یہ ہے۔ کہ ان کی اکثر پیشگوئیاں غلط ثابت ہوئیں" (تحریک قادیان ص۱۱۳) تو ان کا فرض تھا۔ کہ وہ موافق و مخالف دونوں نظریئے پیش کرتے۔ اور دونوں پر رائے زنی کر کے پبلک کے سامنے ایک نتیجہ پیش کرتے۔ تا معقول پسند طبائع کو موازنہ کرنے کا موقعہ ملتا۔ اور وُہ معلوم کر سکتے۔ کہ صداقت کس طرف ہے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ صریحًا اس طریق سے انحراف کرتے ہوئے صرف تاریک پہلو لوگوں کے سامنے پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

"اکثر" پیشگوئیوں کے غلط ہونے کا بے بنیاد اعتراض

سیّد حبیب کی اس اصولی غلطی کے اظہار کے بعد ان کی ایک اور شدید غلطی کا اظہار کر دینا بھی بے موقعہ نہیں ہوگا۔ اور وُہ یہ کہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی پیشگوئیوں کے متعلق اظہار خیالات کرتے ہوئے یہ دعوےٰ کیا ہے۔ کہ ان میں سے "اکثر" غلط ثابت ہوئیں۔ میں نہیں سمجھ سکتا۔ سیّد حبیب کثرت و قلت کو

موازنہ نہ کر سکتے ہوں۔ ایک بچہ بھی جسے ابتدائی درسی تعلیم دی گئی ہو۔ جانتا ہے۔ کہ "اکثر" ہمیشہ ایسے موقع پر استعمال کرنا چاہیئے۔ جب بالمقابل قلیل یا اقل کا لفظ اطلاق پا سکتا ہو۔ مگر کیا وُہ دیانتداری کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی "اکثر" پیشگوئیوں پر غلط ہونے کا لفظ اطلاق پا سکتا ہے انہوں نے اس بحث میں مندرجہ ذیل پیشگوئیوں پر بحث کی ہے۔

اول۔ بشیر اول کی وفات۔ دوم۔ آتھم کا انجام۔ سوم۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کا قادیان آنا۔ چہارم۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ۔ پنجم۔ ڈاکٹر عبد الحکیم کی پیشگوئی۔ ششم۔ قادیان میں طاعون۔ ہفتم۔ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات۔ ہشتم۔ حضرت مسیح موعودؑ کی عمر۔ نہم۔ پیشگوئی متعلقہ مرزا احمد بیگ وغیرہ۔

اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی یہ ۹ پیشگوئیاں نعوذ باللہ غلط ثابت ہوئیں۔ تب بھی یہ کہنا درست نہیں ہو سکتا۔ کہ آپ کی "اکثر" پیشگوئیاں غلط ثابت ہوئیں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی پیشگوئیوں کی تعداد صرف دس بیس نہیں۔ بلکہ ہزاروں سے بھی متجاوز ہے۔ پھر جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی ہزاروں پیشگوئیاں پوری ہو چکیں۔ یا ہماری طرف سے ان کے پورا ہونے کا دعوےٰ کیا جاتا ہے۔ اور مخالفین بھی ان کے متعلق سوائے خاموش رہنے کے اور کوئی چارہ نہیں پاتے۔ تو سیّد حبیب اگر کہہ سکتے تھے۔ تو یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی اکثر پیشگوئیاں پوری ہوئیں۔ تھوڑی ایسی ہیں۔ جو قابلِ اعتراض سمجھی جاتی ہیں۔ مگر انہوں نے دیدہ دانستہ "اقل" کو "اکثر" بنا لیا۔ اور ان ہزاروں پیشگوئیوں کا جو دُنیا میں پوری ہو چکی ہیں۔ ذکر تک نہیں کیا۔ یہ دوسری افسوسناک غلطی ہے۔ جو اس ضمن میں ان سے سرزد ہوئی۔

دشمنانِ انبیاء کا پیشگوئیوں کے متعلق طریقِ عمل

سیّد حبیب کو اگر کبھی قرآن مجید پر تدبر کرنے کا موقعہ ملا ہوتا۔ تو وُہ سمجھ سکتے۔ کہ اکثر پیشگوئیوں کے غلط ہونے کا اعتراض تمام انبیاء پر ہوتا رہا۔ بلکہ رسُولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالےٰ نے اگرچہ چمکتے ہوئے نشانات اور براہین کے ساتھ بھیجا۔ اور زمین و آسمان کو آپ کی تائید میں کھڑا کر دیا۔ مگر مخالف یہی کہتے رہے۔ لولا انزل علیہ

آیۃ من ربہ (الانعام ع) اس رسول کی کوئی پیشگوئی تو سچی نکلتی۔ اس کا تو ایک الہام بھی پورا نہ ہوا۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وما تأتیھم من آیۃٍ من آیٰت ربھم الا کانوا عنھا معرضین (پ۲) ان لوگوں کے پاس خدا تعالےٰ کی کوئی نشانی نہیں آتی۔ مگر یہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ واذا جاءتھم آیۃ قالوا لن نؤمن حتی نؤتیٰ مثل ما اوتی رسل اللہ (انعام) خدا کی جب بھی کوئی پیشگوئی پوری ہو۔ مخالف کہدیتے ہیں۔ ہم تو اسے نہیں مانتے۔ اللہ تعالےٰ کے رسولوں جیسی پیشگوئی ہو۔ تو مانیں۔ یہ تو ویسی نہیں۔ واذا راٰوا آیۃً یستسخرون وقالوا ان ھذا الا سحرٌ مبین (پ۲۳) مخالف جب بھی کوئی نشان دیکھتے ہیں تمسخر و استہزاء کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ یہ تو جھوٹ ہے۔ ولقد انزلنا الیک آیاتٍ بینات وما یکفر بھا الا الفاسقون ہم نے تیرے لئے کھلے کھلے نشانات نازل فرمائے۔ مگر فاسق لوگ ان کا انکار ہی کرتے چلے جاتے ہیں۔ وان یروا آیۃً یعرضوا ویقولوا سحرٌ مستمر۔ جب بھی مخالف نشان دیکھتے ہیں۔ منہ پھیرتے ہوئے کہدیتے ہیں۔ جھوٹ اور افترا ہے۔

نشاناتِ الٰہیہ کی کثرت

قرآن مجید کی یہ آیات اس حقیقت کو نہایت وضاحت سے مبرہن کرتی ہیں۔ کہ مخالفین حق کا یہ شیوہ ہے۔ کہ وہ الہاماتِ کی تکذیب کرتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ کہ کوئی پیشگوئی سچی نہیں نکلی۔ یہی حال سیّد حبیب کا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ذریعہ اللہ تعالےٰ کے نشانات یوں برسے۔ جیسے موسلا دھار مینہ۔ مگر ان کے نزدیک ابھی کوئی نشان پورا نہیں ہوا۔ خدا تعالےٰ کا کلام اتنی شوکت و عظمت سے پورا ہوا۔ کہ گویا خدا آسمان سے آپ اتر آیا۔ مگر ان کے نزدیک کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام مخالفین کی اسی افسوسناک ذہنیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"خدا نے میرے لئے وہ نشان دکھائے۔ کہ اگر وہ ان امتوں کے وقت نشان دکھلائے جاتے۔ جو پانی اور آگ اور ہوا سے ہلاک کی گئیں۔ تو وہ ہلاک نہ ہوتیں۔ مگر اس زمانہ کے لوگوں کو میں کس سے تشبیہ دوں۔ وہ اس بدقسمت کی طرح ہیں۔ جس کی آنکھیں بھی ہیں پر دیکھتا نہیں۔ اور کان بھی ہیں پر سنتا نہیں۔ اور عقل بھی ہے پر سمجھتا نہیں۔ میں ان کے لئے روتا ہوں۔ اور وہ مجھ پر ہنستے ہیں۔ اور میں ان کو زندگانی کا پانی دیتا

ہوں اور وہ مجھ پر آگ برساتے ہیں" (اشتہار دعوتِ حق مشمولہ حقیقۃ الوحی صہ)

اسی طرح فرماتے ہیں:۔

"میں دعوے سے کہتا ہوں۔ کہ ہزارہا میری ایسی پیشگوئیاں ہیں۔ جو نہایت صفائی سے پوری ہو گئیں۔ جن کے لاکھوں انسان گواہ ہیں۔ ان کی نظیر اگر گذشتہ نبیوں میں تلاش کی جائے۔ تو بجز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی اور جگہ ان کی مثل نہیں ملے گی۔ اگر میرے مخالف اسی طریق سے فیصلہ کرتے۔ تو کبھی سے ان کی آنکھیں کھل جاتیں" (کشتی نوح ص۶)

پھر فرماتے ہیں:۔

"یہ لوگ خدا کے الزام کے نیچے ہیں۔ کہ حمایت کا دعوےٰ کر کے جب آسمان سے ستارہ نکلا تو سب سے پہلے منکر ہو گئے۔ اب وہ اس خدا کو کیا جواب دینگے۔ جس نے عین وقت پر مجھے بھیجا ہے۔ مگر ان کو تو کچھ پرواہ نہیں۔ آفتاب دوپہر کے نزدیک آگیا۔ ابھی ان کے نزدیک رات ہے۔ خدا کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ مگر ابھی وہ بیابان میں رو رہے ہیں۔ اس کے آسمانی علوم کا ایک دریا چل رہا ہے۔ لیکن ان لوگوں کو کچھ بھی خبر نہیں۔ اس کے نشان ظاہر ہو رہے ہیں لیکن یہ لوگ بالکل غافل ہیں۔ اور نہ صرف غافل بلکہ خدا کے سلسلہ سے دشمنی رکھتے ہیں۔ پس یہی حمایت اسلام اور ترویج اسلام اور تعلیم اسلام ہے۔ جو ان کے ہاتھوں سے ہو رہی ہے۔ مگر کیا یہ لوگ اپنی روگردانی سے خدا کے سچے ارادہ کو روک دینگے۔ جو ابتدا سے تمام نبی اس پر گواہی دیتے آئے ہیں۔ نہیں۔ بلکہ خدا کی یہ پیشگوئی عنقریب سچی ہونیوالی ہے۔ کہ کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی" (کشتی نوح ص۳)

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا اقرار

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی ان تحریرات سے جن میں خدا تعالےٰ کی ان ہزاروں پیشگوئیوں کے پورا ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جن کا آپ نے اپنی کئی کتب میں مفصل ذکر فرمایا۔ پتہ چلتا ہے۔ کہ یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی اکثر پیشگوئیاں غلط ثابت ہوئیں۔ اس کی تردید تو ایک زمانہ میں مولوی محمد حسین بٹالوی بھی ان الفاظ میں کر چکا ہے۔ کہ:۔

"شیطانی القاء اکثر جھوٹے نکلتے ہیں اور الہاماتِ مؤلف براہین سے ہنوز ایک بھی جھوٹا نہیں ہوا۔

خواہ ہندی و عربی وغیرہ) آج تک ایک بھی جھوٹ نہیں نکلا۔ پھر وہ القاء شیطانی کیونکر ہو سکتا ہے" (ریویو صفحہ ۴۲) مگر چونکہ سیّد حبیب نے ایسی چند پیشگوئیاں پیش کی ہیں۔ جو ان کے زعم میں قابل اعتراض ہیں۔ اس لئے ان کی حقیقت بھی واضح کی جاتی ہے۔

بشیر اوّل کی پیدائش اور اس کی وفات کا ذکر

پہلی پیشگوئی جو قابل اعتراض قرار دی گئی ہے۔ وہ بشیر اول کی وفات ہے۔

سید حبیب لکھتے ہیں:۔ "۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو مرزا صاحب نے ایک اشتہار دیا۔ کہ اس غرض سے انہیں ایک نشانی ملی ہے۔ اور انہیں خداوند قدوس نے بشارت دی ہے۔ کہ ان کے ہاں ایک فرزندِ ارجمند پیدا ہو گا۔ جو وجیہ اور پاک اور زکی ہو گا۔ اس کا نام عنموائیل اور بشیر ہے۔ اس کو مقدس روح دی گئی ہے۔ وہ رجس سے پاک ہے۔ وہ نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔"

"مرزا صاحب نے اس پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ جب آپ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ تو اگست ۱۸۸۷ء کو اعلان کر دیا۔ کہ وہ لڑکا پیدا ہو چکا۔"

"مگر افسوس ہے۔ کہ خداوند قدیر کی قدرت غالب آئی۔ اور وہ لڑکا ۴ نومبر ۱۸۸۸ء کو سولہ ماہ کی عمر کے بعد فوت ہو گیا۔"

"اس پر جب ایک شور پیدا ہوا۔ تو مرزا صاحب نے اشتہار دیکر توجیہات پیش کیں۔ مگر وہ معتقدین کے لئے مفید ہوں۔ تو ہوں۔ آپ کے محولہ بالا اشتہار کے بعد میرے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ اس لئے کہ آپ نے خود اشتہار دے کر تسلیم کیا تھا۔ کہ یہی لڑکا وہ تھا جس کی خدا تعالےٰ نے انہیں بشارت دی تھی۔" (تحریک قادیان صفحہ ۱۱۶)

سیّد حبیب کا اعتراض

ان تاریخی غلطیوں سے قطع نظر کرتے ہوئے جن کا سیّد حبیب نے اس پیشگوئی پر بحث کرتے ہوئے اپنی کتاب میں اظہار کیا ہے۔ اور یہ سمجھتے ہوئے کہ سہو کتابت یا کسی معلومات اس کا باعث ہے۔ مندرجہ بالا اقتباسات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سیّد صاحب کو اس پیشگوئی میں جو امر قابل اعتراض نظر آیا۔ وہ یہ ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے "خود اشتہار دے کر تسلیم کیا تھا۔ کہ یہی لڑکا وہ تھا۔ جس کی خدا تعالےٰ نے انہیں بشارت دی تھی مگر خداوند قدیر کی قدرت غالب آئی۔ اور وہ لڑکا ۴ نومبر ۱۸۸۸ء کو سولہ ماہ کی عمر

کے بعد فوت ہو گیا" اگر سیّد حبیب کی اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا جائے۔ اور انہیں بتا دیا جائے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے کبھی بھی یہ تسلیم نہیں کیا۔ کہ یہی لڑکا وہ تھا جس کی خدا تعالےٰ نے انہیں بشارت دی تھی" تو ان کا اعتراض باطل ہو جائے گا۔

اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں مندرجہ الٰہی بشارات

واقعہ یہ ہے۔ کہ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اللہ تعالےٰ سے خبر پا کر ایک اشتہار شائع فرمایا۔ جس میں یہ الہامات درج فرمائے۔

"تجھے بشارت ہو۔ کہ ایک وجیہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائیگا۔ ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے۔ اس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔ اس کو مقدس روح دی گئی ہے۔ اور وہ رجس سے پاک ہے۔ اور وہ نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے" "اس کے ساتھ فضل ہے۔ جو اس کے آنے کے ساتھ آئیگا۔ وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہو گا۔ وہ دنیا میں آئے گا۔ اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے۔ کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اُسے کلمۂ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہو گا۔ اور دل کا حلیم اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا اور وہ تین کو چار کرنے والا ہو گا۔ دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الاوّل والآخر مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہو گا۔ نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالینگے۔ اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہو گا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا۔ اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہو گا۔ اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اُٹھایا جائے گا۔ وکان امراً مقضیّاً" (تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۵۹ و ۶۰)

پسر موعود کی پیدائش کی میعاد

اس کے بعد ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء کے اشتہار واجب الاظہار میں آپ نے لکھا۔ کہ

"ایسا لڑکا بموجب وعدۂ الٰہی ۹ برس کے عرصہ تک ضرور پیدا ہو گا۔ خواہ جلد ہو۔ خواہ دیر سے بہر حال اس عرصہ کے اندر پیدا ہو جائے گا۔"

نیز یہ بھی لکھا کہ :۔

"ابھی تک جو ۲۲۔ مارچ ۱۸۸۶ء ہے۔ ہمارے گھر میں کوئی لڑکا بجز پہلے دو لڑکوں کے جن کی عمر ۲۰۔ ۲۲ سال سے زیادہ ہے۔ پیدا نہیں ہوا۔" (تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۷۲)

منشی اندرمن مراد آبادی وغیرہ کی نکتہ چینی

اس اعلان پر منشی اندرمن مراد آبادی وغیرہ نے نکتہ چینی کی۔ اور کہا۔ کہ ۹ برس کی میعاد بہت لمبی ہے۔ جس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۸۔ اپریل ۱۸۸۶ء کو ایک اور اشتہار شائع کیا۔ جس میں لکھا۔

"واضح ہو۔ کہ اس خاکسار کے اشتہار ۲۲۔ مارچ ۱۸۸۶ء پر بعض صاحبوں نے جیسے منشی اندرمن صاحب مراد آبادی نے یہ نکتہ چینی کی ہے۔ کہ نو برس کی حد جو پسر موعود کے لئے بیان کی گئی ہے۔ یہ بڑی گنجائش کی جگہ ہے۔ ایسی لمبی میعاد تک تو کوئی نہ کوئی لڑکا پیدا ہو سکتا ہے۔ سو اول تو اس کے جواب میں یہ واضح ہو۔ کہ جن صفاتِ خاصہ کے ساتھ لڑکے کی بشارت دی گئی ہے۔ کسی لمبی میعاد سے گو نو برس سے بھی دو چند ہوتی۔ اس کی عظمت اور شان میں کچھ فرق نہیں آسکتا۔ بلکہ صریح دلی انصاف ہر ایک انسان کا شہادت دیتا ہے۔ کہ ایسے عالی درجہ کی خبر جو ایسے نامی اور اخص آدمی کے تولد پر مشتمل ہے انسانی طاقتوں سے بالاتر ہے۔ اور دعا کی قبولیت ہو کر ایسی خبر کا ملنا بے شک یہ بڑا بھاری آسمانی نشان ہے۔ نہ یہ کہ صرف پیشگوئی ہے۔"

"ماسوا اس کے اب بعد اشاعت مندرجہ بالا دوبارہ اس امر کے انکشاف کے لئے جناب الٰہی میں توجہ کی گئی تو آج آٹھ اپریل ۱۸۸۶ء میں اللہ جلشانہ کی طرف سے اس عاجز پر اس قدر کھل گیا۔ کہ ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والا ہے۔ جو ایک مدت حمل سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ غالباً ایک لڑکا ابھی ہونے والا ہے۔ یا بالضرور اس کے قریب حمل میں۔ لیکن یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ جو اب پیدا ہوگا۔ یہ وہی لڑکا ہے یا وہ کسی اور وقت میں نو برس کے عرصہ میں پیدا ہوگا۔ اور پھر بعد اس کے یہ بھی الہام ہوا۔ کہ انہوں نے کہا۔ کہ آنے والا یہی ہے۔ یا ہم دوسرے کی راہ تکیں۔" (تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۷۵ و ۷۶)

گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس اشتہار میں قطعاً یہ بیان نہیں کیا۔ کہ اب جو لڑکا پیدا ہوگا۔ وہی پسر موعود ہے۔ بلکہ لکھ دیا۔ کہ "یہ ظاہر نہیں کیا گیا۔ کہ جو

اب پیدا ہوگا۔ یہ وہی لڑکا ہے۔ یا وہ کسی اور وقت میں نو برس کے عرصہ میں پیدا ہوگا"

ایک لڑکے کی ولادت

آخر اس اشتہار کے مطابق ۷۔ اگست ۱۸۸۷ء کو آپ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اور آپ نے ایک اشتہار بعنوان "خوشخبری" شائع فرمایا۔ جس میں لکھا:۔

"اے ناظرین میں آپ کو بشارت دیتا ہوں۔ کہ وہ لڑکا جس کے تولد کے لئے میں نے اشتہار ۸۔ اپریل ۱۸۸۶ء میں پیشگوئی کی تھی۔ اور خدا تعالیٰ سے اطلاع پا کر اپنے کھلے کھلے بیان میں لکھا تھا۔ کہ اگر وہ حمل موجودہ میں پیدا نہ ہوا۔ تو دوسرے حمل میں جو اس کے قریب ہے۔ ضرور پیدا ہو جائے گا۔ آج ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۰۴ھ مطابق ۷ اگست ۱۸۸۷ء میں ۱۲ بجے رات کے بعد ڈیڑھ بجے کے قریب وہ مولود مسعود پیدا ہو گیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔" (تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۹۹)

اس اشتہار سے بھی ظاہر ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس لڑکے کو اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی کا مصداق قرار نہیں دیا۔ بلکہ اسے اشتہار ۸۔ اپریل ۱۸۸۶ء کا ظہور قرار دیا۔ اور اشتہار ۸۔ اپریل ۱۸۸۶ء میں واضح الفاظ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھ دیا تھا۔ کہ

"یہ ظاہر نہیں کیا گیا۔ کہ جو اب پیدا ہوگا۔ یہ وہی لڑکا ہے یا وہ کسی اور وقت میں نو برس کے عرصہ میں پیدا ہوگا۔" (تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۷۶)

بچہ کی وفات

یہ بچہ جس کا نام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بشیر احمد رکھا تھا۔ اپنی عمر کے سولھویں مہینہ میں ۴ نومبر ۱۸۸۸ء کو وفات پا گیا۔ اور مخالفین نے جھوٹ اور افترا پردازی سے کام لیتے ہوئے یہ شور مچانا شروع کر دیا۔ جیسا کہ سید حبیب نے اعتراض کیا ہے کہ پسر موعود جس کے متعلق بڑے بڑے الہامات شائع کئے تھے۔ فوت ہو گیا ہے۔ اور یہ کہ پیشگوئی جس میں بتایا گیا تھا۔ کہ وہ لڑکا دنیا کی ہدایت و راہنمائی کا کام سرانجام دے گا۔ نعوذ باللہ جھوٹی نکلی۔

حقانی تقریر واقعہ وفاتِ بشیر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس پر ایک اشتہار "حقانی تقریر واقعہ وفاتِ بشیر"

کے عنوان سے شائع فرمایا۔ جس کے مندرجہ ذیل فقرات قابلِ غور ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

(۱) "ناظرین پر منکشف ہو۔ کہ بعض مخالفین پسر متوفی کی وفات کا ذکر کر کے اپنے اشتہارات و اخبارات میں طنز سے لکھتے ہیں کہ یہ وہی بچہ ہے جس کی نسبت اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء اور ۸ اپریل ۱۸۸۶ء اور ۷ اگست ۱۸۸۷ء میں یہ ظاہر کیا گیا تھا۔ کہ وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ بعضوں نے اپنی طرف سے افتراء کر کے یہ بھی اپنے اشتہار میں لکھا۔ کہ اس بچہ کی نسبت یہ الہام بھی ظاہر کیا گیا تھا۔ کہ یہ بادشاہوں کی بیٹیاں بیاہنے والا ہوگا۔ لیکن ناظرین پر منکشف ہو۔ کہ جن لوگوں نے یہ نکتہ چینی کی ہے۔ انہوں نے بڑا دھوکا کھایا ہے۔ یا دھوکا دینا چاہا ہے"

(۲) "یہ مفتری لیکھرام پشاوری ہے۔ جس نے تینوں اشتہار مندرجہ متن اپنے اثبات دعوے کی غرض سے اپنے اشتہار میں پیش کئے ہیں۔ اور سراسر خیانتوں سے کام لیا ہے۔ مثلاً وہ اشتہار ۸۔ اپریل ۱۸۸۶ء کا ذکر کر کے اس کی یہ عبارت اپنے اشتہار میں لکھتا ہے۔ کہ اس عاجز پر اس قدر کھل گیا۔ کہ لڑکا بہت ہی قریب ہونے والا ہے جو ایک مدت حمل تک تجاوز نہیں کر سکتا۔ لیکن اس عبارت کا اگلا فقرہ یعنی یہ فقرہ کہ یہ ظاہر نہیں کیا گیا۔ کہ جو اب پیدا ہوگا۔ یہ وہی لڑکا ہے۔ یا وہ کسی اور وقت میں نو برس کے عرصہ میں پیدا ہوگا۔ اس فقرہ کو اس نے عمداً نہیں لکھا۔ کیونکہ یہ اس کے مدعا کو مضر تھا۔ اور اس کے خیال فاسد کو جڑ سے کاٹتا تھا"

(۳) جس قدر اس عاجز کی طرف سے اشتہار چھپے ہیں۔ ان میں سے کوئی شخص ایک ایسا حرف بھی پیش نہیں کر سکتا۔ جس میں یہ دعوٰی کیا گیا ہو۔ کہ مصلح موعود اور عمر پانے والا یہی لڑکا تھا۔ جو فوت ہو گیا ہے۔ بلکہ ۸ اپریل ۱۸۸۶ء کا اشتہار اور نیز ۷ اگست ۱۸۸۶ء کا اشتہار کہ جو ۸ اپریل ۱۸۸۶ء کی بناء پر اور اس کے حوالہ سے بروز تولد بشیر شائع کیا گیا تھا۔ صاف بتلا رہا ہے۔ کہ ہنوز الہامی طور پر یہ تصفیہ نہیں ہوا۔ کہ آیا یہ لڑکا مصلح موعود اور عمر پانے والا ہے یا کوئی اور ہے"

(۴) "خلاصہ کلام یہ کہ ہر دو اشتہار ۸۔ اپریل ۱۸۸۶ء اور ۷۔ اگست ۱۸۸۶ء مذکورہ بالا اس ذکر و حکایت سے بالکل خاموش ہیں۔ کہ لڑکا پیدا ہونے والا کیسا اور کن صفات کا ہے۔

بلکہ یہ دونوں اشتہار صاف شہادت دیتے ہیں۔ کہ ہنوز یہ امر الہام کے رُو سے غیر منفصل اور غیر مصرح ہے"

(۵) "یہ تعریفیں جو اوپر گذر چکی ہیں۔ ایک آنے والے لڑکے کی نسبت عام طور پر بغیر کسی تخصیص و تعیین کے اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں ضرور بیان کی گئی ہیں۔ لیکن اس اشتہار میں تو کسی جگہ نہیں لکھا۔ کہ جو ۷۔ اگست ۱۸۸۶ء کو لڑکا پیدا ہوگا۔ وہی مصداق ان تعریفوں کا ہے"

(۶) "ایسا خیال کرنا کہ ان اشتہارات میں مصداق ان تعریفوں کا اسی پسر متوفی کو ٹھہرایا گیا تھا۔ سراسر ہٹ دھرمی اور بے ایمانی ہے۔ یہ سب اشتہارات ہمارے پاس موجود ہیں۔ اور اکثر ناظرین کے پاس موجود ہونگے۔ مناسب ہے۔ کہ ان کو غور سے پڑھیں اور پھر آپ ہی انصاف کریں"

(۷) "جب یہ لڑکا جو فوت ہو گیا ہے۔ پیدا ہوا تھا۔ تو اس کی پیدائش کے بعد صدہا خطوط اطراف مختلفہ سے بدیں استفسار پہونچے تھے۔ کہ کیا یہ وہی مصلح موعود ہے جس کے ذریعہ سے لوگ ہدایت پائیں گے۔ **تو سب کی طرف یہی جواب لکھا گیا تھا۔ کہ اس بارے میں صفائی سے اب تک کوئی الہام نہیں ہوا۔** ہاں اجتہادی طور پر گمان کیا جاتا تھا۔ کہ کیا تعجب کہ مصلح موعود یہی لڑکا ہو۔ اور اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ اس پسر متوفی کی بہت سی ذاتی بزرگیاں الہامات میں بیان کی گئی تھیں۔ جو اس کی پاکیزگیٔ روح اور بلندیٔ فطرت اور علو استعداد اور روشن جوہری اور سعادت جبلی کے متعلق تھیں۔ اور اس کی کاملیت استعدادی سے تعلق رکھتی تھیں۔ سو چونکہ وہ استعدادی بزرگیاں ایسی نہیں تھیں جن کے لئے بڑی عمر پانا ضروری ہوتا۔ اسی باعث سے یقینی طور پر کسی الہام کی بناء پر اس رائے کو ظاہر نہیں کیا گیا تھا۔ کہ ضرور یہ لڑکا پختہ عمر تک پہونچے گا۔ اور اسی خیال اور انتظار میں سراج منیر کے چھاپنے میں توقف کی گئی تھی۔ تا جب اچھی طرح الہامی طور پر لڑکے کی حقیقت کھل جاوے۔ تب اس کا مفصل و مبسوط حال لکھا جاوے۔ سو عجیب اور نہایت تعجب کہ جس حالت میں ہم اب تک پسر متوفی کی نسبت الہامی طور پر کوئی رائے قطعی ظاہر کرنے سے بکلی خاموش اور ساکت رہے۔ اور ایک ذرا سا الہام بھی اس بارے میں شائع نہ کیا۔ تو پھر ہمارے مخالفوں کے کانوں میں کس نے پھونک

ساردی۔ کہ ایسا اشتہار ہم نے شائع کر دیا ہے۔"

(۸) "جس حالت میں اجتہادی غلطی علماء ظاہر و باطن کی ان کی کسرِ شان کا موجب نہیں ہو سکتی۔ اور ہم نے کوئی ایسی اجتہادی غلطی بھی نہیں کی جس کو ہم قطعی و یقینی طور پر کسی اشتہار کے ذریعہ سے شائع کرتے۔ تو کیوں بشیر احمدؐ کی وفات پر ہمارے کوتہ اندیش مخالفوں نے اس قدر زہر اگلا ہے۔ کیا ان کے پاس ان تحریرات کا کوئی کافی و قانونی ثبوت بھی ہے۔ یا ناحق بار بار اپنے نفس امارہ کے جذبات لوگوں پر ظاہر کر رہے ہیں۔"

(۹) "کیا کوئی اشتہار ہمارا ان کے پاس ہے۔ کہ جو ان کو یقین دلاتا ہے۔ کہ ہم اس لڑکے کی نسبت الہامی طور پر قطع کر چکے تھے۔ کہ یہی عمر پانے والا اور مصلح موعود ہے۔ اگر کوئی ایسا اشتہار ہے۔ تو کیوں پیش نہیں کیا جاتا۔ ہم ان کو باور دلاتے ہیں۔ کہ ایسا اشتہار ہم نے کوئی شائع نہیں کیا۔"

(۱۰) "ہم بار بار لکھ چکے ہیں۔ کہ ہم نے کوئی اشتہار نہیں دیا۔ جس میں ہم نے قطع اور یقین ظاہر کیا ہو۔ کہ یہی لڑکا مصلح موعود اور عمر پانے والا ہے۔"

(۱۱) خلاصہ جواب یہ ہے۔ کہ آج تک ہم نے کسی اشتہار میں نہیں لکھا۔ کہ یہ لڑکا عمر پانے والا ہوگا۔ اور نہ یہ کہا۔ کہ یہی مصلح موعود ہے۔" (تبلیغ رسالت جلد اول صـ۱۲۱ تا ۱۴۰)

افسوسناک کذب بیانی

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ان کلماتِ طیبات سے یہ امر نہایت نمایاں طور پر واضح ہوتا ہے۔ کہ حضور نے کسی اشتہار میں پسر متوفی کے متعلق یہ نہیں لکھا تھا۔ کہ یہی لڑکا عمر پانے والا اور مصلح موعود ہوگا۔ اس صورت میں سید حبیب کا یہ کہنا کس قدر افسوسناک کذب بیانی ہے۔ کہ

"آپ نے خود اشتہار دے کر تسلیم کیا تھا۔ کہ یہی لڑکا وہ تھا جس کی خدا تعالے نے انہیں بشارت دی تھی۔" (تحریک قادیان صـ۱۱۶)

بشیر اوّل کی وفات کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئیاں

سید حبیب نے بشیر اوّل کی وفات کو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی صداقت کے خلاف پیش کیا ہے۔ مگر میں اب یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ بشیر اوّل کی وفات بھی حضرت

مسیح موعود علیہ السّلام کی صداقت کا ثبوت ہے۔ اور وہ اس طرح کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو اللہ تعالےٰ نے اس کی پیدائش سے قبل بتا دیا تھا۔ کہ یہ بہت تھوڑی عمر لیکر آیا ہے۔ چنانچہ میں ان پیشگوئیوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے الفاظ میں ہی درج کرتا ہوں۔

پہلی پیشگوئی

حضور فرماتے ہیں:۔

"بشیر احمدؐ کی موت ناگہانی طور پر نہیں ہوئی۔ بلکہ اللہ جلّشانہٗ نے اس کی وفات سے پہلے اس عاجز کو اپنے الہامات کے ذریعہ سے پوری پوری بصیرت بخش دی تھی۔ کہ یہ لڑکا اپنا کام کر چکا ہے۔ اور اب فوت ہو جائے گا۔ بلکہ جو الہامات اس پسر متوفی کی پیدائش کے دن میں ہوئے تھے۔ ان میں بھی اجمالی طور پر اس کی وفات کی نسبت بُو آتی تھی۔ اور مترشح ہوتا تھا۔ کہ وہ خلق اللہ کے لئے ایک ابتلائے عظیم کا موجب ہوگا۔ جیسا کہ یہ الہام انا ارسلناہُ شاھدًا و مبشرًا و نذیرًا کصیب من السماء فیہ ظلمات و رعد و برق کل شئٍ تحت قدمیہ۔ یعنی ہم نے اس بچہ کو شاہد اور مبشر اور نذیر ہونے کی حالت میں بھیجا ہے۔ اور یہ اس بڑے مینہ کی مانند ہے جس میں طرح طرح کی تاریکیاں ہوں۔ اور رعد اور برق بھی ہو۔ یہ سب چیزیں اس کے دونوں قدموں کے نیچے ہیں۔ یعنی اس کے قدم اٹھانے کے بعد جو اس کی موت سے مراد ہے، ظہور میں آجائیں گی۔ سو تاریکیوں سے مراد آزمائش اور ابتلاء کی تاریکیاں تھیں۔ جو لوگوں کو اس کی موت سے پیش آئیں۔ اور ایسے سخت ابتلاء میں پڑ گئے۔ جو ظلمات کی طرح تھا۔ اور آیت کریمہ واذا اظلم علیھم قاموا کے مصداق ہو گئے۔"

(تبلیغ رسالت جلد اوّل صـ۱۳۵ و ۱۳۶)

اسی طرح فرماتے ہیں:۔

"یہ الہام جو ابھی ہم نے لکھا ہے۔ ابتداء سے صدہا لوگوں کو بہ تفصیل سنا دیا گیا تھا۔ چنانچہ منجملہ سامعین کے مولوی ابوسعید محمد حسین بٹالوی بھی ہیں۔ اور کئی اور جلیل القدر آدمی بھی۔ اب بھی اگر ہمارے موافقین و مخالفین اسی الہام کے مضمون پر غور کریں اور دقت نظر سے دیکھیں۔ تو یہی ظاہر کر رہا ہے۔ کہ اس ظلمت کے آنے کا پہلے سے جناب الٰہی میں ارادہ ہو چکا تھا۔ جو بذریعہ الہام بتلایا گیا۔ اور صاف ظاہر کیا گیا۔ کہ ظلمت اور

روشنی دونوں اس لڑکے کے قدموں کے نیچے ہیں۔ یعنی اس کے قدم اٹھانے کے بعد جو موت سے مراد ہے۔ ان کا آنا ضرور ہے" (تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۱۲۰)

دوسری پیشگوئی

پھر فرماتے ہیں:۔ "بشیر کی موت نے جیسا کہ اس پیشگوئی کو پورا کیا۔ ایسا ہی اس پیشگوئی کو بھی کہ جو ۲۰ فروری کے اشتہار میں ہے۔ کہ بعض بچے کم عمری میں فوت ہوں گے" (تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۱۳۸)

اسی کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"ہمارے اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں بعض ہمارے لڑکوں کی نسبت یہ پیشگوئی موجود تھی۔ کہ وہ کم عمری میں فوت ہونگے۔ پس سوچنا چاہیئے۔ کہ اس لڑکے کی وفات سے ایک پیشگوئی پوری ہوئی یا جھوٹی نکلی" (حاشیہ تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۱۴۰)

احباب کی واقفیت کے لئے میں ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی درج کر دیتا ہوں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"میں تیری ذریت کو بہت بڑھاؤنگا۔ اور برکت دونگا۔ مگر بعض ان میں سے کم عمری میں فوت بھی ہونگے" (تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۶۰)

اس الہام کے مطابق کم عمری میں ہی بشیر اوّل وفات پا گیا۔

تیسری پیشگوئی

پھر فرماتے ہیں:۔ "جس قدر ہم نے لوگوں میں الہامات شائع کئے۔ اکثر ان کے اس لڑکے کی وفات پر دلالت کرتے تھے۔ چنانچہ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار کی یہ عبارت کہ ایک خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے۔ یہ مہمان کا لفظ درحقیقت اسی لڑکے کا نام رکھا گیا تھا۔ اور یہ اس کی کم عمری اور جلد فوت ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ مہمان وہی ہوتا ہے۔ جو چند روزہ کر چلا جائے۔ اور دیکھتے دیکھتے رخصت ہو جائے اور جو قائم مقام ہو۔ اور دوسروں کو رخصت کرے۔ اس کا نام مہمان نہیں ہو سکتا۔ اور اشتہار مذکور کی یہ عبارت کہ وہ رجس سے (یعنی گناہ سے) بکلی پاک ہے۔ یہ بھی اس کی صغر سنی کی وفات پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ دھوکا کھانا نہیں چاہئے۔ کہ جس پیشگوئی کا ذکر ہوا ہے۔ وہ مصلح موعود کے حق میں ہے۔ کیونکہ بذریعہ الہام صاف طور پر

کھل گیا ہے۔ کہ یہ سب عبارتیں پسر متوفی کے حق میں ہیں۔ اور مصلح موعود کے حق میں جو پیشگوئی ہے۔ وہ اس عبارت سے شروع ہوتی ہے کہ "اس کے ساتھ فضل ہے۔ کہ جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا" (حاشیہ تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۱۴۱)

اسی طرح فرماتے ہیں:۔

خدا تعالیٰ نے مجھ پر یہ بھی ظاہر کیا۔ کہ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی حقیقت میں دو سعید لڑکوں کے پیدا ہونے پر مشتمل تھی۔ اور اس عبارت تک کہ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے پہلے بشیر کی نسبت پیشگوئی ہے۔ کہ جو روحانی طور پر نزول رحمت کا موجب ہوا اور اس کے بعد کی عبارت دوسرے بشیر کی نسبت ہے" (حاشیہ تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۱۴۷)

ان پیشگوئیوں سے ظاہر ہے۔ کہ بشیر اوّل کی وفات بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا بیّن ثبوت ہے۔ مگر آج جبکہ ساری دنیا کے سامنے حضرت مسیح موعودؑ کا وہ موعود لڑکا جس کے متعلق ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کا اشتہار شائع کیا گیا تھا۔ مدت مقررہ یعنی ۹ سال کے اندر پیدا ہو کر اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کر رہا۔ اور ایک مقدس جماعت کا مقدس امام اور خلیفہ بنا ہوا ہے۔ اور چار دانگ عالم تک لازوال شہرت حاصل کرتا جا رہا ہے۔ اس پیشگوئی کی صداقت کو تسلیم نہ کرنا یا اس پر اعتراض کرنا انہی لوگوں کا شیوہ ہو سکتا ہے جنہیں صداقت سے کوئی غرض نہیں۔ اور جو تعصب میں اس قدر اندھے ہو رہے ہیں۔ کہ وہ سورج کو دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے۔ اور تاریکی کے کونوں میں رہنا اپنی تاریک روحانی حالت کے لحاظ سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔

"آئینۂ احمدیت" کا نوٹ

ہمیں افسوس ہے۔ کہ اہل پیغام نے سید حبیب کے اعتراضات کے جواب میں "آئینۂ احمدیت" نامی کتاب میں اس پیشگوئی پر بحث کرتے ہوئے بلا وجہ یہ بحث شروع کر دی ہے۔ کہ "میاں محمود احمد مصلح موعود نہیں ہو سکتے"۔ اور گو ایک مخالف کو جواب دیتے ہوئے آپس میں الجھنا کچھ موزوں معلوم نہیں ہوتا۔ مگر چونکہ اس بیان سے بعض غلط فہمیاں پیدا ہونے کا امکان ہے۔ اس لئے اس موضوع پر بھی چند امور سپرد قلم کئے جاتے ہیں:۔

غیر مبائعین لکھتے ہیں:"بعض لوگ غلطی سے ان الفاظ کا مصداق میاں محمود احمد صاحب موجودہ خلیفۂ قادیان کو سمجھتے اور انہیں مصلح موعود قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ نہ ان کا ایسا دعویٰ ہے۔ اور نہ حضرت مسیح موعود نے اس پیشگوئی کا مصداق نہیں قرار دیا ہے"

پھر لکھا ہے:"اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں مصلح موعود کے جو نشانات لکھے ہیں۔ ان میں ایک بڑا نشان یہ بھی ہے۔ کہ وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ میاں محمود احمد صاحب کسی رنگ میں بھی تین کو چار کرنے والے نہیں"

اسی طرح لکھا ہے:"اس میں شک نہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود نے تفاول کے طور پر ان کا نام بشیر اور محمود بھی رکھا۔ لیکن اس کا اعلان کرتے ہوئے یہ بھی صاف طور پر لکھا ہے۔ کہ" ابھی تک مجھ پر یہ نہیں کھلا۔ کہ یہی لڑکا مصلح موعود اور عمر پانے والا ہے یا وہ کوئی اور ہے" (ص۱۵۰ و ۱۵۱ حاشیہ)

غیر مبائعین کے تین اعتراض

ان اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ غیر مبائعین کے تین اعتراض ہیں:۔

اوّل یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اس پیشگوئی کا مصداق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کو قرار نہیں دیا۔ بلکہ لکھ دیا۔ کہ ابھی تک مجھ پر یہ نہیں کھلا کہ یہی لڑکا مصلح موعود اور عمر پانے والا ہے۔ یا وہ کوئی اور ہے۔

دوم مصلح موعود کی ایک بڑی علامت یہ ہے۔ کہ وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ اور میاں محمود احمد صاحب کسی رنگ میں بھی تین کو چار کرنے والے نہیں۔

سوم۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا اپنا دعوےٰ بھی نہیں۔ کہ میں مصلح موعود ہوں"

اگر یہ تینوں امور باطل ہو جائیں۔ تو اہل پیغام کا دعوےٰ بھی ہر عقلمند کی نگاہ میں باطل ہو جائے گا۔

پسر موعود کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی تعیین

امر اوّل کا جواب یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے الہامات کی تشریح کرتے ہوئے یہ صاف الفاظ میں لکھ دیا تھا۔ کہ "مصلح موعود کا نام الہامی عبارت میں فضل رکھا گیا۔ اور نیز دوسرا نام اس کا محمود اور تیسرا نام اس کا

بشیر ثانی بھی ہے۔ اور ایک الہام میں اس کا نام فضل عمر ظاہر کیا گیا ہے" (تبلیغ رسالت حاشیہ جلد اوّل ص۱۴۱)

اس سے ظاہر ہے کہ سیّدنا محمود (ایدہ اللہ الودود) کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے نہایت واضح الفاظ میں ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے الہامات کے مطابق مصلح موعود قرار دیا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی تعیین ثابت ہو گئی۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام لکھتے ہیں:۔

"دوسرا طریق انزالِ رحمت کا ارسال مرسلین و نبیین و ائمہ و اولیاء و خلفاء ہے۔ تا ان کی اقتداء و ہدایت سے لوگ راہ راست پر آجائیں۔ اور ان کے نمونہ پر اپنے تئیں بنا کر نجات پا جائیں۔ سو خدا تعالےٰ نے چاہا کہ اس عاجز کی اولاد کے ذریعہ سے یہ دونوں شق ظہور میں آجائیں"

اسی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"دوسری قسم رحمت کی جو ابھی ہم نے بیان کی ہے۔ اس کی تکمیل کے لئے خدا تعالےٰ دوسرا بشیر بھیجے گا۔ جیسا کہ بشیر اوّل کی موت سے پہلے ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء کے اشتہار میں اس کے بارے میں پیشگوئی کی گئی ہے۔ اور خدا تعالےٰ نے اس عاجز پر ظاہر کیا۔ کہ ایک دوسرا بشیر تمہیں دیا جائے گا۔ جس کا نام محمود بھی ہے۔ وہ اپنے کاموں میں اولوالعزم ہوگا۔ یخلق اللہ مایشاء" (تبلیغ رسالت جلد اوّل حاشیہ ص۱۳۶ و ۱۳۷)

اس حوالہ سے بھی ظاہر ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے انزالِ رحمت کے اس طریق کو جس میں "ارسال مرسلین و نبیین و ائمہ و اولیاء و خلفاء" ہے۔ بشیر ثانی کے وجود پر منطبق کیا ہے۔ جس کا دوسرا نام محمود رکھا۔ اور جسے اپنے کاموں میں اولوالعزم قرار دیا ہے۔

پھر ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو سیّدنا محمود کی ولادت پر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے ایک اشتہار شائع فرمایا۔ جس میں لکھا:۔

"خدائے عزوجل نے جیسا کہ اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء و اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء میں مندرج ہے۔ اپنے لطف و کرم سے وعدہ دیا تھا۔ کہ بشیر اوّل کی وفات کے بعد ایک دوسرا بشیر دیا جائے گا۔ جس کا نام محمود بھی ہوگا۔ اور اس عاجز کو مخاطب کر کے

فرمایا تھا۔ کہ وُہ اولوالعزم ہوگا۔ اور حسن و احسان میں تیرا نظیر ہوگا۔ وُہ قادر ہے جس طور سے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ سو آج ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء میں مطابق ۹ جمادی الاول ۱۳۰۶ھ روز شنبہ میں اس عاجز کے گھر میں بفضلہ تعالیٰ ایک لڑکا پیدا ہو گیا ہے جس کا نام بالفعل محض تفاول کے طور پر بشیر اور محمود بھی رکھا گیا ہے اور کامل انکشاف کے بعد پھر اطلاع دی جائے گی۔ مگر ابھی تک مجھ پر یہ نہیں کھلا۔ کہ یہی لڑکا مصلح موعود اور عمر پانے والا ہے۔ یا وُہ کوئی اور ہے" (اشتہار ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء)

اس اشتہار سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء تک کامل انکشاف نہیں ہوا تھا۔ اور واضح الفاظ میں یہ نہیں بتایا گیا تھا۔ کہ جس عظیم المرتبت فرزند کے متعلق خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ تھا۔ کہ "وُہ اولوالعزم ہوگا۔ اور حسن و احسان میں تیرا نظیر ہوگا" وہ ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو پیدا ہونے والا مولود مسعود ہی ہے۔ یا کوئی اور۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام پر یہ کبھی انکشاف ہوا بھی۔ یا نہیں۔ اہل پیغام اس امر کے قائل ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام پر اگر انکشاف ہو! تو یہ کہ "موجودہ تین لڑکوں میں سے کوئی بھی مصلح موعود والی پیشگوئی کا مصداق نہیں" (آئینہ احمدیت صفحہ ۱۵)

اگر یہی بات درست ہے۔ کہ "موجودہ تین لڑکوں میں سے کوئی بھی مصلح موعود والی پیشگوئی کا مصداق نہیں" تو سوال یہ ہے۔ کہ کون مصداق ہے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے تو مصلح موعود کے متعلق نہایت ہی تحدی سے یہ فرمایا تھا کہ "ہم جانتے ہیں۔ کہ ایسا لڑکا بموجب وعدۂ الٰہی نو برس کے عرصہ تک ضرور پیدا ہوگا۔ خواہ جلد ہو خواہ دیر سے" (تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۷۲)

پھر لکھا تھا:۔ "میں جانتا ہوں۔ اور محکم یقین سے جانتا ہوں۔ کہ خدا تعالیٰ اپنے وعدہ کے موافق مجھ سے معاملہ کرے گا۔ اور اگر ابھی اس موعود لڑکے کے پیدا ہونے کا وقت نہیں آیا۔ تو دوسرے وقت میں وُہ ظہور پذیر ہوگا۔ اور اگر مدت مقررہ سے ایک دن بھی باقی رہ جائے گا۔ تو خدائے عزوجل اس دن کو ختم نہیں کرے گا۔ جب تک اپنے وعدہ کو پورا نہ کرلے" (تبلیغ رسالت جلد اوّل حاشیہ صفحہ ۱۲۸)

پھر اگر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا کوئی لڑکا بھی ان پیشگوئیوں کا مصداق نہیں اور نہ کوئی موعود لڑکا نو برس کی میعاد میں پیدا ہوا۔ تو گویا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی ایک عظیم الشان پیشگوئی نعوذ باللہ غلط نکلی۔ اہل پیغام کو سوچنا چاہئے۔ کہ وہ ایک شخص کے کمالاتِ روحانیہ کا اعتراف نہ کرنے کے جرم میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی صداقت پر بلکہ خود خدا تعالیٰ کی باتوں پر جو اصدق الصادقین ہے۔ اور جس کی شان میں لا یخلف المیعاد آتا ہے۔ حملہ کرنے والے بن رہے ہیں۔

واقعہ یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی تحریرات کے مطابق سبز اشتہار والے مصلح موعود کو نو برس کی میعاد میں پیدا ہونا تھا۔ سو ہمیں اس بات پر ایمان ہے۔ کہ وُہ موعود جسے خدا نے محمود قرار دیا۔ جسے اپنے کاموں میں اولوالعزم کہا۔ اور جس کے متعلق یہ مقدر تھا۔ کہ وہ انزالِ رحمت کے اس طریق کو پورا کرنے والا ہوگا۔ جس میں خلفاء داخل ہیں۔ پیدا ہو چکا بلکہ آج اپنے مسیحی نفس اور رُوح القدس کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کر رہا۔ اور دُنیا کے اکناف تک از روئے شہرت پا رہا ہے۔ مبارک وُہ جو اس پر ایمان لائے۔

پسر موعود سیدنا محمود ہی ہیں

اس جگہ اس سوال کا جواب دینا بھی ضروری ہے۔ کہ آیا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے کبھی صراحتًا اس امر کا اظہار فرمایا۔ کہ پسر موعود محمود ہی ہے۔ اور آیا آپ پر اس کے متعلق کامل انکشاف ہوا یا نہیں۔ سو اس کے متعلق مندرجہ ذیل حوالجات ملاحظہ ہوں۔

(۱) سراج منیر میں جو مئی ۱۸۹۷ء کی مطبوعہ ہے۔ اور جو اشتہار ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء سے آٹھ سال بعد حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے شائع فرمائی۔ انکشافِ کامل کے بعد اس میں آپ تحریر فرماتے ہیں

"پانچویں پیشگوئی میں نے اپنے لڑکے محمود کی پیدائش کی نسبت کی تھی۔ کہ وہ اب پیدا ہوگا۔ اور اس کا نام محمود رکھا جائے گا۔ اور اس پیشگوئی کی اشاعت کے لئے سبز ورق کے اشتہار شائع کئے گئے تھے۔ جو اب تک موجود ہیں۔ اور ہزاروں آدمیوں میں تقسیم ہوئے تھے۔ چنانچہ وُہ لڑکا پیشگوئی کی میعاد میں پیدا

ہوا۔ اور اب نویں سال میں ہے "

حاشیہ پر لکھتے ہیں "سبز اشتہار میں صریح لفظوں میں بلا توقف لڑکا پیدا ہونے کا وعدہ تھا۔ سو محمود پیدا ہو گیا " صـ۳۱

اس سے ظاہر ہے۔ کہ سبز اشتہار کی پیشگوئی کا مصداق جس کے متعلق ایک زمانہ میں آپ نے تردد ظاہر فرمایا تھا۔ اور لکھا تھا۔ کہ "ابھی تک مجھ پر یہ نہیں کھلا۔ کہ یہی لڑکا مصلح موعود اور عمر پانے والا ہے یا وہ کوئی اور ہے" اور وعدہ فرمایا تھا۔ کہ "کامل انکشاف کے بعد پھر اطلاع دی جائے گی" آٹھ سال کے بعد آپ نے واضح الفاظ میں اس کا مصداق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کو قرار دیا۔ اور فرمایا کہ "وہ لڑکا پیشگوئی کی میعاد میں پیدا ہوا۔ اور اب نویں سال میں ہے"، گویا سبز اشتہار کی پیشگوئی یاد دلا کر اور محمود کا نام لکھ کر اور یہ بتا کر کہ اب وہ نویں سال میں ہے پسر موعود کی تعیین کر دی۔

سراج منیر کے اس حوالہ کی وقعت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ آپ کا اپنا ارادہ تھا۔ کہ سراج منیر میں مصلح موعود کے متعلق بعد انکشاف کامل تعیین کیجائیگی چنانچہ آپ اشتہار مورخہ یکم دسمبر ۱۸۸۸ء میں بشیر اول کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اسی خیال اور انتظار میں سراج منیر کے چھاپنے میں توقف کی گئی تھی۔ تا جب اچھی طرح الہامی طور پر لڑکے کی حقیقت کھل جاوے۔ تب اس کا مفصل و مبسوط حال لکھا جاوے " (تبلیغ رسالت جلد اول صـ۱۲۴)

گویا سراج منیر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو تعیین فرمائی ہے۔ وہ حسب وعدہ "الہامی طور پر" کی گئی ہے۔ اس کا انکار کرنا حد درجہ کی شقاوتِ قلبی کا ثبوت دینا ہے۔

(۲) تریاق القلوب میں بھی فرماتے ہیں:۔

"سبز رنگ کے اشتہار میں یہ بھی لکھا گیا۔ کہ اس پیدا ہونے والے لڑکے کا نام محمود رکھا جائیگا۔ اور یہ اشتہار محمود کے پیدا ہونے سے پہلے لاکھوں انسانوں میں شائع کیا گیا۔ چنانچہ اب تک ہمارے مخالفوں کے گھروں میں صدہا یہ سبز

رنگ کے اشتہار پڑے ہوئے ہونگے۔ اور ایسا ہی دہم جولائی ۱۸۸۸ء کے اشتہار بھی ہر ایک کے گھر میں موجود ہونگے۔ پھر جبکہ اس پیشگوئی کی شہرت بذریعہ اشتہارات کامل درجہ پر پہنچ چکی۔ اور مسلمانوں اور عیسائیوں اور ہندوؤں میں سے کوئی بھی فرقہ باقی نہ رہا۔ جو اس سے بے خبر ہو۔ تب خدا تعالےٰ کے فضل اور رحم سے ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو مطابق ۹ جمادی الاول ۱۳۰۶ھ میں بروز شنبہ محمود پیدا ہوا۔ اور اس کے پیدا ہونے کی میں نے اس اشتہار میں خبر دی ہے۔ جس کے عنوان پر تکمیل تبلیغ موٹی قلم سے لکھا ہوا ہے"، (مطبوعہ ۱۹۰۲ء صـ۴۲)

اس سے بھی ظاہر ہے۔ کہ سبز اشتہار کی پیشگوئی کا مصداق یقینی طور پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کو قرار دیا ہے۔

(۳) حقیقۃ الوحی میں بھی سبز اشتہار کی پیشگوئی کا مصداق حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کو قرار دیتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں "جنوری ۱۸۸۹ء میں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام محمود رکھا گیا۔ اور اب تک بفضلہٖ تعالےٰ زندہ موجود ہے اور سترھویں سال میں ہے "(صـ۳۶)

غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سبز اشتہار کی پیشگوئی کا مصداق نہایت واضح الفاظ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو قرار دیا۔ اور انکشافِ کامل کے بعد بھی اسی خیال کو قائم رکھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کی ذات میں تمام علامات کا پورا ہونا

علاوہ ازیں اگر علامات کو دیکھا جائے۔ تو وہ بھی آپ کے وجود پر ہی پوری ہوتی نظر آتی ہیں۔ مثلاً:۔

پہلی علامت پسر موعود کی یہ قرار دی گئی تھی۔ کہ وہ بلا توقف بشیر اول کی وفات کے بعد پیدا ہوگا۔ اور درمیان میں کوئی اور نہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"اے وے لوگو جنھوں نے ظلمت کو دیکھ لیا۔ (یعنی بشیر اول کی وفات کو) حیرانی میں مت پڑو بلکہ خوش ہو۔ اور خوشی سے اچھلو کہ اسکے بعد اب روشنی آئیگی " (تبلیغ رسالت جلد اول صـ۱۳۷)

"بشیر اول جو فوت ہوگیا ہے بشیر ثانی کے لئے بطور ارہاص تھا۔" (تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۱۴۱ حاشیہ)

"ایک اور لڑکا ہونے کا قریب مدت تک وعدہ دیا جس کا نام محمود احمد ہوگا۔ اور اپنے کاموں میں اولوالعزم نکلے گا۔" (تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۱۲۰)

"سبز اشتہار میں صریح لفظوں میں بلا توقف لڑکا پیدا ہونے کا وعدہ تھا۔ سو محمود پیدا ہوگیا۔" (سراج منیر صفحہ ۳۱ حاشیہ)

خدا نے مجھے بشارت دیکر فرمایا۔ کہ اس کے عوض میں جلد ایک اور لڑکا پیدا ہوگا جس کا نام محمود ہوگا۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۱۷)

ان حوالجات سے ظاہر ہے۔ کہ بشیر ثانی یعنی سبز اشتہار کے مصلح موعود نے بشیر اول کے بعد پیدا ہونا تھا۔ اب دیکھو کہ بشیر اول کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ ہی پیدا ہوئے۔

دوسری علامت۔ جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ تھی:۔
کہ موعود لڑکا نو برس کی میعاد میں پیدا ہوگا۔ سو اسی میعاد میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی پیدا ہوئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی اس امر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"وہ لڑکا پیشگوئی کی میعاد میں پیدا ہوا۔ (یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ) اور اب نویں سال میں ہے۔" (سراج منیر صفحہ ۳۱)

تیسری علامت۔ پسر موعود کی یہ تھی۔ کہ اس کا نام بشیر اور محمود ہوگا۔ سو نو برس کی میعاد میں جس قدر صاحبزادے پیدا ہوئے۔ ان میں سے سوائے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کے اور کسی کا نام بشیر الدین محمود نہ رکھا گیا۔

ذاتی فضائل

ان تین علامات کے علاوہ اور کئی علامات ذاتی فضائل سے تعلق رکھتی ہیں۔ مثلاً
(ا) "وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا۔ اور دل کا حلیم" (ب) "علوم ظاہری و باطنی سے پر کیا جائے گا۔" (ج) "خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا۔" (د) "اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا۔" (س) "زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔" (تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۶)

یہ تمام علامات حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کے وجود باجود میں

نہایت نمایاں طور پر پوری ہوتی نظر آتی ہیں۔ اور کئی علامات کا تو حضرت خلیفۃ المسیح کے وجود میں پایا جانا سیاستدانوں۔ قومی لیڈروں اور مذہبی رہنماؤں تک کو اعتراف ہے۔ لیکن غیر مبائعین کے نزدیک "میاں محمود احمد مصلح موعود نہیں ہو سکتے۔" گویا کہ اللہ تعالےٰ کی رحمت کی تقسیم کے وہ اجارہ دار ہیں۔ اور جب تک ان کی تصدیق کسی کے ساتھ نہ ہوگی۔ وہ مصلح موعود نہیں ہو سکتا۔

تین کو چار کرنے والا کون ہے

دوسرا مانع حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کے مصلح موعود ہونے میں یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ "اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں مصلح موعود کے جو نشانات لکھے ہیں۔ ان میں ایک بڑا نشان یہ بھی ہے۔ کہ وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ اور ظاہر ہے۔ کہ میاں محمود احمد صاحب کسی رنگ میں بھی تین کو چار کرنے والے نہیں۔" (آئینہ احمدیت صفحہ ۱۵)

اس کے بعد ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۱۵ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ عبارت نقل کی گئی ہے۔ کہ "خدا نے تین لڑکے مجھے اس نکاح سے عطا کئے۔ جو تینوں موجود ہیں مگر ایک کی انتظار ہے۔ جو تین کو چار کرنے والا ہوگا۔"

اور پھر اس عبارت سے استنباط کرتے ہوئے لکھا ہے "اس سے صاف ظاہر ہے کہ میاں محمود احمد صاحب مصلح موعود والی پیشگوئی کے مصداق کسی طرح نہیں ہو سکتے۔" (صفحہ ۱۵ حاشیہ)

تین کو چار کرنے والے دو ہیں

مگر یہ ایک شدید غلط فہمی ہے۔ جس کے نہ سمجھنے کی وجہ سے راقم مضمون نے ٹھوکر کھائی یا عمداً دوسروں کو مغالطہ میں رکھنا چاہا۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک الہام تو مصلح موعود کے متعلق ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو یوں ہوا تھا۔ کہ "وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔" مگر اس کے ایک لمبا عرصہ بعد جب اللہ تعالےٰ کے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تین لڑکے پیدا ہو چکے۔ تو خدا تعالےٰ نے آپ کو ایک چوتھے لڑکے کی خوشخبری دی۔ جس کا آپ نے انجام آتھم صفحہ ۱۸۲ پر یوں ذکر فرمایا ہے:۔

"وبشرنی ربی برابع رحمۃ وقال انہ یجعل الثلثۃ اربعۃ۔ فھل لکم ان

تفتومو امزاحمة وتصنعوا من الاذباع المربعین" یعنی خدا تعالےٰ نے اب مجھے ایک چوتھے لڑکے کی خوشخبری دی ہے۔ اور الہاماً فرمایا ہے۔ کہ انہ یجعل الثلثة اربعة وہ تین کو چار کر دے گا۔ کیا تم میں سے کسی کی طاقت ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے اس وعدہ میں حائل ہو سکے۔ گویا انہ یجعل الثلثة اربعة ایک علیحدہ الہام ہے۔ جس کا ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اس الہام سے کچھ تعلق نہیں کہ "وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا"۔ اس کا ثبوت یہ بھی ہے۔ کہ البشریٰ جلد دوم صفحہ ۵۴ پر یکم جنوری ۱۸۹۷ء کے الہامات میں انہ یجعل الثلثة اربعة" کو درج کیا گیا ہے۔ اور اس کی تشریح میں لکھا گیا ہے۔ " دربارہ تولید فرزند چہارم" جس سے اس یقین کو تقویت ہوتی ہے۔ کہ ایک الہام آپ کو ۱۸۸۶ء میں مصلح موعود کے متعلق ہوا۔ کہ " وہ تین کو چار کرنیوالا ہوگا" مگر ایک اور الہام ۱۸۹۷ء میں آپ کو اسی مفہوم کا ہوا۔ کہ انہ یجعل الثلثة اربعة یعنی وہ تین کو چار کرے گا۔ یہ الہام صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی ولادت کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ چنانچہ اسی الہام کا ذکر ضمیمہ انجام آتھم ص۵۸ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یوں کیا۔ کہ " ایک چوتھے لڑکے کے لئے متواتر الہام کیا۔ اور ہم عبد الحق کو یقین دلاتے ہیں۔ کہ وہ نہیں مرے گا۔ جب تک اس الہام کا پورا ہونا بھی نہ سن لے" تریاق القلوب صفحہ ۴۰ اور صفحہ ۱۳۷ کے مطالعہ سے بھی یہی امر مترشح ہوتا ہے۔ کہ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی ولادت سے پیشتر اللہ تعالےٰ نے ۱۸۹۷ء میں یہ الہام نازل کیا تھا۔ کہ انہ یجعل الثلثة اربعة۔ خدا اس کے ذریعہ تین کو چار کر دے گا۔

اسی کے تائیدی ثبوت میں ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۱۵ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کا یہ الہام بھی پیش کر دیا۔ کہ " وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا" اور اس سے یہ استدلال کیا۔ کہ " اس الہام کے معنی یہ تھے۔ کہ تین لڑکے ہونگے۔ اور پھر ایک اور ہوگا۔ جو تین کو چار کر دے گا۔ سو ایک بڑا حصہ اس کا پورا ہو گیا یعنی خدا نے تین لڑکے مجھ کو اس نکاح سے عطا کئے جو تینوں موجود ہیں۔ صرف ایک کی انتظار ہے۔ جو تین کو چار کرنے والا ہوگا"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذاتی اجتہاد

اس تشریح سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انہ یجعل الثلثة اربعة کا الہام نازل ہونے اور شائع کر دینے کے بعد کیونکہ انجام آتھم ضمیمہ سے بہر حال پہلے کا لکھا ہوا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذہن کا انتقال اس طرف ہوا۔ کہ اس پیشگوئی کا ذکر تو ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے الہامات میں بھی ہے۔ پس آپ نے الہام الٰہی " وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا" کو الہام الٰہی انہ یجعل الثلثة اربعة کے تائیدی ثبوت میں پیش کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب نے اگر تین کو چار کیا۔ تو دراصل الہام انہ یجعل الثلثة اربعة کے مطابق کیا۔ البتہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تائیدی رنگ میں ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کا الہام بھی اس کے ذیل میں پیش کر دیا۔ مگر وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اپنی تشریح اور ذاتی اجتہاد تھا۔ نہ کہ خدا تعالےٰ کی تفہیم۔ چنانچہ اس کا یہی ثبوت ہے۔ کہ آپ تریاق القلوب میں فرماتے ہیں " اشتہار مذکور میں یہ لکھا ہے۔ کہ وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ جس سے یہی سمجھا جاتا ہے۔ کہ وہ چوتھا لڑکا ہوگا یا چوتھا بچہ ہوگا" (حاشیہ ص۴۱) اس عبارت میں " یہی سمجھا جاتا ہے" کے الفاظ صاف طور پر بتلا رہے ہیں۔ کہ یہ سمجھنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنا اجتہاد تھا وبس۔

پیشگوئی کی حقیقت اسکے پورا ہونے پر کھلتی ہے۔

اور پیشگوئیوں کے متعلق تو یہ مسلّمہ اصل ہے۔ کہ بعض دفعہ ملہم اپنے الہام کی ایک تشریح سمجھتا ہے۔ جو گو ایک طرح صحیح ہوتی ہے۔ مگر جب پیشگوئی اپنی اصل شان میں پوری ہوتی ہے۔ تو پھر اس کا اور مفہوم نظر آتا ہے۔ اور دراصل صحیح مفہوم وہی ہوتا ہے۔ جو پیشگوئی کے پورا ہونے پر ظاہر ہو۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک جگہ اس سوال کا کہ جب عفت الدیار محلها ومقامها والا الہام ہوا۔ تو آپ نے اسے طاعون پر چسپاں کر دیا۔ مگر بعد میں جب زلزلہ آیا۔ تو کہہ دیا۔ کہ یہ الہام زلزلہ کے متعلق ہے جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔ کہ:-

" ہمیں اس بات سے انکار نہیں ہے۔ کہ پیش از وقت کسی پیشگوئی کی پوری حقیقت نہیں کھلتی۔ اور ممکن ہے۔ کہ انسانی تشریح میں غلطی بھی ہو جائے۔ اسی لئے

کوئی نبی دُنیا میں ایسا نہیں گذرا جس نے اپنی کسی پیشگوئی کے معنے کرنے میں کبھی غلطی نہ کھائی ہو لیکن اگر قبل از وقت اجتہادی طور پر کوئی نبی اپنی پیشگوئی کے معنی کرنے میں کسی طور کی غلطی کھا دے۔ تو اس پیشگوئی کی شان اور عزت میں فرق نہیں آئے گا کیونکہ ربانی پیشگوئی ایک خارق عادت اور انسانی نظر سے بلند اور انسانی خیالات سے برتر ہے۔ کیا آپ دعوے کر سکتے ہیں۔ کہ فرق آجاتا ہے۔ اگر یہی حال ہے۔ تو میں ایک لمبی فہرست ایسی پیشگوئیوں کی آپ کو دے سکتا ہوں۔ جن کے سمجھنے میں اولوالعزم نبیوں نے غلطی کھائی تھی۔ مگر میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ آپ بعد اس کے ایسا اعتراض ہرگز نہیں کرینگے اور متنبہ ہو جائینگے۔ کہ یہ اعتراض کہاں تک پہونچتا ہے۔

صاف ظاہر ہے کہ جب پیشگوئی ظہور میں آجائے۔ اور اپنے ظہور سے اپنے معنے آپ کھول دے۔ اور ان معنوں کو پیشگوئی کے الفاظ کے آگے رکھکر بدیہی طور پر معلوم ہو۔ کہ وہی سچے ہیں۔ تو پھر ان میں نکتہ چینی کرنا ایمانداری نہیں ہے۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صـ۸۷)

اسی طرح فرماتے ہیں۔

"اگر کسی خاص پہلو پر پیشگوئی کا ظہور نہ ہو۔ اور کسی دوسرے پہلو پر ظاہر ہو جائے اور اصل امر جو اس پیشگوئی کا خارق عادت ہونا ہے۔ وہ دوسرے پہلو میں بھی پایا جائے۔ اور واقعہ کے ظہور کے بعد ہر ایک عقلمند کو سمجھ آجائے۔ کہ یہی صحیح معنے پیشگوئی کے ہیں۔ جو واقعہ نے اپنے ظہور سے آپ کھول دیئے ہیں۔ تو اس پیشگوئی کی عظمت اور وقعت میں کچھ بھی فرق نہیں آتا۔ اور اس پر ناحق نکتہ چینی کرنا شرارت اور بے ایمانی اور ہٹ دھرمی ہوتی ہے۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صـ۹)

تریاق القلوب میں بھی فرماتے ہیں:-

"اجتہادی غلطیاں کیا پیشگوئیوں کے سمجھنے اور ان کا مصداق ٹھہرانے میں اور کیا دوسری تدبیروں اور کاموں میں ہر ایک نبی اور رسول سے ہوتی تھیں۔ اور ایک نبی بھی ان سے باہر نہیں۔" (حاشیہ صـ۷۱)

پس بے شک حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اس الہام

کہ "وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا" تین کو چار کرنے والا صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کو سمجھا۔ مگر درحقیقت اس طرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذہن کا انتقال انہ یجعل الثلثۃ اربعۃ کا الہام نازل ہونے کے بعد ہوا۔ ورنہ پہلے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرما دیا تھا۔ کہ اس الہام کے کہ "وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا" معنی سمجھ میں نہیں آئے۔" (اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء منقول از تبلیغ رسالت جلد اول صـ۶۰)

پس بعد میں اس مفہوم کی طرف ذہن کا منتقل ہونا ظاہر کرتا ہے۔ کہ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے الہام کی یہ تشریح آپ کا ذاتی اجتہاد تھا۔ اور آپ پر ۱۸۹۷ء میں جب یہ الہام ہوا کہ ایک اور لڑکا عطا کیا جائیگا۔ جو تین کو چار کرے گا۔ (انہ یجعل الثلثۃ اربعۃ) تو آپ نے سمجھا۔ کہ اسی کا ذکر ۱۸۸۶ء کے اس الہام میں بھی ہے۔ کہ "وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا"

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی وفات

پس یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنا اجتہاد تھا۔ جو ایک طرح درست بھی تھا مگر چونکہ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کا الہام "مصلح موعود" کے متعلق تھا۔ اور اس نے بھی تین کو چار کرنا تھا۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کو جنہوں نے ۱۸۹۷ء کے الہام انہ یجعل الثلثۃ اربعۃ کے ماتحت تین کو چار کیا۔ وفات دے دی۔ اور اس طرح ظاہر کر دیا۔ کہ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اس الہام کے وہ ہرگز مصداق نہیں کہ "وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا" کیونکہ یہ الہام مصلح موعود کے متعلق ہے۔ اور مصلح موعود نے "عمر پانے والا" (تبلیغ رسالت جلد اول صـ۱۲۲) ہونا ہے۔ مگر صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب تو چھوٹی عمر میں اُٹھا لئے گئے۔

جب صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی وفات ہوگئی۔ اور ۱۸۹۷ء کا الہام انہ یجعل الثلثۃ اربعۃ یعنی وہ تین کو چار کرے گا۔ پورا ہوگیا۔ تو پھر لوگوں کے سامنے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کا یہ الہام آگیا۔ کہ "وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا" اور چونکہ یہ الہام [illegible] موعود کے متعلق تھا۔ جس نے عمر پانے والا ہونا تھا۔ اس لئے خدا تعالےٰ کی حکمت نے [illegible] الہام کے حقیقی معنے اس وقت تک نہ کھولے جب تک کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح

الثانی ایدہ اللہ بنصرہ مصلح موعود ہو کر کھڑے نہ ہو گئے۔ پس جب خدا تعالےٰ نے آپ کو مصلح موعود بنایا تو آپ کے عہدِ مبارک میں خدا تعالےٰ نے اس الہام کے معنی بھی کھول دیئے۔ اور آپ کو عجیب رنگ میں تین کو چار کرنے والا بنا دیا۔

تین کو چار کس طرح کیا گیا

تعجب ہے۔ اہل پیغام لکھتے ہیں:۔ "میاں محمود احمد صاحب کسی رنگ میں بھی تین کو چار کرنے والے نہیں"۔ حالانکہ خدا تعالےٰ نے جسمانی اور روحانی دونوں طور سے آپ کے ذریعہ پیشگوئی کا یہ حصہ پورا فرما دیا ہے۔

جسمانی طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی ذریّت کو تین سے چار آپ نے اس طرح کیا۔ کہ پسر اول مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم و مغفور تھے۔ پسر دوم مرزا فضل احمد صاحب۔ پسر سوم بشیر اول اور پسر چہارم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ ہوئے اور اس طرح آپ نے تین کو چار کر دیا۔

روحانی لحاظ سے اس طرح کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سات بیٹے ہوئے مرزا سلطان احمد صاحب۔ مرزا فضل احمد صاحب۔ بشیر احمد (بشیر اوّل) سیدنا محمودؓ۔ حضرت مرزا بشیر احمدؐ صاحب۔ حضرت مرزا شریف احمد صاحب۔ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب۔ ان میں سے تین تو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی زندگی میں ہی وفات پا گئے یعنی مرزا فضل احمدؐ صاحب۔ بشیر اول۔ مرزا مبارک احمد صاحب۔

باقی چار میں سے تین حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے مصدق تھے لیکن چوتھے یعنی حضرت مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم و مغفور احمدیت سے باہر تھے اللہ تعالےٰ نے اس پیشگوئی کو پورا کرنے کے لئے محض اپنے فضل سے ایسے سامان کئے کہ حضرت مرزا سلطان احمدؐ صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ذریعہ اور آپ ہی کے ہاتھ پر احمدیت میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا۔ اور اس طرح نہایت شاندار طریق پر یہ پیشگوئی پوری ہوئی کہ "وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا"۔ (تبلیغ رسالت جلد اوّل صہ)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا دعویٰ

تیسرا امر یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کو

ان پیشگوئیوں کا مصداق ہونے کا دعوےٰ نہیں۔ میرے نزدیک یہ بھی ایک شدید غلط فہمی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز نے کبھی نہیں کہا۔ کہ آپ سبز اشتہار والی پیشگوئی کے مطابق مصلح موعود نہیں۔ بلکہ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز بارہا یہ امر بیان فرما چکے ہیں۔ کہ سبز اشتہار میں جس مصلح موعود کے کھڑے ہونے کی خبر دی گئی تھی۔ وہ آپ ہی ہیں۔ اور یہ کہ "سبز اشتہار اور اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء والی پیشگوئیاں دراصل ایک ہی شخص کے متعلق ہیں"۔ (الفضل ۲۷ فروری ۱۹۳۴ء صہ) اسی لئے وقتاً فوقتاً آپ نے ان علامات کو اپنے اوپر چسپاں بھی کیا ہے۔ جو ان الفاظ میں بیان کی گئی ہیں۔ کہ "دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ"۔ "وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا"۔ "اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا"

ہاں الوصیت میں جس مصلح موعود کی بعثت کی ان الفاظ میں خبر ہے۔ کہ

خدا نے مجھے خبر دی ہے۔ کہ میں تیری جماعت کے لئے تیری ہی ذریّت سے ایک شخص کو قائم کرونگا۔ اور اس کو اپنے قرب اور وحی سے مخصوص کرونگا۔ اور اس کے ذریعہ حق ترقی کرے گا۔ اور بہت سے لوگ سچائی کو قبول کرینگے۔ (حاشیہ صہ)

وہ آپ نہیں۔ بلکہ اس نے کسی اور زمانہ میں دُنیا میں عام خرابی پیدا ہونے کے وقت مبعوث ہونا ہے۔

اسی لئے تحفہ شہزادہ ویلز میں آپ نے ان الہامات کے ضمن میں جو آئندہ زمانہ کے متعلق ہیں۔ یہ امر بھی بیان فرمایا ہے۔ کہ "اللہ تعالےٰ آئندہ دُنیا کی اصلاح کے لئے آپ کی ذریّت اور آپ کی نسل میں سے ایک شخص کو کھڑا کرے گا۔ جو آپ کے کام کو تکمیل تک پہونچائیگا"۔ صہ ۱۱۲

مصلح موعود دو ہیں

پس درحقیقت مصلح موعود دو ہیں۔ ایک سبز اشتہار والی پیشگوئی کا مصداق دوسرا الوصیت کی پیشگوئی کا مصداق۔ سبز اشتہار کی پیشگوئی کے مطابق مصلح موعود یقینی طور پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز ہیں۔ اور دوسرا مصلح موعود جب خدا چاہے گا۔ مبعوث ہوگا۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

"سبز اشتہار میں جو "مصلح موعود" کی پیشگوئی ہے۔ اس میں مجھے کوئی شبہ نہیں۔ کہ وُہ میرے ہی متعلق ہے۔ البتہ الوصیت (حاشیہ صفحہ ۶) میں جو پیشگوئی ہے۔ وہ کسی مامور کے متعلق معلوم ہوتی ہے۔" (الفضل ۲۷ فروری ۱۹۴۴ء صفحہ ۶)

پھر اسی امر کا ذکر ایک ڈائری میں بدیں الفاظ بھی شائع ہو چکا ہے۔ کہ

"مصلح موعود" کے متعلق سبز اشتہار میں جو خبر ہے۔ اس سے پتہ لگتا ہے۔ کہ اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سلسلہ میں کسی جزوی خرابی کے پیدا ہونے کے وقت کھڑا ہونا ہے۔ ساری دُنیا میں عام خرابی پیدا ہو جانے کے وقت کھڑا نہیں ہونا۔ الوصیت والی پیشگوئی کے مصداق نے عام خرابی کے پیدا ہونے پر مبعوث ہونا ہے" (الفضل ۲۶ دسمبر ۱۹۳۳ء نمبر ۷۷ جلد ۲۱)

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا تعالیٰ نے بشیر اوّل کی وفات کے بعد جس بشیر ثانی اور محمود کی خبر دی تھی۔ خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ ہم نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور اس کی غلامی میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کی مخالفین اگر اب بھی اس پیشگوئی پر اعتراض کرتے ہیں۔ تو یہ ان کی رُوحانی نابینائی کا کھلا ثبوت ہے۔

آتھم کا انجام

دوسری پیشگوئی جس پر اعتراض کیا گیا ہے۔ آتھم کی ہلاکت کے متعلق ہے۔ اس پیشگوئی پر اعتراض کرتے وقت بھی سید حبیب سے بعض ایسی فروگذاشتیں ہوئی ہیں۔ جو اس صورت میں ہرگز واقع نہ ہوتیں جب وُہ سلسلۂ احمدیہ کے لٹریچر کا ایک دفعہ بھی مطالعہ کر لیتے۔ انہوں نے کہنے کو تو کہہ دیا ہے۔ کہ "راقم الحروف بلاخوف لومۃ لائم اعلان کرنے پر تیار ہے۔ کہ اس عاجز کی رائے میں مرزا صاحب کی پیشگوئی پوری نہیں ہوئی" مگر کیا ان کا یہ "اعلان" مبنی بر حقیقت ہے۔ کیا اس اعلان کے پس پردہ ان کی کامل تحقیق رہتا ہے۔ اور کیا وہ دیانتداری سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ انہوں نے اس پیشگوئی کے ہر پہلو پر پورے غور و فکر کرنے کے بعد یہ رائے قائم کی ہے اگر وہ ایسا کہیں گے۔ تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ انہوں نے اس باب میں احمدیت کا نقطۂ نظر معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اور اگر وُہ یہ کہنے پر تیار نہیں

تو خود ہی سوچیں۔ کہ کیا ایمانداری اسی کا نام ہے۔ کہ ایک فریق کے قول کو بغیر دوسرے کی بات سننے کے ترجیح دے دی جائے۔

بناوٹی افسانہ

سیّد حبیب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی متعلقہ آتھم کے الفاظ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :- "اس روحانی حربہ کا مطلب صاف ہے۔ کہ عیسائی مناظر (جو الوہیت مسیح کا قائل ہے) پندرہ ماہ کے عرصہ میں مرکر واصل جہنم ہوگا۔ لیکن ڈپٹی آتھم بجائے ۵ ستمبر ۱۸۹۴ء کے ۲۷ جولائی ۱۸۹۶ء کو فوت ہوئے۔"

اس کے بعد فرماتے ہیں :-

"اعتراض ہوئے تو مرزا صاحب نے اس کے جواب میں فرمایا۔ گو آتھم پندرہ ماہ میں نہیں مرا۔ لیکن مرا تو سہی۔ اس میں کیا حرج ہے۔ میعاد کو مت دیکھو مر تو گیا۔"

اس بالکل فرضی بے بنیاد اور بناوٹی افسانہ پر خود بخود سید حبیب یہ نتیجہ قائم کر لیتے ہیں :-

"عقیدتمند دماغ جو عذر چاہیں قبول کریں۔ اور مریدوں کے دل جہاں چاہیں سر تسلیم خم کر دیں۔ لیکن انصاف یہ ہے۔ کہ آتھم بے چارہ دوامی زندگی لے کر نہیں آیا تھا۔ مرنا تو اسے تھا ہی۔ مرزا صاحب کی پیشگوئی تب پوری سمجھی جاتی۔ کہ وہ مرزا صاحب کی بتائی ہوئی میعاد کے اندر فوت ہوتا۔ یوں فوت تو مرزا صاحب بھی ہوئے۔ لہذا آتھم کے بعد از میعاد مرجانے کو اپنی پیشگوئی کی صداقت کی دلیل ٹھیرانا حسن عقیدت کا حد سے متجاوز امتحان لینے کی کوشش کرنا ہے۔" (تحریک قادیان صفحہ ۱۱۸)

یہ وُہ سید صاحب کے بے پناہ معلومات ہیں۔ جن کا سہارا لیکر آپ احمدیت کا باطل ہونا ثابت کر رہے ہیں۔

آتھم کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی

اس پیشگوئی کی کیا حقیقت ہے۔ آتھم پندرہ ماہ میں کیوں نہ مرا۔ اور کیوں آتھم کی موت کو جو خواہ میعاد مقررہ کے بعد ہوئی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی صداقت کا نشان قرار دیا۔ ان سوالات کے حل کے لئے معلوم ہونا چاہئے۔ کہ ڈپٹی عبداللہ آتھم سے امرتسر میں ۱۸۹۳ء میں ۲۲ مئی سے ۵ جون تک پندرہ دن

عیسائیت کے بنیادی مسائل پر مباحثہ ہوتا رہا۔ پندرھویں دن حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اللہ تعالےٰ سے خبر پاکر یہ اعلان فرمایا۔ کہ

"آج رات جو مجھ پر کھلا۔ وُہ یہ ہے۔ کہ جبکہ میں نے بہت تضرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دعا کی۔ کہ تو اس امر میں فیصلہ کر۔ اور ہم عاجز بندے ہیں۔ تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ تو اس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے۔ کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمدًا جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے۔ اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے۔ اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے۔ وہ انہیں دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لیکر یعنی پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا۔ اور اس کو سخت ذلت پہونچے گی۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے۔ اس کی اس سے عزت ظاہر ہو گی۔ اور اس وقت جب یہ پیشگوئی ظہور میں آئے گی۔ بعض اندھے سوجاکھے کئے جاوینگے۔ اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے۔ اور بعض بہرے سننے لگیں گے" (کتاب مقدس آخر)

پیشگوئی کی غرض

اس پیشگوئی کی غرض یہ بیان فرمائی۔ کہ

"چونکہ ڈپٹی عبد اللہ آتھم صاحب قرآن شریف کے معجزات سے عمدًا منکر ہیں اور اس کی پیشگوئی سے بھی انکاری ہیں۔ اور مجھسے بھی اسی مجلس میں تین بیمار پیش کر کے ٹھٹھا کیا گیا۔ کہ اگر دین اسلام سچا ہے۔ اور تم فی الحقیقت ملہم ہو۔ تو ان تینوں کو اچھے کر کے دکھلاؤ۔ حالانکہ میرا یہ دعوٰے نہ تھا۔ کہ میں قادر مطلق ہوں۔ نہ قرآن شریف کے مطابق مؤاخذہ تھا۔ بلکہ یہ تو عیسائی صاحبوں کے ایمان کی نشانی ٹھہرائی گئی تھی کہ اگر وُہ سچے ایماندار ہوں۔ تو وُہ ضرور لنگڑوں اور اندھوں اور بہروں کو اچھا کرینگے مگر تاہم میں اس کے لئے دعا کرتا رہا۔"

گویا آتھم صاحب نے چونکہ قرآن مجید کے معجزات اور اس کی دائمی برکات سے انکار کیا۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ سے دعا کی۔ اور اس دعا کے جواب میں یہ نشان پایا۔ جس کو اوپر درج کر دیا گیا ہے۔

پیشگوئی میں آتھم کا نام نہیں بلکہ "فریق" کا لفظ ہے

اس پیشگوئی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں عبد اللہ آتھم کا نام نہیں بلکہ "فریق" کا لفظ ہے۔ اور جبکہ الہامی الفاظ میں محض فریق کا لفظ ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں۔ کہ فریق کو صرف عبد اللہ آتھم کے وجود کے ذریعہ محدود کر دیا جائے۔ اس میں شبہ نہیں۔ کہ عبد اللہ آتھم اس فریق مخالف کا ایک جزو تھا۔ اور چونکہ وہی مباحثہ کرتا رہا۔ اس لئے پیشگوئی کا سب سے زیادہ موضوع وہی سمجھا گیا لیکن در حقیقت یہ صرف عبد اللہ آتھم کے متعلق ہی پیشگوئی نہیں تھی۔ بلکہ دوسرے لوگ بھی جو اس بحث کے محرک یا مجوز یا آتھم کے موید تھے۔ اس میں شامل تھے پیشگوئی کے الفاظ یہ ہیں۔

"اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمدًا جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے۔ اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے۔ اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے۔ وہ انہیں دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر یعنی ۱۵ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاوے گا۔ اور اس کو سخت ذلت پہونچے گی۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔"

پس چونکہ پیشگوئی میں عبد اللہ آتھم کا نام نہیں۔ بلکہ فریق کا لفظ ہے۔ اس لئے در حقیقت اس پیشگوئی کا دائرہ وسیع ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام بھی فرماتے ہیں "پیشگوئی میں فریق مخالف کے لفظ سے جس کے لئے ہاویہ یا ذلت کا وعدہ تھا۔ ایک گروہ مراد ہے۔ جو اس بحث سے تعلق رکھتا ہے۔ خواہ خود بحث کرنے والا تھا یا معاون یا حامی یا سرگروہ تھا۔ ہاں مقدم سب سے ڈپٹی عبد اللہ آتھم تھا۔ کیونکہ وہی دوسرے عیسائیوں کی طرف سے منتخب ہو کر پندرہ دن جھگڑتا رہا۔ مگر در حقیقت اس لفظ کے حصہ دار دوسرے معاون اور محرک اور ان کے سرگروہ بھی تھے۔ کیونکہ عرفًا فریق اس تمام گروہ کا نام ہے جو ایک کام بالمقابل کرنے والا یا اس کام کا معاون یا اس کام کا بانی یا مجوز یا حامی ہو۔ اور پیشگوئی کی کسی عبارت میں یہ نہیں لکھا گیا۔ کہ فریق سے مراد صرف عبد اللہ آتھم ہے" (انوار اسلام صٓ)

عیسائیوں کا اعتراف کہ وہ اپنے آپ کو لفظ "فریق" کا مورد سمجھتے تھے

پھر اس امر کا ثبوت کہ فریق کے لفظ میں صرف عبد اللہ آتھم ہی داخل نہیں۔ بلکہ دوسرے عیسائی بھی شامل ہیں۔ یہ بھی ہے۔ کہ خود عیسائیوں کو اعتراف ہے۔ کہ وہ اپنے [illegible] کے لفظ میں داخل سمجھتے تھے۔

چنانچہ ڈاکٹر کلارک کی شہادت ہے۔ کہ" فریق کے لفظ میں ہم اپنے آپ کو داخل سمجھتے ہیں" یوسف خاں مسیحی نے ۲۰۔ اگست ۱۸۵۷ء کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور کے روبرو اپنا حلفی بیان یوں دیا۔ کہ

"میں نے یہی سمجھا تھا۔ کہ عبد اللہ آتھم کے واسطے یہ پیشگوئی ہے۔ مگر بعد میں مرزا صاحب نے زبانی تشریح کی تھی۔ کہ جو جو شخص فریق مخالف کا ہے۔ ہر ایک کے واسطے یہ پیشگوئی ہے۔ قادیان آٹھ نو روز بعد پہونچکر دریافت کیا تھا"

پھر مجسٹریٹ مقدمہ کپتان ڈگلس نے روئیداد پر بحث کرتے ہوئے لکھا۔

"اختتام مباحثہ پر مرزا غلام احمد نے پیشگوئی کی۔ کہ مسیحی جو مباحثہ میں شامل ہیں۔ پندرہ مہینے کے اندر مرجائینگے"

"لفظ ضعیف آدمی کو خدا بنانا صاف طور سے فریق کا تعلق عیسائی گروہ سے ظاہر کرتے ہیں جس فریق سے ڈاکٹر کلارک بھی ہے۔ اور قیاساً وہ شخص جس کا بعد ازاں ذکر ہے" (آئینۂ حق نما صـ۵۴ و صـ۵۵)

اس سے ظاہر ہے۔ کہ مسیحی گروہ جس کے متعلق پیشگوئی تھی۔ اس نے بھی اپنے آپ کو لفظ "فریق" میں داخل سمجھا۔ اور حلفاً اس کا اقرار کیا۔ پس اس پیشگوئی کو محض عبد اللہ آتھم سے مخصوص کرنا سید حبیب کی غلطی ہے۔ یہ وسیع الاثر پیشگوئی تھی جس میں ایک لحاظ سے بہت سے عیسائی شامل تھے۔ اور ایک لحاظ سے صرف عبد اللہ آتھم۔ کیونکہ وہ عیسائیوں کی طرف سے منتخب ہو کر آیا تھا۔ اور اسی نے عیسائیت کی تائید میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مباحثہ کیا تھا۔

فریق مخالف کی ذلت و رسوائی

پس جبکہ فریق سے مراد آتھم ہی نہ ہوا۔ بلکہ اس کے شرکاء بھی ہوئے۔ تو سوال یہ ہے۔ کہ کیا اس حیثیت سے یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ اور کیا یہ الفاظ سچ نکلے۔ کہ فریق مخالف "کو سخت ذلت پہونچے گی"

واقعات پر نگاہ رکھنے والے اس حقیقت سے ناآشنا نہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ پیشگوئی نہایت زبردست طریق پر پوری ہوئی۔

ڈاکٹر یوحنا جو مسیحیوں کا ایک اعلیٰ رکن اور اس مباحثہ کا بانی تھا۔ اور دوران مباحثہ

میں ہی مباحثہ طبع کرنے کا کام اس کے سپرد کیا گیا تھا۔ اور جنڈیالہ میں رہا کرتا تھا حضرت مسیح موعود کی اس پیشگوئی کے مطابق میعاد مقررہ کے اندر ہلاک ہو گیا۔ پھر

پادری رائٹ جو اپنی حیثیت اور منصب کے لحاظ سے مسیحی جماعت کا سرگروہ تھا عین جوانی میں ناگہانی موت سے اس جہان سے گذر گیا۔ اور اس کے مرنے کا عیسائیوں کو اتنا شدید غم پہونچا۔ کہ پادری عماد الدین نے ان الفاظ میں ایک بھرے جلسہ میں اظہار افسوس کیا کہ:۔ "آج رات خدا کے غضب کی لاٹھی ہم پر چلی۔ اور اس کی خفیہ تلوار نے بے خبری میں ہم کو قتل کیا" اسی طرح

پادری ٹامس ہاول جو آتھم کا مشیر و مؤید تھا۔ خطرناک بیمار ہو گیا۔ اور مر مر کر بچا اور پادری عبد اللہ نے بھی اس مصیبت سے حصہ لیا۔

عیسائیوں کو دعوتِ مقابلہ

پھر اسی عرصہ میں عیسائیوں کو ایک اور شدید ذلت پہونچی۔ اور وہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۱۷ مارچ ۱۸۹۴ء کو ایک اشتہار بعنوان "معیار الاخیار والاشرار" شائع فرمایا۔ جس میں پادری عماد الدین اور دوسرے پادریوں کو نور الحق کا جس میں قرآن مجید کے فضائل بیان کئے گئے ہیں عربی میں جواب لکھنے کا چیلنج کیا۔ اور پانچ ہزار روپیہ انعام مقرر کیا۔ اور لکھا۔ کہ" یہ روپیہ کسی بنک گورنمنٹ یا دوسری جگہ میں اول جمع کرادیا جاویگا" مگر تمام پادری اس کا جواب تیار کرنے سے عاجز رہ گئے۔ اور اس طرح اس ہزار لعنت کے مستحق ہوئے۔ جو نور الحق میں لکھی گئی ہے۔ ان متواتر ذلتوں اور مسیحیوں کی ان ناگہانی اموات سے جسے خود انہوں نے الٰہی غضب سے تعبیر کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ پیشگوئی نہایت بین اور روشن طریق پر پوری ہو گئی۔ کہ:۔

"دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے۔ اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے۔ اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے۔ وہ انہیں دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لیکر یعنی ۱۵ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاوے گا۔ اور اس کو سخت ذلت پہونچے گی۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے"

پیشگوئی کا دوسرا پہلو

اس کے بعد ہم پیشگوئی کے دوسرے پہلو کو لیتے ہیں۔ یعنی کہ پیشگوئی عبداللہ آتھم سے متعلق تھی۔ اور دیکھتے ہیں۔ کہ کیا اس حیثیت سے بھی یہ پیشگوئی پوری ہوئی؟ ہمارا دعوےٰ ہے کہ اس پہلو کے لحاظ سے بھی یہ پیشگوئی نہایت وضاحت سے پوری ہوئی ہے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک سخت لفظ کا استعمال

اس پیشگوئی کی بنیاد یہ تھی۔ کہ عبداللہ آتھم نے اپنی کتاب "اندرونۂ بائبل" میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو دجّال کہا تھا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اللہ تعالےٰ سے دعا کی۔ جس کے جواب میں یہ پیشگوئی ملی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے پیشگوئی کو بیان کرتے ہی فرما دیا۔

"اب ڈپٹی صاحب سے پوچھتا ہوں۔ کہ اگر یہ نشان پورا ہوگیا۔ تو کیا یہ سب آپ کے منشاء کے موافق کامل پیشگوئی اور خدا کی پیشگوئی ٹھہرے گی۔ یا نہیں ٹھہرے گی۔ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سچے نبی ہونے کے بارہ میں جن کو اندرونۂ بائیبل میں دجال کے لفظ سے آپ نامزد کرتے ہیں محکم دلیل ہوجائے گی۔ یا نہیں ہوجائے گی" (جنگ مقدس آخر)

اسی طرح نزول المسیح میں فرمایا۔

"عبداللہ آتھم نے مباحثہ سے کچھ دن پہلے اپنی کتاب اندرونۂ بائیبل میں ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت دجال کا لفظ لکھا تھا۔ جیسا کہ کتاب جنگ مقدس کے آخری صفحہ میں اس کا ذکر ہے۔ وہ شرارت اور شوخی اس کی مجھے تمام ایام بحث میں یاد رہی۔ اور میں دل وجان سے چاہتا تھا۔ کہ اس کی سرزنش کی نسبت کوئی پیشگوئی خدا تعالےٰ سے پاؤں"

(صفحہ ۱۶۴) پھر فرماتے ہیں:۔

"جب بحث کے دن ختم ہوگئے۔ تو میں نے خدا تعالےٰ کی طرف سے اطلاع پائی۔ کہ اگر آتھم اس شوخی اور گستاخی سے توبہ اور رجوع نہیں کرے گا۔ جو اس نے دجال کا لفظ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت اپنی کتاب میں لکھا۔ تو وہ ہاویہ میں پندرہ مہینہ کے اندر گرایا جائے گا" (صفحہ ۱۶۷)

اس سے ظاہر ہے۔ کہ پیشگوئی کی بنیاد یہ تھی۔ کہ آتھم نے اندرونۂ بائیبل میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت دجال کا لفظ لکھا تھا۔ اگر اس لفظ سے اس کا رجوع ثابت ہوجائے تو کسی عقلمند کی نگاہ میں عذاب کے ٹلنے میں کوئی حرج واقعہ نہیں ہوسکتا۔

پیشگوئی متعلقہ آتھم شرطی تھی

پھر پیشگوئی میں صاف یہ الفاظ موجود تھے۔ کہ "بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے"۔ جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ اگر وہ حق کی طرف رجوع کرے گا۔ تو یہ عذاب اس سے ہٹا لیا جائیگا۔ مگر سید حبیب کی دیانتداری ملاحظہ ہو۔ انہوں نے یہ تو لکھ دیا کہ "پیشگوئی تب پوری سمجھی جاتی۔ کہ وہ مرزا صاحب کی بتائی ہوئی میعاد کے اندر فوت ہوتا"۔ (تحریک قادیان صفحہ ۱۸۰) مگر اس امر کا ذکر تک نہیں کیا۔ کہ یہ پیشگوئی شرطی تھی۔ اور اس میں صاف طور پر لکھا ہوا تھا کہ حق کی طرف رجوع کرنے کی صورت میں وہ میعاد مقررہ میں فوت نہیں ہوگا۔

آتھم کا مرعوب وخوف زدہ ہونا

بہرحال جب یہ پیشگوئی کی گئی۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں۔

"جب آتھم کو ایسی مجلس میں جس میں ستّر سے زیادہ آدمی ہونگے۔ یہ پیشگوئی سنائی گئی۔ تو اس کا رنگ فق اور چہرہ زرد ہوگیا۔ اور ہاتھ کانپنے لگے۔ تب اس نے بلا توقف اپنی زبان منہ سے نکالی۔ اور دونوں ہاتھ کانوں پر دھر لئے۔ اور ہاتھوں کو معہ سر کے ہلانا شروع کیا۔ جیسا کہ ایک ملزم خائف ایک الزام سے سخت انکار کرکے توبہ اور انکسار کے رنگ میں اپنے تئیں ظاہر کرتا ہے۔ اور بار بار لرزتے ہوئے زبان سے کہتا تھا۔ کہ توبہ توبہ میں نے بے ادبی اور گستاخی نہیں کی۔ اور میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہرگز ہرگز دجال نہیں کہا۔ اور کانپ رہا تھا۔ اس نظارہ کو نہ صرف مسلمانوں نے دیکھا۔ بلکہ ایک جماعت کثیر عیسائیوں کی بھی اس وقت موجود تھی۔ جو اس عجز ونیاز کو بھی دیکھ رہی تھی۔ اس انکار سے اس کا یہ مطلب معلوم ہوتا تھا۔ کہ میری اس عبارت کے جو میں نے اندرونۂ بائیبل میں لکھی ہے۔ اور معنی ہیں۔ بہرحال اس نے اس مجلس میں قریبًا ستّر آدمی کے روبرو دجال کہنے کے کلمہ سے رجوع کرلیا۔ اور یہی وہ کلمہ تھا۔ جو اصل موجب اس پیشگوئی کا تھا۔ اس لئے وہ پندرہ مہینہ کے اندر مرنے سے بچ رہا۔ کیونکہ جس گستاخی کے کلمہ پر پیشگوئی کا مدار تھا۔ وہ کلمہ اس نے چھوڑ دیا۔ اور ممکن نہ تھا۔ کہ خدا اپنی شرط کو یاد نہ کرے۔ اور اگرچہ رجوع کی شرط سے فائدہ اٹھانے کے لئے اسی قدر کافی تھا۔ مگر آتھم نے صرف یہی نہیں کیا۔ کہ اپنے قول دجال کہنے سے باز آیا۔ بلکہ اسی دن سے جو اس نے پیشگوئی کو سُنا۔ اسلام پر حملہ کرنا اس نے بکلی چھوڑ دیا۔ اور پیشگوئی کا خوف اس کے دل پر روز بروز بڑھتا گیا۔ یہاں

تک کہ وُہ مارے ڈر کے سراسیمہ ہوگیا۔ اور اس کا آرام اور قرار جاتا رہا۔ اور یہاں تک اس نے اپنی حالت میں تبدیلی کی۔ کہ اپنے پہلے طریق کو جو ہمیشہ مسلمانوں سے مذہبی بحث کرتا تھا۔ اور اسلام کے رد میں کتابیں لکھتا تھا۔ بالکل چھوڑ دیا۔ اور ہر یک کلمۂ توہین اور استخفاف سے اپنا منہ بند کر لیا۔ بلکہ اس کے مونہہ پر مہر لگ گئی۔ اور خاموش اور غمگین رہنے لگا۔ اور اس کا غم اس درجہ تک پہونچ گیا۔ کہ آخر وہ زندگی سے نومید ہو کر بے قراری کے ساتھ اپنے عزیزوں کی آخری ملاقات کے لئے شہر بشہر دیوانہ پن کی حالت میں پھرتا رہا۔ اور اسی مسافرانہ حالت میں انجامکار فیروزپور میں فوت ہوگیا۔"
(نزول المسیح صفحہ ۱۶۵ تا ۱۶۷)

انوار الاسلام میں فرماتے ہیں:۔ "غور کرنے سے ظاہر ہوگا۔ کہ جو مسٹر عبد اللہ آتھم کے بارے میں یعنی سزائے ہاویہ کے بارے میں الہامی شرط تھی۔ وہ درحقیقت اسی سنت اللہ کے مطابق ہے۔ کیونکہ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ کہ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ لیکن مسٹر عبد اللہ آتھم نے اپنی مضطربانہ حرکات سے ثابت کر دیا۔ کہ اس نے اس پیشگوئی کو تعظیم کی نظر سے دیکھا۔ جو الہامی طور پر اسلامی صداقت کی بنیاد پر کی گئی تھی۔ اور خدا تعالےٰ کے الہام نے بھی مجھکو یہی خبر دی کہ ہم نے اس کے ہم اور غم پر اطلاع پائی۔ یعنی وُہ اسلامی پیشگوئی سے خوفناک حالت میں پڑا۔ اور اس پر رعب غالب ہوا۔ اس نے اپنے افعال سے دکھا دیا۔ کہ اسلامی پیشگوئی کا کیسا ہولناک اثر اس کے دل پر ہوا۔ اور کیسی اس پر گھبراہٹ اور دیوانہ پن اور دل کی حیرت غالب آگئی۔ اور کیسی الہامی پیشگوئی کے رعب نے اس کے دل کو ایک کچلا ہوا دل بنا دیا۔ یہاں تک کہ وُہ سخت بیتاب ہوا۔ اور شہر بشہر اور ہر یک جگہ ہراسان اور ترسان پھرتا رہا۔ اور اس مصنوعی خدا پر اس کا توکل نہ رہا۔ جس کو خیالات کی کجی اور ضلالت کی تاریکی نے الوہیت کی جگہ دے رکھی ہے۔ وہ کتوں سے ڈرا اور سانپوں کا اس کو اندیشہ ہوا۔ اور اندر کے مکانوں سے بھی اس کو خوف آیا۔ اس پر خوف اندوہم اور دلی سوزش کا غلبہ ہوا۔ اور پیشگوئی کی پوری ہیبت اس پر طاری ہوئی۔ اور وقوع سے پہلے ہی اس کا اثر محسوس ہوا۔ اور بغیر اس کے کہ کوئی امرتسر سے اس کو نکالتا آپ ہی ہراسان اور ترسان اور پریشان اور بیتاب ہو کر شہر بشہر بھاگتا پھرا۔ اور خدا نے اس کے دل کا آرام چھین لیا۔ اور پیشگوئی سے سخت متاثر ہو کر سراسیموں اور خوفزدوں

کی طرح جا بجا بھٹکتا پھرا۔ اور الہام الٰہی کا رعب اور اثر اس کے دل پر ایسا مستولی ہوا۔ کہ اس کی راتیں ہولناک اور دن بے قراری سے بھر گئے۔ اور حق کی مخالفت کی حالت میں جو جو دہشتیں اور قلق اس شخص پر وارد ہوتا ہے۔ جو یقین رکھتا ہے۔ یا ظن رکھتا ہے۔ کہ شاید عذاب الٰہی نازل ہو جائے۔ یہ سب علامتیں اس میں پائی گئیں۔ اور وُہ عجیب طور پر اپنی بے چینی اور بے آرامی جا بجا ظاہر کرتا رہا۔ اور خدا تعالےٰ نے ایک حیرتناک خوف اور اندیشہ اس کے دل میں ڈال دیا۔ کہ ایک پات کا کھڑکا بھی اس کے دل کو صدمہ پہونچاتا رہا۔ اور ایک کتے کے سامنے آنے سے بھی اس کو ملک الموت یاد آیا۔ اور کسی جگہ اس کو چین نہ پڑا۔ اور ایک سخت ویرانے میں اس کے دن گذرے۔ اور سراسیمگی اور پریشانی اور بیتابی اور بیقراری نے اس کے دل کو گھیر لیا۔ اور ڈرانے والے خیالات رات دن اس پر غالب رہے۔ اور اس کے ان تصوروں نے عظمت اسلامی کو رد نہ کیا۔ بلکہ قبول کیا۔ اس لئے وہ خدا جو رحیم و کریم اور سزا دینے میں دھیما ہے۔ اس نے اس کو اس صُورت پر نہ پایا جس صُورت میں فی الفور کامل ہاویہ کی سزا یعنی موت بلا توقف اس پر نازل ہوتی"
(صفحہ ۳ و ۴) اسی طرح فرماتے ہیں:۔

"رہا یہ کہ آتھم تاریخ مقررہ پر نہیں مرا۔ بلکہ اس کے بعد مرا۔ یہ عیسائیوں کی حماقت ہے۔ جو ایسا سمجھتے ہیں۔ کیا پیشگوئی میں یہ شرط نہ تھی۔ کہ آتھم اس حالت میں ہاویہ میں گریگا جب رجوع الی الحق نہ کرے۔ اب ذرا دل کو ٹھہرا کر اور آنکھوں کو کھول کر سوچو اور فکر کرو۔ کہ کیونکر آتھم نے اپنے اقوال سے اپنے افعال سے اپنی مضطربانہ حرکات سے اپنے خوف زدہ سے اس بات کو ثابت کر دیا۔ کہ درحقیقت پیشگوئی کی عظمت نے اس کے دل پر اثر کیا۔ اور درحقیقت وہ پیشگوئی کے زمانہ میں نہ معمولی طور پر بلکہ بہت ہی ڈرا اور وُہ خوف کے تمثلات اس کی آنکھوں کے سامنے بار بار آئے۔ جو قانونِ فطرت کی رو سے ان لوگوں کو دکھائی دیا کرتے ہیں۔ جو حد سے زیادہ ڈرتے ہیں۔
مثلاً امرتسر کے مقام میں اس نے سانپ دیکھا۔ کہ گویا وُہ ہمارے اشارہ سے اس پر حملہ کرتا ہے۔ اور لدھیانہ کے مقام میں نیزوں والے دیکھے۔ جو اس کو مارنا چاہتے ہیں اور فیروزپور کے مقام میں بندوقوں والوں کو دیکھا۔ کہ گویا اس کا کام تمام کرنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ حملے کسی انسان کی طرف سے ہوتے۔ تو ضرور آتھم صاحب اس سانپ کو مار سکتے

اور اگر سانپ ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ تو ان لوگوں میں سے کسی کو پکڑ سکتے۔ جنہوں نے لدھیانہ میں ان پر حملہ کیا تھا۔ اور اگر ان کو نہ پکڑ سکتے۔ تو ان لوگوں میں سے تو ضرور کسی کو پکڑتے جنہوں نے مقام فیروز پور میں ان کے داماد کی کوٹھی پر پہرہ والوں کے ہوتے ان پر حملہ کیا تھا۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں۔ کہ آتھم جیسے پیر جہاں دیدہ پر اس درجہ کی مذہبی دشمنی کی وجہ سے تین حملے ہوں۔ تو وہ نہ کسی اقدام قتل کرنے والے کو پکڑ سکے۔ اور نہ اس مدت میں کسی عیسائی کو اس واقعہ کی خبر دے سکے۔ اور نہ تھانہ میں رپورٹ لکھوا سکے۔ اور نہ عدالت میں نالش کر سکے۔ اور ہمارا مچلکہ بذریعہ عدالت لے سکے۔ اور منہ پر مہر لگ جائے۔" (انجام آتھم صفحہ ۸)

مخبوط الحواسی

علاوہ ازیں سیرۃ المہدی حصہ اول میں میاں فخر الدین صاحب ملتانی کی یہ روایت درج ہے۔ کہ

"جب میں ۱۹۱۰ء میں نور پور ضلع کانگڑہ میں تھا۔ تو ضلع کانگڑہ کے کورٹ انسپکٹر آف پولیس نے بعض دوسرے لوگوں کے ساتھ میری بھی دعوت کی۔ کورٹ انسپکٹر صاحب غیر احمدی تھے۔ مگر شریف اور متین آدمی تھے۔ اور نماز کے پابند تھے۔ انہوں نے دورانِ گفتگو میں بیان کیا۔ کہ جب آتھم کی پندرہ ماہی میعاد کا آخری دن تھا۔ تو اس وقت ان کی کوٹھی کے پہرہ کا انتظام میرے سپرد تھا۔ کوٹھی کے اندر آتھم کے دوست پادری وغیرہ تھے۔ اور باہر پولیس کا چاروں طرف پہرہ تھا۔ اس وقت آتھم کی حالت سخت گھبراہٹ کی تھی۔ اور بالکل مخبوط الحواسی کی سی صورت ہو رہی تھی۔ باہر دُور سے اتفاقاً کسی بندوق کے چلنے کی آواز آئی۔ تو آتھم صاحب کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ آخر جب ان کا کرب اور گھبراہٹ انتہا کو پہونچ گئے۔ تو ان کے دوستوں نے ان کو بہت سی شراب پلا کر بے ہوش کر دیا۔ اور آخری رات آتھم نے اسی حالت میں گذاری۔ صبح ہوئی۔ تو ان کے دوستوں نے ان کے گلے میں ہار پہنا کر اور ان کو گاڑی میں بٹھا کر سارے شہر میں خوشی کا جلوس پھرایا۔ اور اس دن لوگوں میں شور تھا۔ کہ مرزے کی پیشگوئی جھوٹی گئی۔ مگر کورٹ انسپکٹر صاحب بیان کرتے تھے۔ کہ ہم سمجھتے تھے۔ کہ جو حالت ہم نے آتھم صاحب کی دیکھی ہے۔ اس سے تو وُہ مر جاتے تو اچھا تھا۔"

غیر مرئی مخلوق

اسی طرح ماسٹر قادر بخش صاحب لدھیانوی کی یہ روایت ہے۔ کہ

"آتھم کی پندرہ ماہی میعاد کے دنوں میں لدھیانہ میں لوئیس صاحب ڈسٹرکٹ جج تھا آتھم چونکہ لوئیس صاحب کا داماد تھا۔ اس لئے لدھیانہ میں لوئیس صاحب کی کوٹھی پر آ کر ٹھہرا کرتا تھا۔ ایک دفعہ دورانِ میعاد میں آتھم لدھیانہ میں آیا۔ ان دنوں میں میرا ایک غریب غیر احمدی رشتہ دار لوئیس صاحب کے پاس نوکر تھا۔ اور آتھم کے کمرے کا پنکھا کھینچا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے اس سے پوچھا۔ کہ تم آتھم کا پنکھا کھینچا کرتے ہو۔ کبھی اس کے ساتھ کوئی بات بھی کی ہے۔ اس نے کہا صاحب (یعنی آتھم) رات کو روتا رہتا ہے۔ چنانچہ اس پر میں نے ایک دفعہ صاحب سے پوچھا تھا۔ کہ آپ روتے کیوں رہتے ہیں۔ تو صاحب نے کہا تھا۔ کہ مجھے تلواروں والے نظر آتے ہیں۔ میں نے کہا۔ تو پھر آپ ان کو پکڑوا کیوں نہیں دیتے۔ صاحب نے کہا۔ وہ صرف مجھے ہی نظر آتے ہیں۔ اور کسی کو نظر نہیں آتے۔" (سیرۃ المہدی حصہ اوّل صفحہ ۱۶۵ و ۱۶۶)

آتھم کا رجوع الی الحق

ان اقتباسات سے ظاہر ہے۔ کہ عبداللہ آتھم پیشگوئی کی میعاد مقررہ میں اللہ تعالےٰ کے عذاب کی ہیبت سے سخت مرعوب ہوا۔ اور اس نے کئی رنگوں میں رجوع الی الحق کا ثبوت، دیا۔

ا۔ دوران مباحثہ میں جس میں ستر سے زیادہ آدمی شامل تھے پیشگوئی سنتے ہی اس کا رنگ فق اور چہرہ زرد ہو گیا۔ ہاتھ کانپنے لگے۔ بلا توقف زبان منہ سے نکالی اور دونوں ہاتھ کانوں پر دھر لئے۔ اور بار بار لرزتی ہوئی زبان سے کہا۔ کہ توبہ توبہ میں نے بے ادبی اور گستاخی نہیں کی۔ اور نہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دجال کہا ہے

ب:۔ اسلام پر حملہ کرنا اس نے بکلی چھوڑ دیا۔ مسلمانوں سے بحثیں بند کر دیں۔ اور اسلام کے رد میں کتابیں لکھنا بھی ترک کر دیں۔

ج:۔ پیشگوئی کا خوف اس کے دل پر روز بروز بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ دیوانگی کی حالت تک پہونچ گیا۔

د:۔ اللہ تعالےٰ کے عذاب کے ڈر سے وُہ اکثر روتا رہا۔

ھ:- اس کے دل کا قرار چھین لیا گیا۔ اور وہ سراسیمگی کی حالت میں شہر بشہر پھرنے لگا۔
د:- شدت خوف سے اسے یوں معلوم ہوتا۔ کہ گویا سانپ اسے ڈسنے کے لئے دوڑے آتے ہیں۔ کبھی نیزوں اور کبھی بندوقوں اور تلواروں والے اپنے اوپر حملہ آور دیکھتا۔
ز:- اس کا خوف اس قدر ترقی کر گیا۔ کہ آخر پادریوں کو اسے سخت شراب پلا پلا کر بدمست کرنا پڑا۔

غرض جب آتھم نے رجوع الی الحق کیا۔ اور جس بناء پر پیشگوئی کی گئی تھی۔ اس میں اس نے اپنی اصلاح کی۔ اور پیشگوئی کی ہیبت سے مرنے سے پہلے ہی مر گیا۔ تو اللہ تعالےٰ نے جو رحیم و کریم ہے اور سزا دینے میں دھیما اسے پندرہ مہینہ میں ہلاک ہونے سے بچا لیا۔ پس آتھم کا نہ مرنا بھی حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی صداقت کا ثبوت ہے۔ کیونکہ پیشگوئی میں پہلے سے کہا گیا تھا۔ کہ عذاب تو آئے گا "بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے" جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ اگر وہ رجوع کر لے گا۔ تو نہیں مرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور آتھم کے نہ مرنے نے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا مامور من اللہ ہونا ثابت کر دیا

رجوع سے عذاب الٰہی کا ٹل جانا

اس امر کا ثبوت کہ اس قسم کے رجوع سے عذاب ٹل جاتا ہے۔ یہ بھی ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے لیکھرام کی ہلاکت پر لکھا۔

"اگرچہ میں لیکھرام کے معاملہ میں اس بات سے تو خوش ہوں۔ کہ خدا تعالےٰ کی پیشگوئی پوری ہوئی۔ مگر دوسرے پہلو سے میں غمگین ہوں۔ کہ وہ عین جوانی کی حالت میں مرا۔ اگر وہ میری طرف رجوع کرتا۔ تو میں اس کے لئے دعا کرتا۔ تا یہ بلا ٹل جاتی۔ اس کے لئے ضروری نہ تھا۔ کہ اس بلا کے رد کرانے کے لئے مسلمان ہو جاتا۔ بلکہ صرف اس قدر ضروری تھا۔ کہ گالیوں اور گندہ زبانی سے اپنے منہ کو روک لیتا۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۸۹)

چونکہ آتھم نے اس رنگ میں رجوع کر لیا۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے آنے والی بلا سے اسے بچا لیا۔

آتھم کا یہ رجوع الی الحق ایسی واضح بات ہے۔ کہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری بھی لکھتے ہیں:-

"ہم مانتے ہیں۔ کہ آتھم کو موت کا اندیشہ ہوا ہوگا۔ اور یقیناً ہوا ہوگا۔ اور اس خوف سے اس نے ہر ایک تدبیر سے کام لیا۔" (رسالہ الہامات مرزا صفحہ ۱۱)

پھر لکھتے ہیں:- "آتھم نے رجوع کیا۔ جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے۔" (الہامات مرزا صفحہ ۲۲)

قرآن مجید کی شہادات

اس جگہ یہ امر بیان کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ انابت۔ تضرع اور اللہ تعالےٰ کی طرف توجہ کرنے سے عذاب الٰہی کا ٹل جانا ایک ایسا مسلمہ اصل ہے۔ جسے قرآن مجید کی کامل تائید حاصل ہے۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ عذاب دخان کے وقت کفار درخواست کرینگے۔ کہ ربنا اکشف عنا العذاب انا مومنون۔ اے خدا اس عذاب کو ٹال دے۔ ہم ایمان لے آئینگے۔ فرماتا ہے۔ انا کاشفوا العذاب قلیلاً انکم عائدون (سورۃ دخان) یعنی ہم کچھ مدت کے لئے عذاب دور تو کر دینگے۔ مگر تم پھر اپنے کفر کی طرف لوٹ آؤ گے۔ یہ آیت اس امر پر قطعیۃ الدلالت ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ گو یہ بھی جانتا ہو۔ کہ عذاب دور ہو جانے کے بعد کوئی شخص اپنی کفر والی حالت کی طرف لوٹ آئے گا۔ پھر بھی اس کے تضرع اور ابتہال کی وجہ سے عذاب ہٹا لیتا ہے۔

اسی طرح فرماتا ہے۔ ماکان اللہ معذبھم وھم یستغفرون (انفال ع) یعنی اللہ تعالےٰ اس صورت میں عذاب نازل نہیں کیا کرتا جب کوئی انسان استغفار کر رہا ہو۔ اللہ تعالےٰ کی طرف اس کا رجوع ہو۔ اور وہ اس کی حفاظت و اعانت کا طالب ہو رہا ہو۔ دوسری جگہ فرماتا ہے۔ ماکان ربک لیھلک القری بظلم و اھلھا مصلحون (ہود ع) یعنی جب کسی بستی کے لوگ اپنے اندر نیکی کی روح رکھتے ہوں۔ تو خدا اسے ہلاکت سے بچا لیتا ہے۔

اسی طرح فرماتا ہے:- قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفر لھم ما قد سلف (انفال ع) یعنی ان کافروں سے کہدے۔ اگر یہ باز آ جائیں۔ تو خدا تعالےٰ ان کی گذشتہ شرارتوں سے چشم پوشی فرما دیگا۔

پھر فرماتا ہے۔ واذا مس الانسان الضر دعانا لجنبہ او قاعدا او قائما فلما کشفنا عنہ ضرہ مر کان لم یدعنا الی ضر مسہ کذالک زین للمسرفین

ماکانوا یعملون (سورۃ یونس) یعنی جب کسی انسان کو تکلیف پہونچتی ہے۔ تو وہ لیٹے بیٹھے اور کھڑے خدا کو پکارتا ہے لیکن جب ہم اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں۔ تو وُہ یوں ہوجاتا ہے۔ کہ گویا نہ کبھی اُسے دکھ پہونچا اور نہ اس نے ہمیں پکارا۔

ایک اور مقام پر فرماتا ہے۔ حتّٰی اذا کنتم فی الفلک وجرین بھم بریح طیبۃ وفرحوا بھا جاءتھا ریح عاصفٌ وجاءھم الموج من کل مکان وظنوا انھم احیط بھم دعوا اللّٰہ مخلصین لہ الدین۔ لئن انجیتنا من ھٰذہٖ لنکونن من الشاکرین۔ فلما انجاھم اذا ھم یبغون فی الارض بغیر الحق۔ (سورۃ یونس) یعنی جب لوگ کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں۔ اور خوش آئند ہوائیں انہیں لے چلتی ہیں۔ تو اچانک تند ہوا چلنی شروع ہوجاتی ہے۔ اور چاروں طرف سے موجیں ان کا احاطہ کرلیتی ہیں۔ تب وہ خیال کرتے ہیں۔ کہ اب مارے گئے۔ اس حالت میں وہ خدا تعالےٰ کو نہایت ہی اخلاص کے ساتھ پکارتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ اے خدا اگر تونے اس مصیبت سے ہمیں نجات دیدی۔ تو ہم تیرے بہت ہی شکرگذار ہونگے۔ مگر جب خدا انہیں نجات دے دیتا ہے۔ تو وہ اسی ظلم اور فساد پر قائم ہوجاتے ہیں۔ جس پر وہ پہلے ہوتے ہیں۔

پھر فرعونیوں کے ذکر میں قرآن مجید بیان کرتا ہے۔ کہ جب ان پر عذاب آتا تو وُہ حضرت موسٰے علیہ السّلام سے کہتے۔ یا ایھا الساحر ادع لنا ربک بما عھد عندک اننا لمھتدون۔ کہ اے جادوگر ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کر ہم ہدایت اختیار کرینگے حضرت موسٰے علیہ السّلام کی دعا کے بعد جب عذاب ان سے دُور ہوجاتا۔ تو وہ اپنے عہد کو توڑ دیتے جیسا کہ فرماتا ہے۔ فلمّا کشفنا عنھم العذاب اذا ھم ینکثون (زخرف ع۵) فرعونیوں نے اسی طرح کئی دفعہ جھوٹے وعدے کئے۔ اور جعلی رجوع کا اظہار کیا۔ اور ہر مرتبہ اللہ تعالےٰ نے اپنا عذاب ان سے دُور کر لیا۔ کیونکہ اس کی سنت ہے کہ وُہ انسان کو اس کے ادنےٰ رجوع کا بھی فائدہ پہونچاتا ہے۔

عذاب سے بچنے کے لئے نبی پر ایمان لانا شرط نہیں

وہ لوگ جو اس خیال باطل میں گرفتار رہتے ہیں۔ کہ عذاب سے بچنے کے لئے نبی پر ایمان لانا شرط ہے۔ یا کہا کرتے ہیں۔ کہ آتھم کا رجوع الی الحق تب ثابت ہوتا۔ جب وُہ

اسلام کو قبول کرلیتا۔ یا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام پر ایمان لے آتا۔ انہیں فرعونیوں کے رجوع پر غور کرنا چاہئے۔ وہ حضرت موسٰےؑ کو ساحر کا خطاب دے کر گویا ایک ایسا لفظ کہکر جو من وجہٍ دشنام دہی ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ دعا کر ہم سے عذاب ہٹا لیا جائے۔ اور اتنے سے رجوع سے ان سے عذاب ہٹا لیا جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے عذاب سے بچنے یا رجوع الی الحق کے لئے ایمان لانا ضروری نہیں۔ اور اگر ہو۔ تو بتلایا جائے۔ کیا نبی کو ساحر کہنا ایمان ہے؟

حضرت یونسؑ کا واقعہ

حضرت یونس علیہ السّلام کی قوم کا واقعہ بھی اسی ضمن میں قابل غور ہے۔ روایات میں آتا ہے۔ کہ ان اللّٰہ بعث یونس الی اھل نینوٰی وھی ارض الموصل فکذبوہ فوعدھم بنزول العذاب فی وقت معین وخرج عنھم مغاضبا۔ (فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۳۲۳) یعنی اللہ تعالےٰ نے حضرت یونس علیہ السّلام کو علاقہ موصل کے شہر نینوٰی کی طرف مبعوث کرکے بھیجا۔ مگر لوگوں نے ان کی تکذیب کی۔ تب حضرت یونس نے انہیں وقت معین میں عذاب نازل ہونے کی خبر دی۔ اور آپ غضبناک ہو کر وہاں سے چلے گئے۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔ وکان یونس قال لھم ان اجلکم اربعون لیلۃ (جلد ۵ صفحہ ۴۲) یعنی حضرت یونس نے انہیں کہا۔ کہ چالیس رات تک تم پر عذاب آجائیگا۔ مگر جب اللہ تعالےٰ کا عذاب آیا۔ تو لبسوا المسوح وبرزوا الی الصعید بانفسھم ونساءھم وصبیانھم واظھروا الایمان والتوبۃ وتضرعوا فرحمھم وکشف عنھم (تفسیر النیسابوری جلد ۱۱ برحاشیہ ابن جریر جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۸) انہوں نے ٹاٹ کے کپڑے پہن لئے۔ اور مردوں اور عورتوں اور بچوں سمیت ایک کھلے میدان میں اللہ تعالےٰ کے حضور تضرع و انکسار سے زاری کرنے لگے۔ اور ایمان کا اظہار کیا تب خدا تعالےٰ نے ان پر رحم کیا۔ اور وُہ عذاب ان سے دُور کردیا۔ قرآن مجید میں بھی آتا ہے۔ فلولا کانت قریۃ آمنت فنفعھا ایمانھا الا قوم یونس لما آمنوا کشفنا عنھم عذاب الخزی فی الحیوۃ الدُّنیا ومتعنٰھم الی حین۔ یعنی کیوں ایسا نہ ہوا۔ کہ ہلاک شدہ بستیوں کے لوگ ایمان لاتے۔ اور اس کے بدلے عذاب سے بچائے جاتے۔ ہاں یونس کی قوم ایک ایسی تھی۔ کہ وُہ ایمان لے آئی۔ پس ہم نے اس سے

دُنیا کی زندگی میں رسواکن عذاب دور کر لیا۔ اور ایک عرصہ تک فوائد دنیاوی سے متمتع فرمایا

وعید کے التواء کے لئے کامل ایمان لازمی نہیں

یہ نصوص قرآنیہ صاف طور پر یہ حقیقت مبرہن کر رہی ہیں۔ کہ وعید کے التوا کے لئے حقیقی اور کامل ایمان لازمی نہیں۔ بلکہ بسا اوقات ناقص اور عارضی ایمان جیسا کہ فرعونیوں کا تھا یا جیسا کہ عذاب دخان کے وقت کفار کی درخواست تھی۔ اللہ تعالےٰ کے عذاب میں التواء کا موجب ہو جاتا ہے۔

جب یہ سنت اللہ ہے۔ اور جبکہ اسی سنت اللہ کے ماتحت یونسؑ کی قوم سے اس وقت عذاب ہٹا لیا گیا۔ جبکہ اس نے ٹاٹ کے کپڑے پہن لئے اور اللہ تعالےٰ کے حضور گڑگڑانا شروع کر دیا۔ تو کیا کوئی شخص یہ تسلیم کر سکتا ہے۔ کہ آتھم بھی اسی رنگ میں رجوع الی الحق کرتا۔ وہ روتا چیختا اور چلاتا۔ اللہ تعالےٰ کے حضور گریہ و زاری سے کام لیتا عذاب کے ڈر سے دیوانہ سا ہو جاتا۔ اس کا چین چھن جاتا۔ قرار بیقراری میں مبدل ہو جاتا۔ زندگی موت سے بدتر ہو جاتی اور وہ شہر بشہر اسی غم اور حزن اور پریشانی کی حالت میں دیوانہ وار پھرتا۔ اور پھر بھی خدا تعالےٰ اس سے عذاب دُور نہ کرتا۔ یقیناً ایسا خیال سنت اللہ سے سخت ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ اور پھر جبکہ پیشگوئی بھی شرطی تھی۔ اور صاف طور پر لکھا تھا۔ کہ عذاب اسی صورت میں آئے گا۔ جبکہ وہ حق کی رجوع نہ کرے گا۔ تو اس شرط کی موجودگی میں تو بدرجۂ اولیٰ اسے ہلاکت سے محفوظ رہنا چاہئے تھا۔ سو ایسا ہی ہُوا۔

آتھم کی دوبارہ سرکشی کی وجہ

لیکن چونکہ ایسا رجوع عموماً عارضی ہوتا ہے۔ اور عذاب کی میعاد گذرنے کے بعد پھر انسان سرکشی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں بھی آتا ہے۔ فلما انجاھم اذا ھم یبغون فی الارض بغیر الحق۔ یعنی جب ہم عذاب سے نجات دے دیتے ہیں۔ تو لوگ پھر سرکش ہو جاتے ہیں۔ اس لئے میعاد مقررہ گذرنے کے بعد جب آتھم پھر سرکش ہو گیا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سوال کیا گیا۔ کہ ”اگر آتھم نے حق کی طرف رجوع کیا تھا۔ تو اس کے آثار کیوں اس میں ظاہر نہیں۔“ حضور اس کے جواب میں فرماتے ہیں:۔

”درحقیقت یہ رجوع فرعونی رجوع کے موافق تھا۔ نہ حقیقی رجوع کے موافق۔ فرعون جب رجوع کرتا تھا۔ تو عذاب دُور کیا جاتا تھا۔ اور یہی عادت اللہ ہے۔ اور اس عادت اللہ کی تصدیق میں یہ آیت بھی گواہ ہے۔ ربنا اکشف عنا العذاب انا مؤمنون یعنی اے رب ہم سے عذاب کھول دے۔ کہ ہم ایمان لائے۔ اور پھر اس کے جواب میں فرماتا ہے انا کاشفوا العذاب قلیلاً انکم عائدون (سورۂ دخان) یعنی ہم تھوڑی مدت تک عذاب کھول دیتے ہیں۔ اور پھر تم عود کرو گے۔ اور کافر بن جاؤ گے یہ آیت اس بات پر صریح نص ہے۔ کہ خدا تعالےٰ ایک شخص کی تضرع کو قبول کر کے عذاب ٹال دیتا ہے۔ اور جانتا ہے۔ کہ پھر یہ کفر اور فسق کی طرف رجوع کرے گا۔ اور تضرع یا استغفار سے عذاب ٹالنا قدیم عادت اللہ ہے۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ بجز ایسے شخص کے کہ جو کمال تعصب سے اندھا ہو گیا ہو۔“ (انوار الاسلام صا۴۱)

وعید کے متعلق علماء اہل السنت کا عقیدہ

علماء اہل سنت کے نزدیک بھی وعید میں تخلف جائز ہے۔

۱۔ صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں۔ والاصل فی ھذا علی ما قال الواحدی ان اللہ عزوجل یجوز ان یخلف الوعید وان امتنع ان یخلف الوعد وبھذا وردت السنۃ ففی حدیث انس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من وعدہ اللہ تعالیٰ علی عملہ ثوابًا فھو منجز لہ ومن اوعدہ علی عملہ عقابًا فھو بالخیار ومن ادعیۃ الائمۃ الصادقین یامن اذا وعد وفا واذا توعد عفا وقد افتخرت العرب بخلف الوعید ولم تعدہ نقصًا کما یدل علیہ قولہٗ ؎

وانی اذا اوعدتہٗ او وعدتہٗ
لمخلفُ ایعادی ومنجز موعدی (جلد ۲ ص۱۵۵)

یعنی اس بحث میں مسلم اصل وہی ہے۔ جس کا علامہ واحدی نے بایں الفاظ ذکر کیا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ وعدوں کا تو ایفاء کرتا ہے۔ مگر وعید میں تخلف اس کے لئے جائز ہے۔ سنت سے بھی یہی ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے عمل خیر کے بدلہ میں اللہ تعالےٰ نے ثواب کا

وعدہ کرے۔ اُسے تو وہ پورا کرتا ہے لیکن جس کے متعلق سزا کا وعید کرے۔ تو اس کے متعلق اسے اختیار ہوتا ہے۔ چاہے تو سزا دے اور چاہے تو نہ دے۔ اسی لئے ائمہ صادقین ان الفاظ میں دعا کیا کرتے تھے۔ کہ اے وُہ ذات جو وعدوں کو پورا کرتی۔ اور وعید پر معافت کرتی ہے۔ اہل عرب بھی وعید کے خلاف کرنے پر فخر کرتے تھے۔ اور اسے نقص شمار نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ ایک شاعر کا قول ہے۔ کہ میں جب وعدہ کرتا ہوں۔ تو اسے پورا کرتا ہوں۔ لیکن وعید کروں۔ تو اس کا خلاف کرتا ہوں۔

۲۔ علامہ فخرالدین رازی لکھتے ہیں۔ عندی جمیع الوعیدات مشروطۃٌ بعدم العفو فلا یلزم من ترکہٖ دخول الکذب فی کلام اللہ تعالیٰ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۰۹) یعنی میرے نزدیک تمام وعید عدم عفو کے ساتھ مشروط ہیں پس اگر اللہ تعالےٰ وعید کو چھوڑ دے۔ تو اس سے اس کے کلام میں کذب لازم نہیں آتا۔

تفسیر بیضاوی میں بھی لکھا ہے۔ وعید الفساقِ مشروطٌ بعدم العفو (آل عمران رکوع اول زیر آیت ان اللہ لا یخلف المیعاد) یعنی خدا تعالےٰ فاسقوں کے متعلق جس قدر وعید کرتا ہے۔ ان میں مخفی طور پر یہ شرط موجود ہوتی ہے۔ کہ اگر خدا تعالےٰ نے معاف نہ کیا۔ تو عذاب آئے گا۔

۳۔ مسلم الثبوت میں لکھا ہے۔ آن الایعاد فی کلامہٖ تعالیٰ مقیدٌ بعدم العفو (صفحہ ۲۸) کہ اللہ تعالےٰ کے کلام و الہام میں ہر وعید عدم عفو کے ساتھ مقید ہوتا ہے۔ یعنی وعید اسی وقت تک رہتا ہے۔ جب تک کوئی شخص اپنی حالت میں اصلاح نہ کرے۔ اگر اصلاح کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے عفو کو جذب کرلے۔ تو وعید باطل ہو جاتا ہے۔

۴۔ اسی طرح لکھا ہے۔ ان آیات الوعد مطلقۃٌ وآیات الوعید وان وردت مطلقۃ لکنھا مقیدۃ۔ حذف قیدھا المزید التخویف (روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۱۹۰) یعنی وعدہ کی آیات بغیر کسی شرط کے ہوتی ہیں۔ لیکن وعیدی آیات خواہ بغیر کسی شرط کے مذکور ہوں۔ پھر بھی مقید ہوتی ہیں۔ اور وُہ قید اس لئے حذف کر دی جاتی ہے۔ تا زیادہ خوف دلایا جائے۔

۵۔ مولوی ثناء اللہ صاحب بھی لکھتے ہیں۔

"ہم مانتے ہیں۔ کہ انذاری عذاب نہ صرف ملتوی ہو جاتا ہے۔ بلکہ مرفوع بھی ہو جاتا ہے" (الہامات مرزا صفحہ ...)

پس جبکہ تضرع و ابتہال اور اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع کرنے پر عذاب الٰہی کا ملتوی ہو جانا علماء اہلسنت کے نزدیک ایک مسلمہ اصل ہے۔ اور جبکہ ہر وعیدی پیشگوئی عدم عفو کے ساتھ مشروط ہوتی ہے۔ خواہ پیشگوئی کے الفاظ میں اس کی صراحت ہو۔ یا نہ ہو۔ تو جبکہ عبداللہ آتھم کے متعلق بھی ایک وعیدی پیشگوئی تھی۔ اور جبکہ اس میں صراحت بھی کر دی گئی تھی۔ کہ عذاب اسی صورت میں آئے گا جبکہ وہ حق کی طرف رجوع نہیں کرے گا۔ تو کیا حق کی طرف رجوع کرنے پر اس سے عذاب ہٹا نہ لیا جاتا۔ اور کیا اللہ تعالےٰ اپنی سنت کو فراموش کر دیتا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ ضروری تھا۔ کہ اللہ تعالےٰ اس کے رجوع کا اس کو فائدہ پہونچاتا۔ اور میعاد مقررہ میں ہلاک ہونے سے اسے محفوظ رکھتا۔ چنانچہ دُنیا جانتی ہے۔ کہ ایسا ہی ہوا۔

آتھم کو چیلنج

لیکن افسوس۔ پندرہ ماہ گذرنے کے بعد جب عیسائیوں اور نام نہاد مسلمانوں نے دیکھا۔ کہ عبداللہ آتھم ہلاک ہونے سے محفوظ رہا۔ تو بغیر اس کے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی سنت پر غور کرتے۔ بغیر اس کے کہ پیشگوئی کے الفاظ کو دیکھتے اور بغیر اس کے کہ عبداللہ آتھم کی حالت زار کا مشاہدہ کرتے۔ انہوں نے اس شور سے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ کہ نعوذ باللہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ پیشگوئی غلط ثابت ہوئی۔ عیسائیوں نے تو شور مچانا ہی تھا۔ بے غیرت مسلمان بھی عیسائیوں کے ہمنوا ہو گئے۔ اور وُہ اسلام کے ایک زبردست پہلوان کو گرانے کے لئے اپنے ناپاک ارادوں کے ساتھ متحد ہو گئے۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نہ ایک نہ دو نہ تین بلکہ متواتر سات اشتہارات شائع کئے۔ جن میں آتھم کو چیلنج دیا۔ کہ اگر وُہ سمجھتا ہے۔ کہ پیشگوئی غلط ثابت ہوئی۔ تو ایک بھرے جلسہ میں مؤکد بعذاب حلف اس مضمون کی اٹھائے۔ کہ میں نے ان پندرہ ماہ میں حق کی طرف رجوع نہیں کیا۔ اور چار ہزار روپیہ انعام وصول کرے۔ مگر آتھم اس کے لئے تیار نہ ہوا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا قطعی اعلان

تب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ سے خبر پا کر یہ اعلان فرمایا:۔

ا۔ "اگر آتھم صاحب قسم کھا لیویں۔ تو وعدہ ایک سال قطعی اور یقینی ہے۔ جس کے ساتھ کوئی بھی شرط نہیں۔ اور تقدیر مبرم ہے۔ اور اگر قسم نہ کھاویں تو پھر بھی خدا تعالےٰ ایسے مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑے گا۔ جس نے حق کا اخفا کر کے دُنیا کو دھوکا دینا چاہا۔ اور وہ دن نزدیک ہیں

دور نہیں۔" (اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ صلا)

۲۔ "اس ہماری تحریر سے کوئی یہ خیال نہ کرے۔ کہ جو ہونا تھا وہ سب ہو چکا۔ اور آگے کچھ نہیں۔ کیونکہ آئندہ کے لئے الہام میں یہ بشارتیں ہیں ونمزق الاعداء کل ممزق ہم دشمنوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینگے یعنی اپنی حجت کامل طور پر ان پر پوری کر دینگے۔" (انوار الاسلام صلا)

۳۔ "اور یاد رہے کہ مسٹر عبد اللہ آتھم میں کامل عذاب (یعنی موت) کی بنیادی اینٹ رکھ دی گئی ہے۔ اور وہ عنقریب بعض تحریکات سے ظہور میں آجائے گی۔ خدا تعالےٰ کے تمام کام اعتدال اور رحم سے ہیں۔ اور کینہ ور انسان کی طرح خواہ نخواہ جلد باز نہیں۔" (انوار الاسلام صنا)

۴۔ "یہ کنارہ کشی آتھم کی (یعنی قسم سے انکار کرنا) بے سود ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑتا۔ نادان پادریوں کی تمام یاوہ گوئی آتھم کی گردن پر ہے۔ اگرچہ آتھم نے نالش اور قسم سے پہلو تہی کر کے اپنے اس طریق سے صاف جتلا دیا۔ کہ ضرور اس نے رجوع بحق کیا۔ اور تین حملوں کے طرز وقوع سے بھی جن کا وہ مدعی تھا۔ کھلے طور پر بتلا دیا کہ وہ حملے انسانی حملے نہیں تھے۔ مگر پھر بھی آتھم اس جرم سے بری نہیں ہے۔ کہ اس نے حق کو علانیہ طور پر زبان سے ظاہر نہیں کیا۔" (ضیاء الحق مطبوعہ مئی ۱۸۹۵ء صلا)

۵۔ "مقرر تھا۔ کہ وہ کامل عذاب (یعنی موت) اس وقت تک تھما رہے۔ جب تک کہ وہ (یعنی آتھم) بیباکی اور شوخی سے اپنے ہاتھ سے اپنے لئے ہلاکت کے اسباب پیدا کرے۔" (انوار الاسلام صلا)

۶۔ "وہ بڑا ہاویہ جو موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس میں کسی قدر (آتھم صاحب کو) مہلت دی گئی ہے۔ (یعنی تھوڑی سی مہلت کے بعد پھر موت آئیگی۔" (انوار الاسلام صلا)

آتھم کی وفات

پس عبد اللہ آتھم نے جب قسم کھانے سے انکار کیا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اللہ تعالےٰ سے خبر پاکر نہایت صراحت سے یہ امر بیان فرما دیا۔ کہ "اس انکار سے جو ان کا اصل مدعا ہے۔ یعنی باقی ماندہ عمر سے ایک کافی حصہ پانا۔ یہ ان کو ہرگز حاصل نہیں ہوگا۔ بلکہ انکار کے بعد جو ان کی بے باکی کی علامت ہے۔ جلدی اس جہان سے اٹھائے جائینگے۔" (انجام آتھم صلا)

چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق ۲۷ جولائی ۱۸۹۶ء کو فیروز پور میں عبد اللہ آتھم وفات پا گیا۔ اور

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے تحریر فرمایا۔ "ہمارا آخری اشتہار جو آتھم صاحب کے قسم کھانے کے لئے دیا گیا۔ اس کی تاریخ ۳۰ دسمبر ۱۸۹۵ء ہے۔ اس کے بعد آتھم صاحب کا انکار کمال کو پہونچ گیا۔ کیونکہ انہوں نے باوجود اس قدر ہمارے اشتہارات کے کہ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا نکلا۔ یہاں تک کہ سات اشتہار دیئے گئے۔ مگر پھر بھی انہوں نے وہ گواہی جو ان پر فرض تھی۔ ادا نہیں کی۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے ان کو اس پیشگوئی کے اثر سے خالی نہ چھوڑا۔ چنانچہ سات اشتہار پر سات دفعہ انکار کرنے کے بعد آخر ساتویں اشتہار سے سات مہینے پیچھے موت ان پر وارد ہوگئی۔" (انجام آتھم صلا)

جماعت احمدیہ کی حیرت انگیز ترقی

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اس پیشگوئی میں یہ بھی فرمایا تھا کہ:۔

"جب یہ پیشگوئی ظہور میں آوے گی بعض اندھے سوجاکھے کئے جاوینگے۔ اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے۔ اور بعض بہرے سننے لگیں گے۔"

یہ استعارہ کے رنگ میں جماعت احمدیہ کی ترقی کی طرف اشارہ تھا۔ اور اس میں بتایا گیا تھا۔ کہ اللہ تعالےٰ اس پیشگوئی کے بعد سلسلۂ احمدیہ میں بہت لوگوں کو داخل فرمائیگا کئی روحانی اندھے بینا ہو جائینگے۔ کئی روحانی بہرے سننے لگیں گے۔ اور کئی روحانی لنگڑے تندرست ہو کر چلنے پھرنے لگیں گے۔ اللہ تعالےٰ کے فضل سے پیشگوئی کا یہ حصہ بھی نہایت شاندار طریق پر پورا ہوا۔ آتھم کے مباحثہ کے وقت سلسلہ احمدیہ میں داخل ہونے والے افراد کی تعداد ایک ہزار سے زائد نہیں تھی۔ مگر آج خدا تعالےٰ کے فضل سے دس لاکھ سے بھی زیادہ افراد اس مقدس جماعت میں شامل ہیں۔ اور سلسلہ کی ہیبت اور عظمت کا مخالفین کے قلوب پر اتنا گہرا اثر ہے۔ کہ وہ تقریر و تحریر کے ذریعہ اس کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

پھر ایک تو وہ زمانہ تھا۔ کہ آتھم سے مباحثہ کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بذات خود جانا پڑا۔ مگر آج وہ زمانہ ہے۔ کہ جماعت احمدیہ کا بچہ بچہ عیسائیت کا تار پود بکھیرنے کے لئے تیار بیٹھا ہے۔ یہ وہ کامیابی اور عروج ہے جس کا خدا تعالےٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا۔ اس کا وعدہ پورا ہوا۔ اور جماعت احمدیہ نے ترقی کی۔ اور ترقی کرتی چلی جائے گی۔ مگر افسوس ان لوگوں پر جن کی قسمت میں ہدایت پانا نہ ہو۔ اور جن کا یہی شیوہ ہو

کہ وہ سُنے سُنائے اعتراضات رٹ کر عقل و سمجھ سے کام لئے بغیر انہیں دہراتے رہیں۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کا قادیان آنا

سید حبیب صاحب نے عبداللہ آتھم کی پیشگوئی پر اعتراض کرنے کے بعد مولوی ثناء اللہ صاحب کے قادیان آنے کی بحث اٹھائی ہے۔ اور تعجب یہ کہ اس باب میں انہوں نے اول سے آخر تک مولوی ثناء اللہ صاحب کا بیان درج کر دیا ہے۔ اور لکھا ہے

"مجھے مولانا ثناء اللہ صاحب کے بیان میں کوئی مبالغہ یا غلط بیانی یا اخفائے حق یا تلبیس حق و باطل کا نشان نہیں ملا" مگر یہ سید حبیب کی حد سے متجاوز حسن ظنی یا انتہائی غلط فہمی ہے۔ جس کا وُہ شکار ہوئے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کا عقیدہ

انہیں معلوم ہونا چاہئے۔ کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے بمقدمہ کرم الدین ۳۱۔ مئی ۱۹۰۴ء کو بمقام گورداسپور عدالت میں یہ حلفی بیان دیا تھا۔ کہ اگر انسان

"کسی جائز بدلہ لینے کی غرض سے دروغ۔ دھوکا۔ دغا۔ جعلسازی۔ بہتان۔ نفاق استعمال میں لائے۔ تو وُہ کذاب نہیں ہوگا۔ اگر جھوٹ ایک دفعہ بولا ہے۔ اور ہزارہا میں پھیلایا گیا ہے۔ تو وہ کذاب نہیں ہوگا۔ کیونکہ ایک ہی فعل ہے۔ اس میں شدت نہیں آئی"

"زنا کرنے والا ایک قسم کا متقی ہے۔ قرآن کریم کا کوئی حکم بھی توڑنے والا متقی ہو سکتا ہے۔ دروغگو میں اگر اور اوصاف شرعیہ ہیں۔ تو وُہ ایک معنی میں متقی ہو سکتا ہے"

(نقل مصدقہ عدالت مورخہ ۲۹ اپریل ۱۹۱۹ء)

اسی طرح ان کا مذہب ہے۔ کہ

"انسان گناہِ کبیرہ یعنی چوری۔ زنا۔ اور جھوٹ وغیرہ بول کر بھی متقی رہ سکتا ہے"

(اہلحدیث ۲۴ دسمبر ۱۹۰۹ء)

پس جس شخص کا مذہب یہ ہو۔ کہ چوری۔ زنا۔ اور جھوٹ وغیرہ گناہ کبائر کا ارتکاب کرکے بھی انسان کے اتقاء میں کوئی نقص واقع نہیں ہو سکتا۔ اور یہ کہ جائز بدلہ لینے کی غرض سے دروغ۔ دھوکا۔ دغا۔ جعلسازی بہتان اور نفاق کا استعمال بھی درست ہے۔ اس کے بیان میں اور بالخصوص ایسے بیان میں جو اپنے حریف کے مقابل پر شائع کر رہا ہو

صحت و درستی کا جس حد تک امکان ہو سکتا ہے۔ وُہ ظاہر ہے۔ لیکن سید حبیب کی سادگی ملاحظہ ہو۔ وہ اول سے آخر تک مولوی ثناء اللہ صاحب کے بیان کو ہر قسم کے مبالغہ غلط بیانی اخفائے حق یا تلبیس حق و باطل سے منزہ سمجھتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے جو کچھ لکھا وہ درست ہے۔

پیشگوئیوں کے متعلق تحقیق کرنے کیلئے قادیان آنے کی دعوت

بہر حال مولوی ثناء اللہ صاحب کے بیان کے مطابق پہلی بحث انہوں نے اس امر پر کی ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السَّلام نے اعجاز احمدی میں مولوی ثناء اللہ صاحب کو اپنی پیشگوئیوں کی صداقت کے متعلق تحقیقات کرنے کے لئے قادیان آنے کی دعوت دی تھی مگر جب مولوی ثناء اللہ صاحب قادیان پہونچ گئے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السَّلام نے اپنے وعدے کا ایفاء نہ کیا۔ اور انہیں بے نیل مرام واپس لوٹنا پڑا۔ چونکہ اس بحث کے دوران میں سید حبیب نے اعجاز احمدی کے بعض ضروری اقتباسات جن سے نفس مضمون پر صحیح روشنی پڑتی تھی درج نہیں کئے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ پہلے انہیں درج کر دیا جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السَّلام مباحثہ مُد کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"یہی باتیں مولوی ثناء اللہ نے مقام مُد کے مباحثہ میں پیش کی تھیں۔ ان باتوں سے ہر ایک خدا ترس سمجھ سکتا ہے۔ کہ کہاں تک ان مولوی صاحبوں کی نوبت پہونچ گئی ہے۔ وُہ جوش تعصب سے منہاج نبوت کو۔ اور اس معیار کو جو نبیوں کی شناخت کے لئے مقرر ہے پیش نظر نہیں رکھتے۔ اور ہر ایک اعتراض ان کا سراسر جھوٹ اور شیطانی منصوبہ ہوتا ہے۔ اگر یہ سچے ہیں۔ تو قادیان میں آکر کسی پیشگوئی کو جھوٹی تو ثابت کریں۔ اور ہر ایک پیشگوئی کے لئے ایک ایک سو روپیہ انعام دیا جائیگا۔ اور آمدورفت کا کرایہ علیحدہ لیکن اس تفتیش کے وقت منہاج نبوت کو معیار صدق و کذب کیلئے ٹھہرا دیں" (اعجاز احمدی صفحہ ۱۱)

اسی طرح لکھا:۔

"مولوی ثناء اللہ نے موضع مُد میں بحث کے وقت یہی کہا تھا۔ کہ سب پیشگوئیاں جھوٹی نکلیں۔ اس لئے ہم ان کو مدعو کرتے ہیں۔ اور خدا کی قسم دیتے ہیں۔ کہ وُہ اس تحقیق کیلئے قادیان میں آویں۔ اور تمام پیشگوئیوں کی پڑتال کریں۔ اور ہم قسم کھا کر وعدہ کرتے ہیں۔ کہ ہر ایک پیشگوئی کی نسبت جو منہاج نبوت کی رُو سے جھوٹی ثابت ہو۔ ایک ایک سو روپیہ

ان کی نذر کرینگے - ورنہ ایک خاص تمغہ لعنت کا ان کے گلے میں رہے گا - اور ہم آمد و رفت کا خرچ بھی دینگے - اور کل پیشگوئیوں کی پڑتال کرنی ہوگی - تا آئندہ کوئی جھگڑا باقی نہ رہ جائے - اور اسی شرط سے روپیہ ملے گا - اور ثبوت ہمارے ذمہ ہوگا -

یاد رہے کہ رسالہ نزول المسیح میں ڈیڑھ سو پیشگوئی میں نے لکھی ہے - تو گویا جھوٹ ہونے کی حالت میں پندرہ ہزار روپیہ مولوی ثناء اللہ صاحب لے جائینگے - اور در بدر گدائی کرنے سے نجات ہوگی - بلکہ ہم اور پیشگوئیاں بھی معہ ثبوت ان کے سامنے پیش کر دینگے اور اسی وعدہ کے موافق فی پیشگوئی سو روپیہ دیتے جائینگے - اس وقت ایک لاکھ سے زیادہ میری جماعت ہے - پس اگر میں مولوی صاحب موصوف کے لئے ایک ایک روپیہ بھی اپنے مریدوں سے لونگا - تب بھی ایک لاکھ روپیہ ہو جائے گا - وہ سب ان کی نذر ہوگا - جس حالت میں دو دو آنہ کے لئے وہ در بدر خراب ہوتے پھرتے ہیں - اور خدا کا قہر نازل ہے - اور مُردوں کے کفن یا وعظ کے پیسوں پر گذارہ ہے - ایک لاکھ روپیہ حاصل ہو جانا ان کیلئے ایک بہشت ہے - لیکن اگر میرے اس بیان کی طرف توجہ نہ کریں - اور اس تحقیق کے لئے بپابندئ شرائط مذکورہ جس میں بشرط ثبوت تصدیق ورنہ تکذیب دونوں شرط ہیں - قادیان میں نہ آئیں - تو پھر لعنت ہے - اس لاف وگذاف پر جو انہوں نے موضع مُد میں مباحثہ کے وقت کی - اور سخت بے حیائی سے جھوٹ بولا " (اعجاز احمدی صـ۲۳)

ضروری شرائط

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی اس تحریر پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے - کہ آپ نے مولوی ثناء اللہ صاحب کے قادیان آنے اور پیشگوئیوں کے متعلق تحقیق کرنے کے سلسلہ میں چند شرائط عائد کی تھیں -

اوّل - قادیان آکر پیشگوئیوں کی تحقیق کرنے میں منہاج نبوت کو اور اس معیار کو جو نبیوں کی شناخت کے لئے مقرر ہے مدنظر رکھیں -

دوم - پیشگوئیوں کی تفتیش کے وقت منہاج نبوت کو ہی صدق و کذب کا معیار ٹھہرایا جائے

سوم - قادیان میں بغرض تحقیق آئیں نہ کہ مباحثہ کرنے کے لئے -

چہارم - تمام پیشگوئیوں کی پڑتال کریں - نہ کہ چند ایک کی - تا آئندہ کوئی جھگڑا باقی نہ رہ جائے

پنجم - پیشگوئیوں کی صداقت کا ثبوت دینا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ذمہ ہوگا -

ششم :- جو پیشگوئیاں منہاج نبوت کے رُو سے جھوٹی ثابت ہونگی - ان کے عوض ایک سو روپیہ فی پیشگوئی مولوی ثناء اللہ صاحب کو انعام دیا جائیگا -

ہفتم :- شرائط مذکورہ بالا کی پابندی بہرحال ضروری ہوگی -

ان شرائط پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے - کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے مولوی ثناء اللہ صاحب کو قادیان پیشگوئیوں پر مباحثہ کرنے کے لئے مدعو نہیں کیا - بلکہ انہیں اس لئے بلایا تھا - تا وہ پیشگوئیوں کے متعلق تحقیق کریں - اپنے شبہات حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے حضور پیش کریں - اور حضور ان کا ازالہ کرتے جائیں -

حضرت مسیح موعودؑ کی تحدّی

مگر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے قبل از وقت یہ اعلان فرما دیا - کہ

"واضح رہے - کہ مولوی ثناء اللہ کے ذریعے عنقریب تین نشان میرے ظاہر ہونگے - (۱) وہ قادیان میں تمام پیشگوئیوں کی پڑتال کے لئے میرے پاس ہرگز نہیں آئینگے - اور سچی پیشگوئیوں کی اپنے قلم سے تصدیق کرنا ان کے لئے موت ہوگی - (۲) اگر اس چیلنج پر وہ مستعد ہوئے - کہ کاذب صادق کے پہلے مرجائے - تو ضرور وہ پہلے مرینگے - (۳) اور سب سے پہلے اس اردو مضمون اور عربی قصیدہ کے مقابلہ سے عاجز رہ کر جلد تر ان کی روسیاہی ثابت ہو جائے گی " (اعجاز احمدی صـ۳۷)

چونکہ ہمارا روئے سخن صرف پہلے نشان کی طرف ہے - اس لئے دیکھنا یہ ہے - کہ آیا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا یہ نشان پورا ہوا - اور کیا مولوی ثناء اللہ صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے بیان فرمودہ شرائط کے مطابق قادیان آکر پیشگوئیوں کی تفتیش کی - واقعات بتاتے ہیں - کہ گو مولوی ثناء اللہ صاحب قادیان آئے - مگر وہ تحقیق حق اور پیشگوئیوں کی تفتیش کے لئے حسب شرائط نہیں آئے - بلکہ اس لئے آئے - کہ تا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام سے مباحثہ کریں - حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام مباحثات کو بند کرنے کا اعلان فرما چکے تھے - اور کسی جگہ بھی آپ نے مباحثہ کے لئے مولوی ثناء اللہ صاحب کو دعوت نہ دی تھی -

مولوی ثناء اللہ صاحب کا بغیر اطلاع دیئے آنا

مولوی ثناء اللہ صاحب دس جنوری ۱۹۰۳ء کو قادیان پہونچے - اور سب سے پہلی

غلطی انہوں نے یہ کی۔ کہ وُہ بغیر اطلاع دیئے پہونچے۔ حالانکہ اخلاق اور حق جوئی کا تقاضا یہ تھا۔ کہ پہلے دریافت کر لیا جاتا۔ کہ آپ اعجاز احمدی کے چیلنج کے مطابق میرے لئے کونسی تاریخیں مقرر کر سکتے ہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ کی مصروفیت

دوسری چالاکی مولوی ثناء اللہ صاحب نے یہ کی۔ کہ انہوں نے عمداً قادیان پہونچنے کے لئے ایسے دنوں کا انتخاب کیا۔ جن میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام بے حد مصروف تھے۔ آپ ان دنوں مواہب الرحمٰن کی تصنیف اور طبع کے کام میں مشغول تھے۔ اور اس طرح بہت ہی کم فرصت آپ کو دوسرے کاموں کے لئے مل سکتی تھی۔ علاوہ ازیں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام اور آپ کے بعض خدام پر جہلم میں مقدمات دائر تھے۔ جن کے لئے ۱۵ جنوری کی صبح کو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے قادیان سے روانہ ہونا تھا۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے لئے یہ نہایت ہی مصروفیت کے ایام تھے۔ اور پھر مقدمہ کے لئے چونکہ آپ کو جلدی ہی قادیان سے باہر جانا تھا۔ اس لئے قادیان کا قیام بھی لمبا نہ تھا۔ پس مولوی ثناء اللہ صاحب نے چالاکی سے انہی دنوں میں قادیان پہونچنا ضروری خیال کیا۔ تا اگر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام مصروفیت کی وجہ سے وقت نہ نکال سکیں۔ تو اسی کو اپنی جھوٹی فتح کا نشان قرار دیں۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے جیسا کہ آگے چل کر بتایا جائے گا۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کی اس چالاکی کو بھی باطل کر دیا۔

آریہ مندر میں قیام

تیسری غلطی مولوی ثناء اللہ صاحب نے یہ کی۔ کہ جب وہ پیشگوئیوں کی تحقیق و تفتیش کے لئے ایک محقق کی صورت میں قادیان آئے تھے۔ تو انہیں چاہیئے تھا۔ کہ وُہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے پاس ٹھہرتے۔ مگر وُہ قادیان کے آریہ مندر میں ٹھہرے۔ اور اس طرح بھی حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ کہ "وہ قادیان میں تمام پیشگوئیوں کی پڑتال کے لئے میرے پاس ہرگز نہیں آئینگے"

مولوی ثناء اللہ صاحب کا رقعہ

بہر حال جب مولوی ثناء اللہ صاحب قادیان پہونچ گئے۔ تو انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو حسب ذیل رقعہ لکھا:۔

بخدمت جناب مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان!

خاکسار حسب دعوت آپ کے مندرجہ اعجاز احمدی ص۱۱ و ۲۳ قادیان میں اس وقت حاضر ہے۔ جناب کی دعوت قبول کرنے میں آج تک رمضان شریف مانع رہا۔ ورنہ اتنا توقف نہ ہوتا۔ میں اللہ جلّشانہٗ کی قسم کھاتا ہوں۔ کہ مجھے جناب سے کوئی ذاتی خصومت اور عناد نہیں۔ چونکہ آپ بقول خود ایک ایسے عہدۂ جلیلہ پر ممتاز و مامور ہیں۔ جو تمام بنی نوع کی ہدایت کے لئے عموماً اور مجھ جیسے مخلصوں کے لئے خصوصاً ہے۔ اس لئے امید ہے۔ کہ آپ میری تفہیم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرینگے۔ اور حسب وعدہ خود مجھے اجازت بخشیں گے۔ کہ میں مجمع عام میں آپ کی پیشگوئیوں کی نسبت اپنے خیالات ظاہر کروں۔ میں مکرر آپ کو اپنے اخلاص اور صعوبت سفر کی طرف توجہ دلا کر اس عہدۂ جلیلہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ کہ آپ مجھے ضرور ہی موقعہ دیں۔

ابوالوفا ثناء اللہ کفاہ اللہ از قادیان ۱۰۔ جنوری ۱۹۰۳ء

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا جواب

اس کا جواب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے یہ دیا:۔

از طرف عائذ باللہ الصمد غلام احمد عافاہ اللہ و ایّد۔ بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب۔ آپ کا رقعہ پہونچا۔ اگر آپ لوگوں کی صدق دل سے یہ نیت ہو۔ کہ اپنے شکوک و شبہات پیشگوئیوں کی نسبت یا ان کے ساتھ اور امور کی نسبت بھی جو دعوے سے تعلق رکھتے ہوں۔ رفع کراویں۔ تو یہ آپ لوگوں کی خوش قسمتی ہوگی۔ اور اگرچہ میں کئی سال ہوگئے۔ کہ اپنی کتاب انجام آتھم میں شائع کر چکا ہوں۔ کہ میں اس گروہ مخالف سے ہرگز مباحثات نہیں کرونگا۔ کیونکہ اس کا نتیجہ بجز گندی گالیوں اور اوباشانہ کلمات سننے کے اور کچھ ظاہر نہیں ہُوا۔ مگر میں ہمیشہ طالب حق کے شبہات دُور کرنے کیلئے تیار ہوں۔ اگرچہ آپ نے اپنے اس رقعہ میں دعوے تو کر دیا ہے۔ کہ میں طالب حق ہوں۔ مگر مجھے تامّل ہے۔ کہ اس دعوے پر آپ قائم رہ سکیں۔ کیونکہ آپ لوگوں کی عادت ہے۔ کہ ہر ایک بات کو کشاں کشاں بیہودہ اور لغو مباحثات کی طرف لے آتے ہیں۔ اور میں خدا تعالےٰ کے سامنے وعدہ کر چکا ہوں۔ کہ ان لوگوں سے مباحثات ہرگز نہیں کرونگا۔ سو وُہ طریق جو مباحثات سے بہت دُور ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ آپ اس

مرحلہ کو صاف کرنے کے لئے اوّل یہ اقرار کریں۔ کہ آپ منہاج نبوت سے باہر نہیں جائینگے۔ اور وُہ اعتراض نہ کرینگے۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر یا حضرت عیسٰے یا حضرت موسٰے یا حضرت یونسؑ پر عائد ہوتا ہو۔ اور اس کی حدیث اور قرآن کی پیشگوئیوں پر زد نہ ہو۔ دوسری یہ شرط ہوگی۔ کہ آپ زبانی بولنے کے ہرگز مجاز نہیں ہونگے۔ صرف آپ مختصر ایک سطر یا دو سطر تحریر دیدیں۔ کہ میرا یہ اعتراض ہے۔ پھر آپ کو عین مجلس میں مفصل جواب سنایا جاوے گا۔ اعتراض کے لئے لمبا لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایک سطر یا دو سطر کافی ہیں۔ تیسری یہ شرط ہوگی۔ کہ ایک دن میں صرف ایک ہی آپ اعتراض پیش کرینگے۔ کیونکہ آپ اطلاع دے کر نہیں آئے۔ چوروں کی طرح آگئے۔ اور ہم ان دنوں میں بباعث کم فرصتی اور کام طبع کتاب کے تین گھنٹے سے زیادہ وقت خرچ نہیں کرسکتے یاد رہے۔ کہ یہ ہرگز نہیں ہوگا۔ کہ عوام کالانعام کے روبرو آپ واعظ کی طرح لمبی گفتگو شروع کردیں۔ بلکہ آپ کو بالکل منہ بند رکھنا ہوگا۔ جیسے صُمٌّ بُکمٌ۔ یہ اس لئے کہ تا گفتگو مباحثہ کے رنگ میں نہ ہوجائے۔ اول صرف ایک پیشگوئی کی نسبت سوال کریں۔ تین گھنٹے میں اس کا جواب دے سکتا ہوں۔ اور ایک ایک گھنٹہ کے بعد آپ کو متنبہ کیا جاوے گا۔ کہ اگر ابھی تسلی نہیں ہوئی۔ تو اور کچھ لکھکر پیش کرو۔ آپ کا کام نہیں ہوگا کہ اس کو سنادیں۔ ہم خود پڑھ لیں گے۔ مگر چاہیئے۔ کہ دو تین سطر سے زیادہ نہ ہو۔ اس طرز میں آپ کو کچھ حرج نہیں ہے۔ کیونکہ آپ تو شبہات دور کرانے آئے ہیں۔ یہ طریق شبہات دور کرانے کا بہت عمدہ ہے۔ میں باواز بلند لوگوں کو سُنادُونگا کہ اس پیشگوئی کی نسبت مولوی ثناء اللہ صاحب کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا ہے اور اس کا یہ جواب ہے۔ اسی طرح تمام وساوس دُور کردیئے جائیں گے لیکن اگر یہ چاہو۔ کہ بحث کے رنگ میں آپ کو موقعہ دیا جاوے۔ تو یہ ہرگز نہیں ہوگا۔ چودھویں جنوری ۱۹۰۳ء تک میں یہاں ہوں۔ بعد میں ۱۵ جنوری ۱۹۰۳ء کو ایک مقدمہ پر جہلم جاؤنگا۔ سو اگرچہ بہت کم فرصتی ہے۔ لیکن ۱۴ جنوری ۱۹۰۳ء تک تین گھنٹے تک آپ کے لئے خرچ کرسکتا ہوں۔ اگر آپ لوگ کچھ نیک نیتی سے کام لیں۔ تو یہ ایک ایسا طریق ہے۔ کہ اس سے آپ کو فائدہ ہوگا۔ ورنہ ہمارا اور آپ لوگوں کا آسمان پر مقدمہ ہے خود خدا تعالےٰ فیصلہ کردے گا۔ والسلام علےٰ من اتبع الھدیٰ۔

سوچ کر دیکھ لو۔ کہ یہ بہتر ہوگا۔ کہ آپ بذریعہ تحریر جو سطر دو سطر سے زیادہ نہ ہو۔ ایک گھنٹہ کے بعد اپنا شُبہ پیش کرتے جائیں گے۔ اور میں وُہ وسوسہ دُور کرتا جاؤنگا۔ ایسا ہی صدہا آدمی آتے ہیں۔ اور وسوسے دُور کرا لیتے ہیں۔ ایک بھلا مانس شریف آدمی ضرور اس بات کو پسند کرے گا۔ جس کو اپنے وساوس دُور کرانے ہیں۔ اور کچھ غرض نہیں لیکن وُہ لوگ جو خدا سے نہیں ڈرتے۔ ان کی تو نیتیں ہی اور ہوتی ہیں۔ بالآخر اس غرض کے لئے اب آپ اگر شرافت اور ایمان رکھتے ہیں۔ تو قادیان سے بغیر تصفیہ کئے خالی نہ جاؤ دو قسموں کا ذکر کرتا ہوں۔ اوّل چونکہ میں انجام آتھم میں خدا تعالےٰ سے قطعی عہد کرچکا ہوں کہ ان لوگوں سے کوئی بحث نہیں کرونگا۔ اس وقت پھر اسی عہد کے مطابق قسم کھاتا ہوں کہ میں زبانی آپ کی کوئی بات نہیں سنونگا۔ صرف آپ کو یہ موقع دیا جاوے گا۔ کہ آپ اول ایک اعتراض جو آپ کے نزدیک سب سے بڑا اعتراض پیشگوئی پر ہو۔ ایک سطر یا دو سطر تک لکھکر پیش کریں۔ اور جس کا یہ مطلب ہو۔ کہ یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ اور منہاج نبوت کی رُو سے قابل اعتراض ہے۔ اور پھر چپ رہیں۔ اور میں مجمع عام میں اس کا جواب دُونگا۔ جیسا کہ مفصل لکھ چکا ہوں۔ پھر دوسرے دن کو دوسری پیشگوئی اسی طرح لکھکر پیش کریں۔ یہ تو میری طرف سے خدا تعالےٰ کی قسم ہے۔ کہ میں اس سے باہر نہیں جاؤنگا۔ اور کوئی زبانی بات نہیں سنونگا۔ اور آپ کی مجال نہیں ہوگی۔ کہ ایک کلمہ بھی زبانی بول سکیں اور آپ کو خدا تعالےٰ کی قسم دیتا ہوں۔ کہ آپ اگر سچے دل سے آئے ہیں۔ تو اس کے پابند ہوجائیں۔ اور ناحق فتنہ و فساد میں عمر بسر نہ کریں۔ اب ہم دونوں میں سے ان دونوں قسموں میں سے جو شخص اعراض کرے گا۔ اس پر لعنت ہو۔ اور خدا کرے۔ کہ وُہ اس لعنت کا پھل بھی اپنی زندگی میں دیکھ لے۔ آمین۔ سو میں اب دیکھونگا۔ کہ آپ سنت نبوی کے مطابق اس قسم کو پورا کرتے ہیں یا قادیان سے نکلتے ہوئے اس لعنت کو ساتھ لے جاتے ہیں۔ اور چاہیئے۔ کہ اول آپ مطابق اس عہد مؤکد بقسم کے آج ہی ایک اعتراض دو تین سطر کا لکھکر بھیجدیں۔ اور پھر وقت مقرر کرکے مسجد میں مجمع کیا جاویگا اور آپ کو بلایا جاویگا۔ اور عام مجمع میں آپ کے شیطانی وساوس دور کردیئے جاوینگے۔ ۱۱ جنوری ۱۹۰۳ء

مرزا غلام احمدؐ عفی عنہٗ

مولوی ثناء اللہ صاحب کا جواب الجواب

مولوی ثناء اللہ صاحب نے اس خط کا یہ جواب دیا۔

اما بعد خاکسار ابوالوفا ثناء اللہ۔ بخدمت مرزا غلام احمد صاحب۔

آپ کا طولانی رقعہ مجھے پہنچا۔ مگر افسوس کہ جو کچھ تمام ملک کو گمان تھا۔ وہی ظاہر ہوا جناب والا جبکہ میں آپ کی حسب دعوت مندرجہ اعجاز احمدی صفحہ ۱۱ و ۲۳ حاضر ہوا ہوں اور صاف لفظوں میں رقعۂ اولیٰ میں انہی صفحوں کا حوالہ دے چکا ہوں۔ تو پھر اتنی طول کلامی جو آپ نے کی ہے۔ بجز العادة طبیعة ثانیة کے اور کیا معنی رکھتی ہے۔ جناب من کس قدر افسوس کی بات ہے۔ کہ آپ اعجاز احمدی کے صفحات مذکورہ پر تو اس نیازمند کو تحقیق کے لئے بلاتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں۔ کہ میں (خاکسار) آپ کی پیشگوئیوں کو جھوٹی ثابت کروں تو فی پیشگوئی مبلغ سو روپیہ انعام لوں۔ اور اس رقعہ میں آپ مجھ کو ایک دو سطر لکھنے کے پابند کرتے اور اپنے لئے تین گھنٹے تجویز کرتے ہیں۔ تلك اذًا قسمة ضيزىٰ۔ بھلا یہ کیا تحقیق کا طریق ہے۔ کہ میں تو ایک دو سطریں لکھوں۔ اور آپ تین گھنٹے تک فرماتے جائیں۔ اس سے صاف سمجھ میں آتا ہے۔ کہ آپ مجھے دعوت دے کر پچھتا رہے ہیں اور اپنی دعوت سے انکاری ہیں۔ اور تحقیق سے اعراض کرتے ہیں۔ جس کی بابت آپ نے مجھے صفحہ ۲۳ پر دعوت کی ہے۔ جناب والا کیا انہی دو سطروں کے لکھنے کے لئے آپ نے مجھے در دولت پر حاضر ہونے کی دعوت دی تھی۔ جس سے عمدہ میں امرت سر ہی میں بیٹھا ہوا کر سکتا تھا۔ اور کر چکا ہوں۔ مگر چونکہ میں اپنے سفر کی صعوبت کو یاد کر کے بلا نیل مرام واپس جانا کسی طرح مناسب نہیں جانتا۔ اس لئے میں آپ کی اس بے انصافی کو بھی قبول کرتا ہوں۔ کہ میں دو تین سطریں ہی لکھونگا۔ اور آپ بلاشک تین گھنٹے تقریر کریں۔ مگر اتنی اصلاح ہوگی۔ کہ میں اپنی دو تین سطریں مجمع میں کھڑا ہو کر سُنا دونگا۔ اور ہر ایک گھنٹہ کے بعد تین سطریں لکھکر پانچ نہایت دس منٹ تک آپ کے جواب کی نسبت رائے ظاہر کرونگا۔ چونکہ مجمع عام آپ پسند نہیں کرتے۔ اس لئے فریقین کے محدود آدمی ہونگے۔ جو پچیس پچیس سے زائد نہ ہونگے۔ ابوالوفا ثناء اللہ کفاہ اللہ از قادیان ۱۱ جنوری ۱۹۰۳ء

مولوی سید محمد احسن صاحب کا رقعہ

اس کا جواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے مولوی سید محمد احسن صاحب

نے مولوی ثناء اللہ صاحب کو حسب ذیل دیا۔

مولوی ثناء اللہ صاحب۔ آپ کا رقعہ حضرت اقدس امام الزمان مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰة والسّلام کی خدمت مبارک میں سُنا دیا گیا۔ چونکہ مضامین اس کے محض عناد اور تعصب آمیز تھے۔ جو طلب حق سے بُعد المشرقین کی دُوری اس سے ظاہر ہوتی تھی۔ لہذا حضرت اقدس کی طرف سے آپ کو یہی جواب کافی ہے۔ کہ آپ کو تحقیق حق منظور نہیں ہے۔ اور حضرت انجام آتھم میں نیز اپنے خط مرقومہ جواب رقعہ سامی میں قسم کھا چکے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ سے عہد کر چکے ہیں۔ کہ مباحثہ کی شان سے مخالفین سے کوئی تقریر نہ کرینگے۔ خلاف معاہدہ الٰہی کے کوئی مامور من اللہ کیونکر کسی فعل کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ طالب حق کے لئے جو طریق حضرت اقدس نے تحریر فرمایا ہے۔ کیا وہ کافی نہیں۔ لہذا آپ کی اصلاح جو بطرز شان مناظرہ آپ نے لکھی ہے۔ وہ ہرگز منظور نہیں ہے۔ اور یہ بھی منظور نہیں فرماتے کہ جلسہ محدود ہو۔ بلکہ فرماتے ہیں۔ کہ کل قادیان وغیرہ کے اہل الرائے مجتمع ہوں۔ تاکہ حق و باطل سب پر واضح ہو جائے۔ والسّلام علیٰ من اتبع الھدےٰ۔ ۱۱ جنوری ۱۹۰۳ء

خاکسار محمد احسن بحکم حضرت امام الزمان۔ گواہ شد۔ محمد سرور۔ گواہ شد۔ ابوسعید عفی عنہ

نوٹ:۔ یہ تمام خط و کتابت الحکم ۷ر فروری ۱۹۰۳ء میں درج ہے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب مباحثہ کا رنگ اختیار کرنا چاہتے تھے

اس خط و کتابت پر غور کرنے سے یہ امر صاف طور پر ذہن میں آتا ہے۔ کہ مولوی ثناء اللہ صاحب قادیان آکر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰة والسّلام سے مباحثہ کے رنگ میں گفتگو کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ پہلے خط میں ہی انہوں نے لکھا:۔

"امید ہے۔ کہ آپ میری تفہیم میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرینگے۔ اور حسب وعدہ خود مجھے اجازت بخشیں گے۔ کہ میں مجمع عام میں آپ کی پیشگوئیوں کی نسبت اپنے خیالات ظاہر کروں"

مگر کیا مولوی ثناء اللہ صاحب یا کوئی اور یہ ثابت کر سکتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰة والسّلام نے اعجاز احمدی میں یہ وعدہ کیا تھا۔ کہ وہ مولوی ثناء اللہ صاحب کو اپنی پیشگوئیوں پر اظہار خیالات کے لئے مجمع عام میں وعظ گوئی یا کسی تقریر کا موقعہ دینگے۔ اگر کہیں ایسا وعدہ کیا گیا ہے۔ تو سید حبیب کا فرض ہے۔ کہ وہ اسے پیش کریں۔ مگر میں دعوے سے کہتا ہوں۔ کہ وہ پیش کرنے سے قاصر رہیں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو کچھ لکھا۔ وہ گذشتہ اوراق میں نقل کیا جاچکا ہے۔ اور اس سے نتائج اخذ کر کے بیان کیا جاچکا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قادیان انہیں بغرض تحقیق بلایا تھا نہ کہ مباحثہ کرنے کے لئے۔ پھر یہ بھی شرط عاید کی تھی۔ ”کہ تفتیش کے وقت منہاج نبوت کو معیار صدق وکذب کے لئے ٹھہرادیں“ (اعجاز احمدی صلا) اور یہ بھی لکھا تھا۔ کہ ”ثبوت ہمارے ذمہ ہوگا“ (اعجاز احمدی ص۲۳) جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کا یہ کام ہوگا۔ کہ وہ اپنے شکوک و شبہات پیش کرتے جائیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان کا ازالہ فرماتے جائیں۔ مگر چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب مباحثہ و مجادلہ کا رنگ پسند کرتے تھے۔ اور ایک اکھاڑہ قائم کرنا چاہتے تھے۔ جس کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام بند کرنے کا اعلان فرماچکے تھے۔ اس لئے جب مولوی ثناء اللہ صاحب نے دیکھا۔ کہ انہیں اپنے مذموم مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی۔ تو قادیان سے واپس چلے آئے۔

مجمع عام میں دس منٹ تک تقریر کرنے کا مطالبہ

پھر اس امر کا ثبوت کہ مولوی ثناء اللہ صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مباحثانہ رنگ میں گفتگو کرنا چاہتے تھے۔ یہ بھی ہے۔ کہ انہوں نے اپنا یہ مطالبہ بھی پیش کیا۔ کہ ”میں اپنی دو تین سطریں مجمع میں کھڑا ہو کر سناؤنگا۔ اور ہر ایک گھنٹہ کے بعد تین سطریں لکھکر پانچ نہایت دس منٹ تک آپ کے جواب کی نسبت رائے ظاہر کرونگا“ گویا ایک طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام تقریر فرمائینگے۔ اور دوسری طرف مولوی ثناء اللہ صاحب دس منٹ اس کے رد میں مجمع عام میں اپنے خیالات کا اظہار کرینگے۔ اور ہر گھنٹہ کے بعد ایسا کرینگے۔ یہ اگر مباحثہ کا طریق نہیں تو اور کیا ہے۔

مباحثات کو بند کرنے کا اعلان

پس مولوی ثناء اللہ صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مباحثہ کرنا چاہتے تھے۔ در تعجب یہ کہ ایسی حالت میں کرنا چاہتے تھے۔ جبکہ انہیں معلوم تھا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مباحثات کو بند کرنے کا اعلان فرماچکے ہیں۔ چنانچہ انجام آتھم میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا:۔

”الیوم قضینا ما کان علینا من التبلیغات وعصمنا نفسنا من مأثم ترک ... وحان ان نصرف الوجہ عن ھٰذہ المباحثات الا ماینفی لبس السائلین ... وازمعنا ان لا نخاطب العلماء بعد ھٰذہ التوضیحات ولو سبّونا کما اذو من قبل من العادات“ (انجام آتھم ص۲۸۲)

یعنی جو ہم پر فرض تبلیغ عائد ہوتا تھا۔ اُسے ہم نے ادا کردیا۔ اور اپنے آپ کو ترک واجبات کے گناہ سے بچالیا۔ اور اب وقت آگیا ہے۔ کہ مباحثات سے ہم اپنا منہ پھیرلیں اور سائلوں کے شبہات دور کرنے پر اکتفا کریں۔ اور ہم نے پختہ ارادہ کرلیا ہے۔ کہ ان توضیحات کے بعد علماء کو مخاطب نہیں کرینگے۔ اگرچہ وہ حسب عادت ہمیں گالیاں دیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس عہد کے بعد بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ اعجاز احمدی میں بھی انہیں مباحثہ کے لئے دعوت نہیں دی گئی تھی۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کا قادیان آکر مباحثانہ رنگ میں گفتگو کرنے کی اجازت طلب کرنا ان کی فتنہ پرداز طبیعت کا زبردست ثبوت ہے۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انہیں تحقیق سے غرض نہیں تھی۔ بلکہ تمسخر اور استہزاء مقصود تھا۔ جو ان کی طبیعت ثانیہ ہے۔ اور جس کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کبھی بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔

اعجاز احمدی والی شرائط کا اعادہ

اس کے مقابلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے خط میں مولوی ثناء اللہ صاحب کو جو کچھ لکھا۔ وہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ بلکہ اعجاز احمدی والی شرائط کا اعادہ تھا۔ مثلاً آپ نے لکھا:۔

”وہ طریق جو مباحثات سے بہت دور ہے۔ وُہ یہ ہے۔ کہ آپ اس مرحلہ کو صاف کرنے کے لئے اوّل یہ اقرار کریں۔ کہ آپ منہاج نبوت سے باہر نہیں جائینگے۔ اور وُہ اعتراض نہ کرینگے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر یا حضرت عیسٰے یا حضرت موسٰے یا حضرت یونس پر عائد ہوتا ہو۔ اور اس کی حدیث اور قرآن کی پیشگوئیوں پر زد نہ ہو“ اسی طرح لکھا ”آپ اول ایک اعتراض جو آپ کے نزدیک سب سے بڑا اعتراض پیشگوئی پر ہو۔ ایک سطر یا دو سطر تک لکھکر پیش کریں۔ اور جس کا یہ مطلب ہو۔ کہ یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ اور منہاج نبوت کی رُو سے قابل اعتراض ہے“

یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ بلکہ اعجاز احمدی میں بھی آپ نے لکھا تھا ”اس تفتیش کے وقت منہاج نبوت کو معیار صدق وکذب کے لئے ٹھہرادیں“ (اعجاز احمدی صلا)

پھر لکھا تھا۔ "ہر ایک خدا ترس سمجھ سکتا ہے۔ کہ کہاں تک ان مولوی صاحبوں کی نوبت پہونچ گئی ہے۔ وہ جوشِ تعصب سے منہاجِ نبوت کو اور اس معیار کو جو نبیوں کی شناخت کے لئے مقرر ہے پیش نظر نہیں رکھتے۔" صفحہ ۱۱

اسی طرح لکھا تھا "ہر ایک پیشگوئی کی نسبت جو منہاجِ نبوت کی رُو سے جھوٹی ثابت ہو۔ ایک ایک سو روپیہ ان کی نذر کرینگے۔" صفحہ ۲۳

پس اسی شرط کا آپنے اپنے خط میں اعادہ فرمایا۔ جسے مولوی ثناء اللہ صاحب نے منظور نہ کیا۔

دوسری شرط حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اپنے خط میں یہ بیان کی ہے۔ کہ "آپ زبانی بولنے کے ہرگز مجاز نہیں ہونگے۔ صرف آپ مختصر ایک سطر یا دو سطر تحریر دیدیں۔ کہ میرا یہ اعتراض ہے۔ پھر آپ کو عین مجلس میں مفصل جواب سنایا جاویگا۔"

اس کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دو لحاظ سے کیا۔ اول تو اس لئے کہ اعجاز احمدی میں ہی حضور نے تحریر فرما دیا تھا۔ کہ "ثبوت ہمارے ذمہ ہوگا۔" صفحہ ۲۳ جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اپنا وسوسہ پیش کرینگے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام پیشگوئی کی صداقت کا ثبوت بیان فرمائینگے۔ پس اس کے لئے زبانی بولنے کی ضرورت نہیں تھی۔

دوسرے اس لئے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے یہ شرط عائد کی۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو گفتگو مباحثہ کے رنگ میں ہو جائے۔ جس کے متعلق آپ انجام آتھم میں اللہ تعالےٰ سے یہ عہد کر چکے تھے۔ کہ ایسی گفتگو نہیں کی جائے گی۔ اسی لئے آپ نے فرمایا۔

"مجھے تامل ہے۔ کہ اس دعوے پر آپ قائم رہ سکیں۔ کیونکہ آپ لوگوں کی عادت ہے کہ ہر ایک بات کو کشاں کشاں بیہودہ اور لغو مباحثات کی طرف لے آتے ہیں۔"

"میں خدا تعالےٰ کے سامنے وعدہ کر چکا ہوں۔ کہ ان لوگوں سے مباحثات ہرگز نہیں کرونگا۔" "کیونکہ اس کا نتیجہ بجز گندی گالیوں اور اوباشانہ کلمات سننے کے اور کچھ ظاہر نہیں ہوا۔" "آپ کو بالکل مونہہ بند رکھنا ہوگا جیسے صمٌ بکمٌ۔ یہ اس لئے کہ تا گفتگو مباحثہ کے رنگ میں نہ ہو جائے۔"

ان حکیمانہ مصالح کے پیش نظر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے یہ شرط عائد کی۔ کہ مولوی

ثناء اللہ صاحب "زبانی بولنے کے ہرگز مجاز نہیں ہونگے۔"

تیسری شرط حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے یہ عائد کی کہ:۔

"ایک دن میں صرف ایک ہی آپ اعتراض پیش کرینگے۔ کیونکہ آپ اطلاع دیکر نہیں آئے"

اور اس کی دوسری وجہ یہ بیان کی۔ کہ

"ہم ان دنوں میں بباعث کم فرصتی اور کام طبع کتاب کے تین گھنٹہ سے زیادہ وقت خرچ نہیں کر سکتے۔"

گویا چونکہ (ا) مولوی ثناء اللہ صاحب بغیر اطلاع دیئے آئے۔ (ب) مواہب الرحمٰن کی تصنیف و طبع میں آپ بے حد مصروف تھے۔ اس لئے تین گھنٹے آپ نے صبح فرصت نکالنے کا وعدہ کیا۔ اور تجویز کیا۔ کہ تین گھنٹوں میں ایک ہی پیشگوئی کے متعلق مولوی ثناء اللہ صاحب اپنے وساوس پیش کرتے جائیں۔ اور آپ ان کا ازالہ فرماتے جائیں۔ اور مزید لکھا۔ کہ "یہ طریق شبہات دور کرانے کا بہت عمدہ ہے۔ میں باواز بلند لوگوں کو سنا دونگا۔ کہ اس پیشگوئی کی نسبت مولوی ثناء اللہ صاحب کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا ہے۔ اور اس کا یہ جواب ہے۔ اسی طرح تمام وساوس دُور کر دیئے جائینگے۔"

مولوی ثناء اللہ صاحب کی واپسی

مگر مولوی ثناء اللہ صاحب کے مدنظر چونکہ تمسخر اور استہزا تھا۔ اور وہ چاہتے تھے۔ کہ ایک اکھاڑہ جمایا جائے۔ جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام سے مباحثانہ رنگ میں گفتگو کر کے پیشگوئیوں کو ہنسی میں اڑا دیں۔ تحقیق حق اور پیشگوئیوں کی تفتیش ان کے مدنظر نہیں تھی۔ اس لئے باوجود اس کے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے نہایت غیرت دلانے والے الفاظ میں یہ لکھا۔ کہ "آپ اگر شرافت اور ایمان رکھتے ہیں۔ تو قادیان سے بغیر تصفیہ کئے خالی نہ جائیں۔" مولوی ثناء اللہ صاحب نے قادیان کے آریہ مندر سے بستر بوریا سنبھالا۔ اور جری اللہ فی حلل الانبیاء کی تاب مقاومت اپنے اندر نہ پاکر نہایت رسوائی سے امرتسر کی راہ لی۔ اور اس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی اعجاز احمدی والی پیشگوئی بڑی شوکت کے ساتھ پوری ہو گئی۔ کہ مولوی ثناء اللہ صاحب "قادیان میں تمام پیشگوئیوں کی پڑتال کے لئے میرے پاس ہرگز نہیں آئینگے۔ اور سچی پیشگوئیوں کی اپنے قلم سے تصدیق کرنا ان کے لئے موت ہوگی۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۳۷)

مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ

اعجاز احمدی میں ہی حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے مولوی ثناء اللہ صاحب کے متعلق دوسری پیشگوئی یہ کی تھی۔ کہ "اگر اس چیلنج پر وُہ مستعد ہوئے کہ کاذب صادق کے پہلے مر جائے۔ تو ضرور وُہ پہلے مرینگے۔" ص۳۷

مگر کیا مولوی ثناء اللہ صاحب اس چیلنج پر مستعد ہوئے۔ کیا انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ساتھ مباہلہ کیا۔ اور کیا انہوں نے مؤکد بعذاب قسم کھائی کہ کاذب صادق سے پہلے مرجائے۔ اگر کوئی مباہلہ ہوا ہوتا۔ اور مولوی ثناء اللہ صاحب کی موت حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی زندگی میں واقع نہ ہوتی۔ تب تو مخالفین کے لئے کوئی معقول اعتراض کی وجہ ہوسکتی تھی لیکن جبکہ مولوی ثناء اللہ صاحب اپنی فطری بزدلی کی وجہ سے خدا تعالےٰ کے جری کا مقابلہ کرنے سے ہمیشہ بچتے رہے۔ اور جبکہ ایک دفعہ بھی وہ اس چیلنج پر مستعد نہیں ہوئے کہ کاذب صادق سے پہلے مرجائے۔ بلکہ وُہ یہ الفاظ کہنا اپنے لئے موت کا پیغام سمجھتے رہے۔ تو آج سیّد حبیب یا کسی دوسرے معترض کا مولوی ثناء اللہ صاحب کی مسیلمہ کذاب والی زندگی کو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی تکذیب کی دلیل قرار دینا انتہائی کور چشمی نہیں۔ تو اور کیا ہے۔

"آخری فیصلہ" دعوتِ مباہلہ ہی ہے

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ دلائل و براہین کے لحاظ سے اتمام حجت ہوجانے کے بعد اللہ تعالےٰ نے رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو یہی تلقین فرمائی تھی۔ کہ وُہ اپنے معاندین کو ایک آخری فیصلہ یعنی مباہلہ کی طرف بلائیں۔ مولوی ثناء اللہ صاحب بھی دعوت مباہلہ کو **آخری فیصلہ** قرار دیتے ہوئے اپنی تفسیر ثنائی میں قل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم کے ترجمہ و تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"ایسے لوگوں کو جو کسی دلیل کو نہ جانیں کسی علمی بات کو نہ سمجھیں۔ بغرض بدرا بد بائد رسانید کہہ دے۔ کہ آؤ ایک **آخری فیصلہ** بھی سنو۔ ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے۔ اپنی بیٹیاں اور تمہاری بیٹیاں اپنے بھائی بند نزدیکی اور تمہارے بھائی بند نزدیکی بلائیں۔ پھر عاجزی سے جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔ خدا خود فیصلہ دنیا ہی میں کردیگا جو فریق اس کے نزدیک جھوٹا ہوگا۔ وہ دنیا میں برباد اور مورد غضب ہوگا۔" (جلد ۲ ص۳۴)

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام بھی آخری فیصلہ دعوتِ مباہلہ کو ہی قرار دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:۔ "اس بات کو قریباً نو برس کا عرصہ گذر گیا۔ کہ جب میں دہلی گیا تھا۔ اور میاں نذیر حسین غیر مقلد کو دعوتِ دینِ اسلام کی گئی تھی۔ تب ان کے ہر یک پہلو سے گریز دیکھکر اور ان کی بدزبانی اور دشنام دہی کو مشاہدہ کرکے **آخری فیصلہ** یہی ٹھہرایا گیا تھا۔ کہ وُہ اپنے اعتقاد کے حق ہونے کی قسم کھالے پھر اگر قسم کے بعد ایک سال تک میری زندگی میں فوت نہ ہوا۔ تو میں تمام کتابیں اپنی جلا دونگا۔ اور اس کو نعوذ باللہ حق پر سمجھ لونگا۔ لیکن وہ بھاگ گیا۔ اسی بھاگنے کی برکت سے اب تک اس کو عمر دی گئی۔" (اربعین ۴ ص۱۱ حاشیہ)

علماء کو مباہلہ کے لئے بلانا

چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام اللہ تعالےٰ کے صادق رسُول تھے اس لئے آپ نے بھی مخالفین پر دلائل و براہین کے لحاظ سے اتمام حجت کرنے کے بعد انہیں "آخری فیصلہ" یعنی مباہلہ کے لئے مدعو کیا۔ اور علماء کو نام بنام دعوتِ مقابلہ دیتے ہوئے لکھا:۔ "گواہ رہ اے زمین اور اے آسمان کہ خدا کی لعنت اس شخص پر کہ اس رسالہ کے پہونچنے کے بعد نہ مباہلہ میں حاضر ہو۔ اور نہ تکفیر اور توہین کو چھوڑے۔ اور نہ ٹھٹھا کرنے والوں کی مجلس سے الگ ہو۔ اور اے مومنو۔ برائے خدا تم سب کہو۔ کہ آمین۔" (انجام آتھم ص۶۷)

اس دعوتِ مباہلہ کے مخاطبین میں سے گیارھواں نمبر مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کا تھا۔ چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں:۔

مرزا صاحب نے ۱۸۹۷ء میں (یعنی کتاب انجام آتھم میں) علمائے اسلام کے ساتھ جن میں یہ خادم العلماء بھی تھا۔ مباہلہ کی تحریک کی تھی۔" (اہلحدیث ۱۱ ستمبر ۱۹۳۱ء)

مباہلہ کا چیلنج حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا ثبوت ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا اس طرح مباہلہ کے لئے چیلنج کرنا آپ کی صداقت و راستبازی کا کھلا ثبوت ہے۔ آپ خود فرماتے ہیں۔

"دُنیا مجھ کو نہیں پہچانتی لیکن وُہ مجھے جانتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ یہ ان لوگوں کی غلطی ہے۔ اور سراسر بدقسمتی ہے۔ کہ میری تباہی چاہتے ہیں۔ میں وُہ درخت ہوں جسکو

مالک حقیقی نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے۔ جو شخص مجھکو کاٹنا چاہتا ہے۔ اس کا نتیجہ بجز اس کے کچھ نہیں۔ کہ وُہ قارون اور یہودا اسکریوطی اور ابوجہل کے نصیب سے کچھ لینا چاہتا ہے۔ میں ہر روز اس بات کے لئے چشم پُر آب ہوں۔ کہ کوئی میدان میں نکلے۔ اور منہاج نبوّت پر مجھ سے فیصلہ کرنا چاہے۔ پھر دیکھے کہ خدا کس کے ساتھ ہے۔ مگر میدان میں نکلنا کسی مخنث کا کام نہیں،، (اربعین نمبر ۳ صفحہ ۱۴)

مخالفین کا فرار

لیکن چونکہ آخری فیصلہ یعنی دعوتِ مباہلہ مکذبین کے لئے موت پر منتج ہوتا ہے جیسا کہ عبدالمسیح نصرانی نے نجران کے عیسائیوں کو رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے مباہلہ نہ کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ کہ واللّٰہ ما باھل قوم نبیاً قط فعاش کبیرھم ولا نبت صغیرھم (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۴۶۴) یعنی خدا کی قسم جب کوئی قوم کسی نبی سے مباہلہ کرتی ہے۔ تو اس کے چھوٹے بڑے تمام افراد تباہ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے مخالفین اس میدان میں اپنی بزدلی کے باعث قدم نہیں رکھ سکتے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب بھی آیت کریمہ ولن یتمنوہ ابدًا کی تفسیر میں لکھتے ہیں ؎ اگر آرزو موت کی نہ کریں۔ تو ثابت ہو جائے گا۔ کہ ان کو مذہب سے کوئی لگاؤ نہیں۔ صرف خواہش نفسانی کے پیچھے چلتے ہیں۔ اور ہم ابھی سے کہے دیتے ہیں۔ کہ اپنے کئے ہوئے بداعمال کی وجہ سے جس کی سزا کا بھگتنا ان کو بھی یقینی ہے۔ ہرگز کبھی موت کی خواہش نہ کرینگے،، (تفسیر ثنائی جلد اول صفحہ ۹)

خدا تعالےٰ کے انبیاء کی حالت

اس کے مقابلہ میں خدا تعالےٰ کے نبیوں کی یہ حالت ہوتی ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق احادیث میں آتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ لو ان الیھود تمنوا الموت لماتوا ورأوا مقاعدھم من النار ولو خرج الذین یباھلون لرجعوا لا یجدون اھلًا ولا مالًا (تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۶۲۵) یعنی اگر یہود موت کی تمنا کریں۔ اور مباہلہ کے لئے میدان میں نکلیں۔ تو وہ مر جائیں۔ اور جہنم کے وارث بن جائیں۔ ان کا اہل بھی برباد ہو جائے۔ اور ان کے اموال بھی فنا ہو جائیں۔ اسی طرح نصارئے نجران کے متعلق فرمایا۔ لما حال الحول علی النصارٰی کلھم حتی یھلکوا۔

(تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۴۶۵) یعنی ایک سال کے اندر نجران کے چھوٹے بڑے تمام عیسائی ہلاکت کے گڑھے میں گر جاتے۔ یہی وجہ ہے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کو بھی اقرار ہے کہ یہود نے ,,موت کی خواہش نہیں کی،، (تفسیر ثنائی جلد اوّل صفحہ ۹) اور نجران کے عیسائیوں نے بھی اس دعوتِ مباہلہ کے عدم قبول میں اپنی سلامتی دیکھی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے بھی مخالفین کے مقابلہ میں یہی تحدی کی۔ اور فرمایا ,,میں یہ بھی شرط کرتا ہوں۔ کہ میری دعا کا اثر صرف اس صورت میں سمجھا جائے۔ کہ جب تمام وہ لوگ جو مباہلہ کے میدان میں بالمقابل آویں۔ ایک سال تک ان بلاؤں میں سے کسی بلا میں گرفتار ہو جائیں۔ اگر ایک بھی باقی رہا۔ تو میں اپنے تئیں کاذب سمجھونگا اگرچہ وُہ ہزار ہوں یا دو ہزار،، (انجام آتھم صفحہ ۶۷)

غرض حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی یہ پہلی دعوتِ مباہلہ تھی۔ جس میں مولوی ثناء اللہ صاحب کو مخاطب کیا گیا تھا۔ مگر نصارئے نجران کی طرح مولوی ثناء اللہ صاحب خاموش ہو کر رہ گئے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کو دوبارہ دعوتِ مباہلہ

اس کے بعد اعجاز احمدی لکھتے وقت حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے تحریر فرمایا:۔

,,میں نے سُنا ہے۔ بلکہ مولوی ثناء اللہ امرتسری کی دستخطی تحریر میں نے دیکھی ہے جس میں وُہ یہ درخواست کرتا ہے۔ کہ میں اس طور کے فیصلہ کے لئے بدل خواہشمند ہوں کہ فریقین یعنی میں اور وُہ یہ دُعا کریں۔ کہ جو شخص ہم دونوں میں سے جھوٹا ہے۔ وہ سچے کی زندگی میں ہی مر جائے۔ اور نیز یہ بھی خواہش ظاہر کی ہے کہ وہ اعجاز المسیح کی مانند کتاب تیار کرے۔ جو ایسی ہی فصیح بلیغ ہو۔ اور انہیں مقاصد پر مشتمل ہو۔ سو اگر مولوی ثناء اللہ صاحب نے یہ خواہشیں دل سے ظاہر کی ہیں۔ نفاق کے طور پر نہیں۔ تو اس سے بہتر کیا ہے۔ اور وہ اس امت پر اس تفرقہ کے زمانہ میں بہت ہی احسان کرینگے کہ مرد میدان بن کر ان دونوں ذریعوں سے حق و باطل کا فیصلہ کر لینگے۔ یہ تو انہوں نے اچھی تجویز نکالی۔ اب اس پر قائم رہیں۔ تو بات ہے،، (اعجاز احمدی صفحہ ۱۴)

اسی طرح تحریر فرمایا:۔

,,اگر اس چیلنج پر وُہ مستعد ہوئے۔ کہ کاذب صادق کے پہلے مر جائے۔ تو ضرور وہ پہلے

مرینگے" (اعجاز احمدی ص۳۷) یہ اس یقین اور وثوق کا نتیجہ تھا۔ جو آپ کو اللہ تعالےٰ کی ذات پر تھا۔ اور جس کے ماتحت آپ نے فرمایا تھا "اے میرے قادر خدا۔ تو نزدیک آجا اور اپنی عدالت کی کرسی پر بیٹھ اور یہ روز کے جھگڑے قطع کر۔ ہماری زبانیں لوگوں کے سامنے ہیں۔ اور ہمارے دلوں کی حقیقت تیرے آگے منکشف ہے۔ میں کیونکر کہوں۔ اور کیونکر میرا دل قبول کرے۔ کہ تو صادق کو ذلت کے ساتھ قبر میں اتارے گا۔ اور اوباشانہ زندگی والے کیونکر فتح پائیں گے۔ تیری ذات کی مجھے قسم ہے۔ کہ تو ہرگز ایسا نہیں کرے گا" (اعجاز احمدی ص۱۷)

متلون مزاجی

مگر مولوی ثناء اللہ صاحب نے اپنی اس متلون مزاج طبیعت کے ماتحت جس کا معزز معاصر "مشرق" گورکھپور نے بایں الفاظ ذکر کیا تھا۔ کہ "مولانا نے طبیعت اور مزاج ایسا ہی پایا ہے۔ گھڑی میں کچھ۔ گھڑی میں کچھ" (۲۹ مارچ ۲۳ء) یہ جواب دیا کہ

"چونکہ یہ خاکسار نہ واقع میں اور نہ آپ کی طرح نبی یا رسول یا ابن اللہ یا الہامی ہے۔ اس لئے ایسے مقابلہ کی جرأت نہیں کرسکتا"

میں افسوس کرتا ہوں۔ کہ مجھے ان باتوں پر جرأت نہیں" (الہامات مرزا ص۸۵ طبع دوم)

مولوی ثناء اللہ صاحب کی مباہلہ پر آمادگی

چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب کا یہ انکار ان کے رفقاء میں انہیں خفیف کرنے والا تھا۔ اس لئے ان کے دوستوں نے انہیں مجبور کیا۔ کہ وہ مباہلہ کریں۔ جس پر انہوں نے اہلحدیث میں پھر لکھا:۔

"مرزائیو۔ سچے ہو تو آؤ۔ اور اپنے گرو کو ساتھ لاؤ۔ وہی میدان عیدگاہ امرتسر تیار ہے۔ جہاں تم پہلے صوفی عبدالحق غزنوی سے مباہلہ کرکے آسمانی ذلت اٹھا چکے ہو۔ اور انہیں ہمارے سامنے لاؤ۔ جس نے ہمیں رسالہ انجام آتھم میں مباہلہ کے لئے دعوت دی ہوئی ہے۔ کیونکہ جب تک پیغمبر جی سے فیصلہ نہ ہو۔ سب امت کے لئے کافی نہیں ہوسکتا" (۲۹ مارچ ۷ء ص۱)

چیلنج منظور کر لیا گیا

مولوی ثناء اللہ صاحب کے اس اعلان پر فوری طور پر ایڈیٹر صاحب اخبار بدر

قادیان نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حکم سے اس چیلنج کی منظوری کا اعلان کر دیا۔ اور لکھا۔ کہ

"مولوی ثناء اللہ صاحب کو بشارت دیتا ہوں۔ کہ مرزا صاحب نے ان کے اس چیلنج کو منظور کر لیا ہے۔ (آپ) بیشک قسم کھا کر بیان کریں۔ کہ یہ شخص (مرزا صاحب) اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔ اور بے شک یہ بات کہیں۔ کہ اگر میں اس بات میں جھوٹا ہوں۔ تو لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ مباہلہ کی بنیاد جس آیت قرآنی پر ہے۔ اس میں تو صرف لعنۃ اللہ علی الکاذبین ہے" (۴۔ اپریل ۷ء)

دعائے مباہلہ کی اشاعت

پھر ۱۵۔ اپریل ۱۹۰۷ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے قلم سے ۲۹ مارچ ۱۹۰۷ء کی دعوتِ مباہلہ کے بالمقابل ایک دعائے مباہلہ شائع فرمادی جس میں اللہ تعالےٰ سے دعا کرتے ہوئے فرمایا۔

"میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں۔ کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما"

چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے مباہلہ پر آمادگی کا اظہار کیا تھا۔ اس لئے آخر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاف طور پر لکھدیا۔ کہ

"مولوی صاحب سے التماس ہے۔ کہ وہ میرے اس تمام مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں۔ اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں۔ اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے" (اہلحدیث ۲۶۔ اپریل ۷ء)

ہمارا دعویٰ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دعا دعائے مباہلہ ہے۔ نہ کہ یکطرفہ دعا۔ اگر مولوی ثناء اللہ صاحب اس دعا کو منظور کر لیتے۔ تو یقیناً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں ہلاک ہو جاتے۔ مگر انہوں نے اس دعا کو جیسا کہ آگے چل کر ثابت کیا جائیگا۔ نامنظور کر دیا۔ پس مباہلہ نہ ہوا۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ مباہلہ کا نتیجہ یعنی مولوی ثناء اللہ صاحب کی ہلاکت بھی واقع نہ ہوئی

اشتہار ۱۵۔ اپریل ۷ء کی دعا دعائے مباہلہ ہے

اس دعا کے دعائے مباہلہ ہونے کے مندرجہ ذیل ثبوت ہیں:۔

اوّل۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اس اشتہار کو "آخری فیصلہ" کے نام سے موسوم فرمایا ہے۔ اور آخری فیصلہ جیسا کہ قبل ازیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک تحریر اور مولوی ثناء اللہ صاحب کے بیان سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ دعوتِ مباہلہ کا ہی نام ہوتا ہے۔ پھر ساتھ ہی حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے یہ بھی لکھا کہ "یہ کسی الہام یا وحی کی بناء پر پیشگوئی نہیں۔ بلکہ محض دعا کے طور پر میں نے خدا سے فیصلہ چاہا ہے"۔ اور مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے تسلیم کیا ہے۔ کہ "اس اشتہار ۱۵-اپریل ۱۹۰۷ء میں طریق فیصلہ ایسا مذکور ہے۔ جو متحدیانہ ہے (روئداد مباحثہ لدھیانہ ص۱۳۱)

اب ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے۔ کہ جبکہ یہ پیشگوئی کسی الہام یا وحی کی بناء پر نہیں مگر طریق فیصلہ متحدیانہ ہے۔ تو آخری فیصلہ اسی صُورت میں ہو سکتا ہے۔ جبکہ اسے دعائے مباہلہ تسلیم کیا جائے۔ کیونکہ مباہلہ کی صُورت میں ہی کاذب کی موت پر تحدی کی جا سکتی ہے۔

دوم۔ اشتہار کا عنوان حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ رکھا ہے "مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ" یہ نہیں رکھا کہ "مولوی ثناء اللہ صاحب کے متعلق آخری فیصلہ" جس سے یہ امر مترشح ہوتا ہے۔ کہ یہ فیصلہ مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ ہونے سے نافذ العمل ہو گا۔ نہ کہ علیحدہ طور پر۔ اور مولوی ثناء اللہ صاحب اس دعا میں اسی صُورت میں شامل ہو سکتے تھے۔ جبکہ یہ یکطرفہ نہیں۔ بلکہ دعائے مباہلہ قرار دیا جائے۔ جس میں فریقین شامل ہوتے ہیں۔

سوم۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اس دعا کو محض خبر کے طور پر اہل دُنیا کے لئے شائع نہیں فرمایا۔ بلکہ "بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب السّلام علیٰ من اتبع الہدیٰ" لکھ کر مولوی ثناء اللہ صاحب کے پاس اسے روانہ کیا۔ اگر یہ یکطرفہ دعا تھی۔ تو مولوی ثناء اللہ صاحب کے پاس بھیجنے یا انہیں مخاطب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

چہارم۔ اس اشتہار میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے لکھا ہے۔ "میں جانتا ہوں۔ کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی۔ اور آخر وہ ذلت و حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے"

سوال یہ ہے۔ کہ آیا یہ کوئی قاعدہ مطلق ہے۔ کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جاتا ہے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ کہ یہ کوئی مطلق قاعدہ نہیں۔ مولوی ثناء اللہ صاحب بھی لکھتے ہیں۔ کہ

"آنحضرت علیہ السّلام باوجود سچا نبی ہونے کے مسیلمہ کذاب سے پہلے انتقال ہوئے مسیلمہ باوجود کاذب ہونے کے صادق سے پیچھے مرا" (مرقع قادیانی بابت اگست ۱۹۰۷ء ص۹)

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام بھی فرماتے ہیں:۔

"یہ کہاں لکھا ہے۔ کہ جھوٹا سچے کی زندگی مر جاتا ہے۔ ہم نے تو اپنی تصانیف میں ایسا نہیں لکھا۔ لاؤ پیش کرو۔ وہ کونسی کتاب ہے۔ جس میں ہم نے ایسا لکھا ہے۔ ہم نے تو یہ لکھا ہے۔ کہ مباہلہ کرنے والوں میں سے جو جھوٹا ہو۔ وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جاتا ہے۔ یہ بات کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مر جاتا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سب اعداء ان کی زندگی میں ہی ہلاک ہو گئے تھے۔ بلکہ ہزاروں اعداء آپ کی وفات کے بعد زندہ رہے تھے۔ ہاں جھوٹا مباہلہ کرنے والا سچے کی زندگی میں ہی ہلاک ہوا کرتا ہے۔ ایسے ہی ہمارے مخالف بھی ہمارے مرنے کے بعد زندہ رہیں گے۔ . . . . ہاں اتنی بات صحیح ہے۔ کہ سچے کے ساتھ جو جھوٹے مباہلہ کرتے ہیں۔ تو وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہوتے ہیں۔ ایسے اعتراض کرنے والے سے پوچھیں۔ کہ یہ ہم نے کہاں لکھا ہے۔ کہ بغیر مباہلہ کرنے کے ہی جھوٹے سچے کی زندگی میں تباہ اور ہلاک ہو جاتے ہیں" (الحکم ۱۰-اکتوبر ۱۹۰۷ء ص۹)

پس جبکہ مفسد و کذاب کا ذلت و حسرت کے ساتھ صادق کی زندگی میں ہلاک ہو جانا مباہلہ کی صورت میں ہی ہو سکتا ہے۔ اور جبکہ یہی نتیجہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اشتہار آخری فیصلہ میں بیان فرمایا۔ تو صاف طور پر ثابت ہوا۔ کہ اشتہار ۱۵-اپریل ۱۹۰۷ء یکطرفہ دُعا نہیں۔ بلکہ دعائے مباہلہ ہے۔

پنجم۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اس اشتہار میں مولوی ثناء اللہ صاحب کو یہ بھی لکھا کہ:۔

"اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے جیسے طاعون۔ ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں وارد نہ ہوئیں۔ تو میں خدا تعالےٰ

کی طرف سے نہیں۔"

یہ الفاظ بھی اس دعا کے دعائے مباہلہ ہونے کے شاہد ہیں۔ کیونکہ اعجاز احمدی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام مولوی ثناء اللہ صاحب کی مباہلہ پر آمادگی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"ان کا چیلنج ہی فیصلہ کے لئے کافی ہے۔ مگر شرط یہ ہوگی۔ کہ کوئی موت قتل کے رُو سے واقع نہ ہو۔ بلکہ محض بیماری کے ذریعہ سے ہو۔ مثلاً طاعون سے یا ہیضہ سے یا اور کسی بیماری سے" ص ۱۲۱

پس "آخری فیصلہ" میں جو سزا تجویز کی گئی ہے۔ اس کے الفاظ اور اعجاز احمدی والی سزا کے الفاظ بالکل ہم معنی ہیں۔ اور دونوں جگہ طاعون اور ہیضہ یا کسی اور مہلک بیماری سے ہلاک ہونے کا ذکر ہے۔ اور دونوں جگہ اس امر کی بھی تصریح ہے۔ کہ عذاب انسانی ہاتھوں سے نہ ہو۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ دونوں عبارتیں ایک ہی سلسلہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور وہ سلسلہ جیسا کہ اعجاز احمدی سے ثابت ہے۔ مباہلہ کا ہی ہے پس درحقیقت یہ دعا دعائے مباہلہ ہے۔

ششم:۔ اشتہار کے آخر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ لکھنا کہ

"بالآخر مولوی صاحب سے التماس ہے۔ کہ وہ میرے اس مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں۔ اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھدیں۔ اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے" ظاہر کرتا ہے۔ کہ یہ دعا دعائے مباہلہ تھی۔ ورنہ اگر یکطرفہ دعا ہوتی۔ تو اہلحدیث میں اس کی اشاعت کی کیا ضرورت تھی۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اسے اہلحدیث میں شائع کرانا اور مولوی صاحب کو کہنا کہ وہ "جو چاہیں اس کے نیچے لکھدیں" صاف بتلا رہا ہے۔ کہ اس دعا کی تکمیل کے لئے مولوی صاحب کی تحریر ضروری تھی۔ تا خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے فیصلہ کرے۔ مگر واقعات نے بتا دیا۔ کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے اسے منظور نہ کیا۔

ہفتم:۔ یہ امر بھی قابل غور ہے۔ کہ اگر یہ محض بددعا ہوتی۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ کہ آپ مولوی ثناء اللہ صاحب کے حق میں بددعا فرما دیتے۔ مگر آپ نے اپنے لئے بھی اس میں بددعا کی ہے جس سے

معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ وہ دعا ہے۔ جو یکطرفہ نہیں۔ بلکہ دونوں فریق کو اس میں حصہ لینا پڑیگا اور اس طرح ہمیشہ مباہلہ میں ہی ہوتا ہے۔

ہشتم:۔ دعائے مباہلہ ہونے کا یہ بھی ثبوت ہے۔ کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اس کا اقرار کر چکے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں

(۱) "کرشن قادیانی نے ۱۵۔ اپریل ۰۷ء کو میرے ساتھ مباہلہ کا اشتہار شائع کیا تھا" "دجال قادیانی پر میرے مباہلہ کا اثر" "ان واقعات کو ملحوظ رکھکر کوئی دانا کہہ سکتا ہے۔ کہ مرزا جی کی دعائے مباہلہ کا اثر کچھ ظاہر ہوا" "ابوالوفاء کے ساتھ مباہلہ کا اعلان کیا۔ تو اس کا برا اثر بھی آپ ہی پر پڑتا رہا" (مرقع قادیانی بابت ماہ جون ۰۸ء ص ۱۸ و ۲۴)

ب "مرزا جی نے میرے ساتھ مباہلہ کا ایک طولانی اشتہار دیا تھا" (مرقع قادیانی بابت ماہ دسمبر ۱۹۰۷ء ص ۳)

ج:۔ "وہ اپنے اشتہار مباہلہ ۱۵۔ اپریل ۰۷ء میں چیخ اٹھا تھا۔ کہ اہلحدیث نے میری عمارت کو ہلا دیا ہے" (اہلحدیث ۱۹ جون ۱۹۰۸ء)

د:۔ "آج تک مرزا صاحب نے کسی مخالف سے ایسا کھلا مباہلہ نہ کیا تھا۔ بلکہ ہمیشہ گول گول رکھا کرتے تھے" (اشتہار مولوی ثناء اللہ صاحب بعنوان مرزا صاحب قادیانی کا انتقال اور اس کا نتیجہ)

اگر آج مولوی ثناء اللہ صاحب اس دعا کو دعائے مباہلہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اور نہ اپنا لکھا ہوا انہیں یاد رہا ہے۔ تو اس کی وجہ غالباً ان کا یہ فقرہ ہوگا۔ کہ:۔ "بوڑھے جلدی بھول جاتے ہیں" (تفسیر ثنائی جلد ۲ ص ۲۷) یا پھر اس کا سبب ان کی ڈھٹائی ہے۔ کیونکہ وہ لکھ چکے ہیں:۔ "بے شرم اور بے حیا کون ہے۔ وہی بے حیا ہے۔ جو اپنی تحریر کے آپ خلاف کہے" (مرقع ماہ جون ۰۸ء ص ۱۳)

نہم:۔ دعائے مباہلہ ہونے کا یہ بھی ثبوت ہے۔ کہ اس اشتہار کو شائع کرتے وقت مولوی ثناء اللہ صاحب نے یہ اعتراض اٹھایا کہ:۔ "اس دعا کی منظوری مجھ سے نہیں لی۔ اور بغیر میری منظوری کے اس کو شائع کر دیا،، (اہلحدیث ۲۶ اپریل ۰۷ء)

اگر یکطرفہ دعا تھی۔ تو بغیر منظوری کے اسے شائع کر دینے پر آپ کو اعتراض کیوں ہوا لیکن منظوری لینے کی ضرورت کو تسلیم کرنا بتاتا ہے۔ کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے بھی

اُسے دعائے مباہلہ سمجھا۔

دہم :۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کا یہ لکھنا بھی کہ "یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں۔ اور نہ کوئی دانا اس کو منظور کر سکتا ہے" (اہلحدیث ۲۶- اپریل ۱۹۰۷ء) اس دعا کے دعائے مباہلہ ہونے کا زبردست ثبوت ہے۔ یکطرفہ بد دعا میں مولوی ثناء اللہ صاحب کی منظوری یا عدم منظوری کا کیا دخل ہو سکتا تھا۔ لیکن جب مولوی ثناء اللہ صاحب نے اس دعا کو نامنظور کر دیا۔ تو ان کا نامنظور کرنا بھی صاف ثابت کر رہا ہے۔ کہ مولوی صاحب نے اسے دعائے مباہلہ سمجھکر ہی اس کے انکار کی ضرورت سمجھی۔ اور انہیں نظر آگیا۔ کہ اگر وہ مسیح محمدی کے مقابل پر کھڑے ہوئے تو ہلاک ہو جائینگے۔

یازدہم :۔ مولوی ثناء اللہ صاحب نے اپنے جواب میں یہ بھی لکھا تھا۔

"مرزائیو۔ کسی نبی نے بھی اس طرح اپنے مخالفوں کو اس طریق فیصلہ کی طرف بلایا ہے۔ بتلاؤ۔ تو انعام لو۔ ورنہ منہاج نبوت کا نام لیتے ہوئے شرم کرو" (اہلحدیث ۲۶- اپریل ۱۹۰۷ء)

اس عبارت سے تین امور ثابت ہوتے ہیں۔ اوّل :۔ اس اشتہار میں محض بد دعا نہیں بلکہ طریق فیصلہ کا ذکر ہے۔ دوم :۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے مخالفوں کو اس طریق کی طرف بلایا ہے۔ صرف یکطرفہ اعلان نہیں کیا۔ **سوم** :۔ مولوی صاحب کے نزدیک آج تک کسی نبی نے یہ طریق فیصلہ اختیار نہیں کیا۔ یہ تینوں امور اس حقیقت پر دال ہیں۔ کہ اشتہار ۱۵- اپریل ۱۹۰۷ء یکطرفہ بد دعا نہیں بلکہ طریق فیصلہ ہے۔ اور آپ نے مولوی ثناء اللہ صاحب کو اس طریق فیصلہ کی طرف بلایا ہے۔ اگر یکطرفہ بد دعا ہوتی۔ تو کیا مولوی ثناء اللہ صاحب کے نزدیک آج تک کسی نبی نے اپنے مخالفین کے لئے بد دعا نہیں کی۔ وہ تو خود اقرار کر چکے ہیں کہ :۔

"آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جب کفار مکہ نے کعبہ شریف میں سخت تکلیف دی۔ تو آپ نے نہایت اشد کفار پر بد دعا کی تھی۔ خداوندا ابو جہل کو پکڑ۔ خداوندا فلاں کو پکڑ" (آفتہ اللہ ضمیمہ مباحثہ لدھیانہ)

اسی طرح کہتے ہیں :۔ "اس قسم کے واقعات بے شمار ملتے ہیں۔ جن میں حضرات انبیاء علیہم السّلام نے مخالفوں پر بد دعائیں کیں۔ اور خدا نے قبول کر کے فیصلہ فرما دیا۔" (روئداد مباحثہ لدھیانہ ص۶۷)

پس مولوی صاحب کا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے اشتہار کو منہاج نبوت کے خلاف

بتلانا ظاہر کرتا ہے۔ کہ انہوں نے اسے دعائے مباہلہ ہی سمجھا۔ ہاں اپنی ناسمجھی سے فریق مقابل کی منظوری حاصل کرنے سے قبل اس کی اشاعت کو نبیوں کے طریق کے خلاف بتایا۔ حالانکہ جب یہ ایک دعوت تھی۔ اور فریق مخالف اسے قبول کرنے یا رد کرنے کا کامل اختیار رکھتا تھا۔ تو منظوری حاصل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

دوازدہم ۔ اشتہار ۱۵- اپریل ۱۹۰۷ء کے ذکر پر مولوی ثناء اللہ صاحب لکھتے ہیں :۔

"ایک ایسے اشد مخالف کے مقابلہ میں ایک مامورِ خدا **فیصلہ کی صُورت** شائع کرتا ہے" (روئداد مباحثہ لدھیانہ ص۲)

گویا مولوی ثناء اللہ صاحب بھی اسے "فیصلہ کی صُورت" قرار دیتے ہیں اور یہ فیصلہ کی صورت دعائے مباہلہ ہی ہو سکتی ہے۔ جسے قبول کرنے سے مولوی ثناء اللہ صاحب نے انکار کر دیا۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کا دعائے مباہلہ میں شامل ہونے سے انکار

غرض بدلائل قویہ یہ امر ثابت ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے اشتہار ۱۵- اپریل ۱۹۰۷ء کی دعا دعائے مباہلہ تھی۔ جس کا اطلاق صرف اسی صورت میں ہو سکتا تھا۔ جبکہ مولوی ثناء اللہ صاحب اسے منظور کرتے۔ کیونکہ بالفاظ مولوی ثناء اللہ صاحب "مباہلہ کے اصل معنے یہ ہیں۔ کہ فریقین بالمقابل ایک دوسرے کے حق میں بد دعا کریں" (مرقع اکتوبر ۱۹۰۷ء ص۲۲)

"مباہلہ اس کو کہتے ہیں۔ جو فریقین مقابلہ پر قسمیں کھائیں" (اہلحدیث ۱۹- اپریل ۱۹۰۷ء)

مگر کیا مولوی ثناء اللہ صاحب نے مقابلہ پر قسم کھائی۔ یا کیا انہوں نے بالمقابل ایک دوسرے کے حق میں بد دعا کی۔ واقعات بتاتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی دعائے مباہلہ شائع ہونے پر مولوی ثناء اللہ صاحب کو اپنی موت نظر آنے لگی۔ اور انہیں یقین ہو گیا۔ کہ اگر میں مقابلہ پر مؤکد بعذاب قسم کھاؤنگا۔ تو ہلاک ہو جاؤنگا۔ چنانچہ انہوں نے نہایت لجاجت سے لکھا "کوئی ایسی نشانی دکھاؤ۔ جو ہم بھی دیکھکر عبرت حاصل کریں۔ مر گئے تو کیا دیکھیں گے" (وطن ۲۶- اپریل ۱۹۰۷ء ص۱۱)

"میرا مقابلہ تو آپ سے ہے۔ اگر میں مر گیا۔ تو میرے مرنے سے اور لوگوں پر کیا حجت ہو سکتی ہے۔ جبکہ (بقول آپ کے) مولوی غلام دستگیر قصوری مرحوم مولوی اسمٰعیل علی گڑھی مرحوم اور ڈاکٹر ڈوئی امریکن اسی طرح سے مر گئے ہیں۔ تو کیا لوگوں نے آپ کو سچا مان لیا ہے۔ ٹھیک اسی طرح اگر یہ واقعہ بھی ہو گیا تو کیا نتیجہ" (اہلحدیث ۲۶- اپریل ۱۹۰۷ء)

پس لایتمنونہ ابداً بما قدمت ایدیھم کے مطابق مولوی ثناء اللہ صاحب خدا تعالےٰ کے شیر کا مقابلہ کرنے سے بھاگ گئے۔ اور صاف طور پر یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ

"یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں۔ اور نہ کوئی دانا اسے منظور کر سکتا ہے۔" "تمہاری یہ دعا کسی صورت میں فیصلہ کن نہیں ہو سکتی"۔ (اہلحدیث ۲۶۔اپریل ۱۹۰۷ء)

پھر ساتھ ہی نائب ایڈیٹر کی طرف سے مولوی ثناء اللہ صاحب نے یہ بھی شائع کیا۔ کہ "قرآن تو کہتا ہے۔ کہ بدکاروں کو خدا کی طرف سے مہلت ملتی ہے۔ سنو من کان فی الضلالۃ فلیمدد لہ الرحمٰن مدا۔ (پ ۱۶ ع ۶) اور انما نملی لھم لیزدادوا اثما (پ ۴ ع ۹) اور ویمدھم فی طغیانھم یعمھون (پ ۱ ع ۲)۔۔۔۔۔ جن کے صاف یہی معنے ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ جھوٹے دغا باز مفسد اور نافرمان لوگوں کو لمبی عمریں دیا کرتا ہے۔ تاکہ وہ اس مہلت میں اور بھی بُرے کام کر لیں"۔ (اہلحدیث ۲۶۔اپریل ۱۹۰۷ء صدا حاشیہ) مولوی صاحب نے نائب ایڈیٹر صاحب کے اس بیان کو درست تسلیم کیا۔ اور اخبار میں ہی شائع کیا۔ کہ "میں اس کو صحیح جانتا ہوں"۔ (اہلحدیث ۳۱ جولائی ۱۹۰۸ء) جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کے نزدیک بھی جھوٹے دغا باز مفسد اور نافرمان لوگوں کی لمبی عمریں ہوا کرتی ہیں۔ تاکہ وہ اس مہلت میں اور بھی بُرے کام کر لیں۔

پس مولوی ثناء اللہ صاحب نے جب حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی دعائے مباہلہ کو نامنظور کر دیا۔ اور اس میدان میں اترنے سے علانیہ گریز کیا۔ تو یہ مباہلہ نہ رہا۔ اور اسی لئے وہ نجران کے عیسائیوں کی طرح جھوٹا دغا باز مفسد اور نافرمان بن کر ہلاکت سے محفوظ رہے۔

مسیلمہ کذّاب والی زندگی

میں اس موقعہ پر تمام حق پسند اصحاب سے درخواست کرتا ہوں۔ کہ وہ غور کریں۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کے اس قرار سے اور ان کے اس تسلیم کردہ اصل سے کہ:۔

"آنحضرت علیہ السّلام باوجود سچا نبی ہونے کے مسیلمہ کذاب سے پہلے انتقال ہوئے۔ مسیلمہ باوجود کاذب ہونے کے صادق سے پیچھے مرا"۔ (مرقع قادیانی بابت ماہ اگست ۱۹۰۸ء صد) اور یہ کہ "خدا تعالےٰ جھوٹے دغا باز مفسد اور نافرمان لوگوں کو لمبی عمریں دیا کرتا ہے۔ تاکہ وہ اس مہلت میں اور بھی بُرے کام کر لیں"۔ (اہلحدیث ۲۶۔اپریل ۱۹۰۷ء صدا حاشیہ) کیا یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی مسیلمہ کذاب کے مثیل ہونے کا ثبوت ہے۔

اس امر کی دلیل کہ وہ اللہ تعالےٰ کی نگاہ میں جھوٹے دغا باز مفسد اور نافرمان ہیں مگر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا وفات پا جانا آپ کے مثیل مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور صادق و راستباز مامور ہونے کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔ پس مولوی ثناء اللہ صاحب کا زندہ رہنا بھی احمدیت کی سچائی کی دلیل ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اعجاز احمدی میں لکھا تھا۔ کہ "اگر اس چیلنج پر وہ مستعد ہوئے کہ کاذب صادق کے پہلے مر جائے۔ تو ضرور وہ پہلے مرینگے"۔ (ص۳۷) جس کا مفہوم یہ تھا کہ اگر وہ اس چیلنج پر مستعد نہ ہوئے۔ تو پہلے نہیں مرینگے۔ بلکہ بعد میں مرینگے۔ اسی کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے ان الفاظ میں بھی اشارہ فرمایا تھا۔ کہ "ہمارے مخالف بھی ہمارے مرنے کے بعد زندہ رہیں گے"۔ (الحکم ۱۰۔ اکتوبر ۱۹۰۷ء)

غرض چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا مقابلہ کرنے سے گریز کیا۔ اس چیلنج کو نامنظور کر دیا۔ کہ کاذب صادق سے پہلے مر جائے۔ کیونکہ ان کے خیال کے مطابق کوئی باطل پرست دانا اسے منظور نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے انہیں ان کے مسلمہ اصل کے مطابق مسیلمہ کذاب کی طرح زندگی دے دی۔ تاکہ وہ دنیا پر ثابت کر دیں۔ کہ وہ اپنے دعاوی اور طریق عمل کے لحاظ سے اللہ تعالےٰ کی نگاہ میں جھوٹے دغا باز مفسد اور نافرمان ہیں۔ اور انہیں اس لئے مہلت دی گئی ہے۔ تاکہ وہ اور بھی برے اعمال کر کے اللہ تعالےٰ کی رحمت کے دروازہ کو اپنے اوپر بند کر لیں۔

مولوی ثناء اللہ صاحب اور نذیر حسین دہلوی میں مشابہت

اس جگہ اس امر کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا مقابلہ کرنے سے اسی طرح گریز کیا۔ جس طرح نذیر حسین دہلوی نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا مقابلہ کرنے سے گریز کیا تھا۔ پھر جس طرح نذیر حسین دہلوی کو مقابلہ سے گریز کی وجہ سے عمر دی گئی۔ اسی طرح مولوی ثناء اللہ صاحب کو بھی دی گئی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں۔

"اس بات کو قریباً نو برس کا عرصہ گذر گیا۔ کہ جب میں دہلی گیا تھا۔ اور میاں نذیر حسین غیر مقلد کو دعوت دین اسلام کی گئی تھی۔ تب ان کے ہر ایک پہلو سے گریز دیکھکر اور ان کی بدزبانی اور دشنام دہی کو مشاہدہ کر کے آخری فیصلہ یہی ٹھہر گیا تھا۔ کہ وہ اپنے اعتقاد

کے حق ہونے کی قسم کھالے۔ پھر اگر قسم کے بعد ایک سال تک میری زندگی میں فوت نہ ہوا۔ تو میں تمام کتابیں اپنی جلادُونگا۔ اور اس کو نعوذ باللہ حق پر سمجھ لونگا لیکن وہ بھاگ گیا۔ اسی بھاگنے کی برکت سے اب تک اس کو عمر دی گئی۔" (اربعین ۴ ص۱۱ حاشیہ)

پھر فرماتے ہیں:-

"اگر کوئی قسم کھا کر یہ کہے۔ کہ فلاں مامور من اللہ جھوٹا ہے۔ اور خدا پر افتراء کرتا ہے۔ اور دجّال ہے۔ اور بے ایمان ہے۔ حالانکہ در اصل وہ شخص خدا کی طرف سے اور صادق ہو۔ اور یہ شخص جو اس کا مکذب ہے۔ مدار فیصلہ یہ ٹھہرائے کہ جناب الٰہی میں دعا کرے کہ اگر یہ صادق ہے۔ تو میں پہلے مروں۔ اور اگر کاذب ہے۔ تو میری ہی زندگی میں یہ شخص مرجائے۔ تو خدا تعالےٰ ضرور اس شخص کو ہلاک کرتا ہے۔ جو اس قسم کا فیصلہ چاہتا ہے۔ ہم لکھ چکے ہیں۔ کہ مقام بدر میں ابوجہل نے بھی یہی دعا کی تھی۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر کہا تھا۔ کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے۔ خدا اسی میدان جنگ میں اس کو قتل کرے۔ سو اس دعا کے بعد وہ آپ ہی مارا گیا۔ یہی دُعا مولوی اسمٰعیل علی گڑھ والے نے اور مولوی غلام دستگیر قصُوری نے میرے مقابل پر کی تھی۔ جس کے ہزاروں انسان گواہ ہیں۔ پھر بعد اس کے وُہ دونوں مولوی صاحبان فوت ہوگئے۔ نذیر حسین دہلوی جو محدث کہلاتا ہے۔ میں نے بہت زور دیا تھا۔ کہ وُہ اسی دعا کے ساتھ فیصلہ کرے۔ لیکن وہ ڈر گیا۔ اور بھاگ گیا۔ اس روز دہلی کی شاہی مسجد میں سات ہزار کے قریب لوگ جمع ہونگے۔ جبکہ اس نے انکار کیا۔ اسی وجہ سے اب تک زندہ رہا۔" (اربعین ۴ ص۱۱-۱۲)

مولوی ثناء اللہ صاحب نے نذیر حسین دہلوی سے اپنے طریق عمل کے لحاظ سے چونکہ کامل مشابہت پیدا کرلی۔ اور جس طرح نذیر حسین دہلوی "بدزبانی اور دشنام دہی" کے باوجود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے "آخری فیصلہ" کے مقابلہ میں مؤکد بعذاب قسم کھانے کے لئے تیار نہ ہوا۔ بلکہ بھاگ گیا۔ اسی طرح مولوی ثناء اللہ صاحب نے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے "آخری فیصلہ" کے مقابلہ میں باوجود بدزبانی اور دشنام دہی کے جس کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا تھا کہ "میں دیکھتا ہوں۔ کہ ان کی بدزبانی حد سے گذر گئی"، (اشتہار ۱۵۔ اپریل ۱۹۰۷ء منقول از تبلیغ رسالت جلد دہم ص۱۲۰)

انکار کرتے ہوئے کہہ دیا کہ "یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں اور نہ کوئی دانا اسے منظور کر سکتا ہے۔" (اہلحدیث ۲۶۔ اپریل ۱۹۰۷ء)

تو ان حالات میں ضروری تھا۔ کہ جس طرح نذیر حسین دہلوی کو "آخری فیصلہ" منظور نہ کرنے کی وجہ سے "عمر دی گئی" اور وُہ "زندہ رہا" اسی طرح مولوی ثناء اللہ صاحب کو بھی "آخری فیصلہ" منظور نہ کرنے کی بناء پر عمر دی جاتی اور وُہ زندہ رہتے۔ پس مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی بجائے ان کی صداقت کا ثبوت ہونے کے اس امر کا کھلا روشن بیّن اور نہایت ہی واضح ثبوت ہے۔ کہ وہ نذیر حسین دہلوی کے مثیل اور ان الباطل کان زھوقا۔ کے مطابق اسی کی طرح ایک بھگوڑے ہیں۔ اور جس طرح نذیر حسین دہلوی اپنی بزدلی کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا مقابلہ نہ کرنے کی بناء پر زندہ رہا۔ اسی طرح مولوی ثناء اللہ صاحب کو بھی حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے مقابلہ سے بچ کر آرام کا سانس لینا نصیب ہوا۔ پس اس پہلو سے دونوں کی مشابہت ظاہر اور مولوی ثناء اللہ صاحب کے زندہ رہنے کی وجہ بالکل عیاں ہے۔

دعائے مباہلہ اور الہام اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ

سید حبیب نے اخبار بدر کے حوالہ سے یہ بھی اعتراض کیا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو اس دعائے مباہلہ کے متعلق الہام ہوچکا تھا کہ اجیب دعوۃ الداع۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے اُس دعا کو قبول کرلیا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی وفات نعوذ باللہ اسی مقابلہ کی وجہ سے ہوئی۔ لیکن یہ اعتراض بھی ان کی ناسمجھی پر دلالت کرتا ہے۔ وجہ یہ کہ جیب یہ ثابت کیا جاچکا ہے۔ کہ اشتہار ۱۵۔ اپریل ۱۹۰۷ء دعائے مباہلہ ہے۔ تو اس دعائے مباہلہ کے متعلق اجیب دعوۃ الداع کا الہام ہونے کا یہ مطلب تھا۔ کہ اگر مباہلہ ہوا۔ تو بے شک مولوی ثناء اللہ صاحب پر ہی لعنت پڑے گی۔ اور وہی عذاب الیم میں مبتلا ہوکر دُنیا سے نابود ہونگے۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں نجران کے نصاریٰ کے متعلق آیت مباہلہ میں آتا ہے۔ فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ یعنی ہم جھوٹوں پر لعنت ڈالینگے۔ گویا یہ بھی اللہ تعالےٰ کا ایک وعدۂ نصرت تھا۔ جیسا کہ الہام اجیب دعوۃ الداع میں نصرت کا وعدہ ہے۔ مگر نصاریٰ نجران نے جن کے متعلق آیت مباہلہ کا شان نزول بتایا جاتا ہے۔ جب مباہلہ سے گریز کیا۔ تو وہ

ہلاک نہ ہوئے۔ اور فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین کا وعدہ بھی ظہور میں نہ آیا کیونکہ اس وعدہ کے ظہور کے لئے نصاریٰ نجران کی آمادگی ضروری تھی۔ اسی طرح اس جگہ بھی ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مباہلہ کا اشتہار شائع کیا۔ خدا تعالیٰ نے وعدہ نصرت دے دیا۔ اور الہام نازل کر دیا۔ کہ اجیب دعوۃ الداع جیسا کہ نصاریٰ نجران کے متعلق کہا تھا۔ کہ فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ یعنی یہ دعائے مباہلہ قبول ہے اگر مولوی ثناء اللہ صاحب اس بات کے لئے مستعد ہوئے۔ کہ کاذب صادق سے پہلے مرے۔ تو اللہ تعالیٰ ضرور انہیں ہلاک کرے گا۔ مگر چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب نصاریٰ نجران کی طرح خدا تعالیٰ کے مامور کا مقابلہ کرنے سے بھاگ نکلے۔ اور اس فیصلہ کے لئے مستعد نہ ہوئے کہ کاذب صادق سے پہلے مرے۔ اس لئے الہام اجیب دعوۃ الداع بھی ظہور پذیر نہ ہوا۔ اور مولوی صاحب اپنے تسلیم کردہ اصل کے ماتحت دنیا میں جھوٹا دغاباز مفسد اور نافرمان مشہور ہونے کے لئے مسیلمہ کذاب کی طرح زندہ رہ گئے۔

مرزا سلطان احمد صاحب کے متعلق حضرت مسیح موعود نے کوئی پیشگوئی نہیں کی

سید حبیب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک اور پیشگوئی جو بقول ان کے "غلط ثابت ہوئی" مندرجہ ذیل الفاظ میں پیش کی ہے۔

"مرزا صاحب نے دعوے کیا تھا۔ کہ مرزا سلطان احمد صاحب ۲۱۔ اگست ۱۸۹۴ء تک ضرور فوت ہو جائیں گے۔ اور یہ تاریخ ہرگز ٹل نہیں سکتی۔ ملاحظہ ہو شہادت القرآن صفحہ ۸۰۔ مرزا صاحب نے اس پیشگوئی کو بہت ہی اہم اور عظیم الشان قرار دیا ہے۔ لیکن جن صاحب کے متعلق یہ پیشگوئی تھی۔ وہ تاریخ مقررہ سے ۲۹ سال بعد تک تو میرے علم کے مطابق زندہ تھے۔ ان کی تاریخ وفات مجھے محفوظ نہیں۔ لیکن اس کی ضرورت بھی نہیں۔" (تحریک قادیان صفحہ ۱۲۹)

یہ الفاظ پڑھکر ایک حیرت کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ اور دل میں سوال اٹھتا ہے کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ شہادت القرآن صفحہ ۸۰ پر کب مرزا سلطان احمد صاحب کی وفات کی پیشگوئی کی گئی۔ اور کب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعوے کیا۔ کہ ۲۱۔ اگست ۱۸۹۴ء تک وہ "ضرور فوت ہو جائیں گے" پھر کب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے اسے "بہت ہی اہم اور عظیم الشان" پیشگوئی قرار دیا۔ مزید تعجب یہ کہ تحریک قادیان کے حاشیہ پر سید حبیب نے مرزا سلطان احمد صاحب کے متعلق لکھا ہے "جناب اب بھی زندہ ہیں۔ مجھے ان کے ایک اور ہمنام کی وجہ سے مغالطہ لگا۔ جس کا مجھے افسوس ہے۔"

یہ الفاظ پڑھکر تو حیرت کی حد ہی نہیں رہتی۔ کیونکہ جس شخص کے متعلق بحث کی جا رہی ہے۔ وہ وفات پاچکے۔ اور قادیان کے بہشتی مقبرہ میں مدفون ہیں پھر وہ "اب بھی زندہ" کیونکر ہو گئے۔ جب بہت غور کیا۔ تو دل و دماغ اس نتیجہ پر پہونچے۔ کہ سید صاحب نے نہ کتاب شہادۃ القرآن دیکھی۔ نہ کسی سے پوچھا۔ کہ حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کے متعلق کوئی پیشگوئی تھی یا نہیں؟ کسی مخالف کی کتاب سے یہ اعتراض دیکھا۔ اور اسے ویسے ہی نقل کر دیا۔ حالانکہ انہیں چاہئے تھا۔ وہ شہادت القرآن دیکھ لیتے تمام نہ سہی۔ تو اس کا صفحہ ۸۰ ہی ملاحظہ فرما لیتے۔ جس کا حوالہ انہوں نے درج فرمایا۔ پھر ان پر خود بخود حقیقت واضح ہو جاتی۔ اور انہیں معلوم ہو جاتا۔ کہ مرزا سلطان احمد صاحب کی وفات کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قطعاً کوئی پیشگوئی نہیں۔ ممکن ہے کہا جائے کہ سید حبیب نے مرزا سلطان محمد صاحب ساکن پٹی کا ذکر کرنا تھا۔ مگر کتابت کی غلطی کی وجہ سے مرزا سلطان احمد صاحب لکھا گیا۔ مگر یہ بھی درست نہیں اور اس کی دو وجہیں ہیں۔ اوّل:۔ یہ کہ سید حبیب نے مرزا سلطان محمد صاحب ساکن پٹی کے متعلق پیشگوئی کا ایک مستقل عنوان میں علیحدہ ذکر کیا ہے۔ اور ان کے متعلق انہیں یہ بھی معلوم ہے۔ کہ وہ زندہ ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"محترمہ محمدی بیگم صاحبہ اب تک بقید حیات ہیں۔ عیالدار ہیں۔ اور ان کے شوہر بھی زندہ اور سلامت مقام پٹی ضلع لاہور میں موجود ہیں" (صفحہ ۱۳۷)

مگر اس جگہ جس پیشگوئی کا ذکر کرتے ہیں۔ اس میں مرزا سلطان احمد صاحب کو پہلے وفات یافتہ اور پھر زندہ قرار دیتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اس پیشگوئی کو مرزا سلطان محمد صاحب والی پیشگوئی سے علیحدہ تصور کرتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ سید حبیب مرزا سلطان احمد صاحب کے متعلق لکھتے ہیں "کہا جاتا ہے۔ کہ وہ تائب ہو کر مرے اور مرزائی ہو چکے تھے" یہ خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب کے متعلق ہی کہا جاتا ہے۔ مرزا سلطان محمد صاحب ساکن پٹی تو ابھی تک حلقہ احمدیت میں

شامل نہیں ہوئے۔

یہ دو قرائن ہیں جن سے یقینی طور پر پتہ لگتا ہے۔ کہ سید حبیب نے خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم و مغفور کے متعلق ہی یہ حیرت انگیز انکشاف کیا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے ان کے متعلق یہ پیشگوئی کی تھی۔ کہ وہ "۲۱ اگست ۱۸۹۴ء تک ضرور فوت ہو جائینگے اور یہ تاریخ ہرگز نہیں ٹل سکتی۔" مگر جیسا کہ بتایا جا چکا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی کسی کتاب میں اس کا ذکر نہیں۔

ڈاکٹر عبد الحکیم کی پیشگوئی پر بحث

ڈاکٹر عبدالحکیم کی پیشگوئی کے سلسلہ میں بھی سید حبیب نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے متعلق اعتراض کیا ہے۔ کہ "مرزا صاحب ڈاکٹر صاحب کی بتائی ہوئی مدت کے اندر اندر ہی ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو فوت ہو گئے۔ اور ڈاکٹر صاحب میرے علم کے مطابق ۱۹۱۹ء تک زندہ و سلامت رہے۔" (تحریک قادیان صـ۱۳۱)

اس پیشگوئی کے متعلق بھی سید صاحب کے معلومات نہایت سطحی ہیں۔ اور ہمیں یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں۔ کہ انہوں نے مخالف لٹریچر کو صرف دہرانے پر اکتفا کیا ہے اپنی ذاتی تحقیق سے کہیں کام نہیں لیا۔ عبد الحکیم کی پیشگوئی کی حقیقت تو اسی سے واضح ہو جاتی ہے۔ کہ یہ شخص بیس برس تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مرید رہا۔ بلکہ ایک دفعہ اس نے اپنے رسالہ ذکر الحکیم میں یہ رویا شائع کیا۔ کہ

"ایک مولوی محمد حسن بیگ میرے خالہ زاد بھائی تھے۔ حضور کے (یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے) سخت مخالف تھے۔ ان کی نسبت خواب میں مجھے معلوم ہوا۔ کہ اگر وہ مسیح الزمان کی مخالفت پر اڑا رہا۔ تو پلیگ سے ہلاک ہو جائیگا۔ اس کی سکونت بھی شہر سے باہر ایک ہوادار کشادہ مکان میں تھی۔ یہ خواب میں نے اس کے حقیقی بھائی اور چچا اور دیگر عزیزوں کو سنا دیا تھا۔ ایک سال بعد وہ پلیگ سے ہی فوت ہوا۔" (حقیقۃ الوحی صـ۱۸۸)

لیکن ارتداد اختیار کرنے پر اس نے اسی "مسیح الزمان" کی مخالفت میں الہامات کے نزول کا دعویٰ کر دیا۔ جس کی صداقت کے ثبوت میں اس نے اپنے خالہ زاد بھائی کی ہلاکت کو بطور نشان پیش کیا تھا۔ اسی ایک امر سے ہر دانا شخص اندازہ لگا سکتا ہے۔ کہ عبد الحکیم کس دیانت و صداقت کا مالک تھا۔ بہرحال سید حبیب کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ عبد الحکیم

جس کی پیشگوئی پر وہ بلا سوچے سمجھے سر تسلیم خم کر رہے ہیں۔ ایک نہایت ہی عیار شخص تھا۔ اور اس کی عیاری کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ سے متواتر الہامات پا کر دسمبر ۱۹۰۵ء میں اپنی وفات سے اڑھائی برس قبل "الوصیت" شائع کی۔ جس میں تمام دُنیا کو آپ نے آگاہ فرما دیا۔ کہ آپکا زمانۂ وفات نزدیک ہے چنانچہ آپ نے فرمایا۔

"چونکہ خدائے عزوجل نے متواتر وحی سے مجھے خبر دی ہے۔ کہ میرا زمانۂ وفات نزدیک ہے۔ اور اس بارے میں اس کی وحی اس قدر تواتر سے ہوئی۔ کہ میری ہستی کو بنیاد سے ہلا دیا۔ اور اس زندگی کو میرے پر سرد کر دیا۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اپنے دوستوں اور ان تمام لوگوں کے لئے جو میرے کلام سے فائدہ اٹھانا چاہیں۔ چند نصائح لکھوں۔ سو پہلے میں اس مقدس وحی سے اطلاع دیتا ہوں۔ جس نے مجھے میری موت کی خبر دے کر میرے لئے یہ تحریک پیدا کی۔ اور وہ یہ ہے۔ جو عربی زبان میں ہوئی اور بعد میں اردو کی وحی بھی لکھی جائے گی۔ قرب اجلك المقدر ولا نبقی لك من المخزیات ذکرا۔ قل میعاد ربك ولا نبقی لك من المخزیات شیئا واما نرینك بعض الذی نعدهم او نتوفینك تموت وانا راض منك جاء وقتك ۔ ونبقی لك الآیات باهرات۔ جاء وقتك ونبقی لك الآیات بینات قرب ما توعدون واما بنعمة ربك فحدث انه من یتق الله و یصبر فان الله لا یضیع اجر المحسنین۔

ترجمہ:۔ تیری اجل قریب آگئی ہے۔ اور ہم تیرے متعلق ایسی باتوں کا نام و نشان نہیں چھوڑینگے۔ جن کا ذکر تیری رسوائی کا موجب ہو۔ تیری نسبت خدا کی میعاد مقررہ تھوڑی رہ گئی ہے۔ اور ہم ایسے تمام اعتراض دُور اور دفع کر دینگے۔ اور کچھ بھی ان میں سے باقی نہیں رکھیں گے۔ جن کے بیان سے تیری رسوائی مطلوب ہو۔ اور ہم اس بات پر قادر ہیں۔ کہ جو کچھ مخالفوں کی نسبت ہماری پیشگوئیاں ہیں۔ ان میں سے تجھے کچھ دکھا دیں۔ یا تجھے وفات دیدیں۔ تو اس حالت میں فوت ہو گا۔ جو میں تجھ سے راضی ہونگا۔ اور ہم کھلے کھلے نشان تیری تصدیق کے لئے ہمیشہ موجود رکھیں گے۔ جو وعدہ کیا گیا وہ قریب ہے۔ اپنے رب کی نعمت کا جو تیرے پر ہوئی۔ لوگوں کے پاس

بیان کر۔ جو شخص تقوی اختیار کرے اور صبر کرے۔ تو خدا ایسے نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔"

"بعد اس کے خدا تعالےٰ نے میری وفات کی نسبت اردو زبان میں مندرجہ ذیل کلام کے ساتھ مجھے مخاطب کرکے فرمایا "بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ اس دن سب پر اداسی چھا جائیگی۔ یہ ہوگا یہ ہوگا۔ یہ ہوگا۔ بعد اس کے تمہارا واقعہ ہوگا۔ تمام حوادث اور عجائبات قدرت دکھلانے کے بعد تمہارا حادثہ آئے گا،، (الوصیت صـــ۲۰ـ۱)

اسی طرح براہین احمدیہ حصہ پنجم لکھتے ہوئے فرمایا:۔

"خدا نے مجھ پر ظاہر فرمایا ہے۔ کہ آخری حصہ زندگی کا یہی ہے۔ جو اب گذر رہا ہے جیسا کہ عربی میں وحی الٰہی یہ ہے۔ "قرب اجلك المقدر۔ ولا نبقی لك من المخزیات ذکرا یعنی تیری اجل مقدر اب قریب ہے۔ اور ہم تیری نسبت ایک بات بھی ایسی باقی نہیں چھوڑ ینگے۔ جو موجب رسوائی اور طعن تشنیع ہو" (حاشیہ صـــ۷۵ـ)

پھر اللہ تعالےٰ کی طرف سے آپ کو یہ بھی بتلایا گیا۔ کہ آپ کی عمر میں سے اب دو تین سال ہی باقی ہیں۔ چنانچہ ۱۸۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ رویاء دیکھا کہ "ایک کوری ٹنڈ میں کچھ پانی مجھے دیا گیا ہے۔ پانی صرف دو تین گھونٹ باقی اس میں رہ گیا ہے۔ لیکن بہت مصفیٰ اور مقطر پانی ہے۔ اس کے ساتھ الہام تھا "آب زندگی،، (ریویو دسمبر ۱۹۰۵ء صـــ۴۸۰ـ)

اس خواب کا بھی یہی مفہوم تھا۔ کہ آپکی زندگی کا بہت سا حصہ گذر چکا ہے۔ اور اب صرف دو تین سال باقی رہتے ہیں۔

عبد الحکیم نے جب دیکھا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی وفات کی پیشگوئی کردی ہے۔ اور الوصیت بھی شائع کردی۔ اور خوابوں سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ دو تین سال آپ کی زندگی میں سے باقی رہ گئے ہیں۔ تو اس نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ شاید لوگوں پر اس کی ولایت کا سکہ بیٹھ جائیگا۔ اعلان کردیا۔

"مرزا مسرف کذاب اور عیار ہے۔ صادق کے سامنے شریر فنا ہو جائیگا۔ اور اس کی میعاد تین سال بتائی گئی ہے۔" (کانا دجال صـــ۵ـ وتبلیغ رسالت جلد دہم صـــ۱۱۵ـ)

ناظرین غور فرمادیں۔ عبد الحکیم کا یہ کیسا مکر اور کھلا کھلا فریب ہے۔ حضرت مسیح

موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام الوصیت شائع فرما چکے ہیں۔ اپنی وفات کے متعلق اللہ تعالےٰ کے الہامات بیان کرچکے ہیں۔ رویاء وکشوف سے پتہ چلتا ہے۔ کہ دو تین سال عمر باقی رہ گئی ہے۔ اور الوصیت سے سات ماہ بعد عبد الحکیم کو ہوش آتا ہے۔ اور کہتا ہے خدا نے مجھے بتلایا ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب تین سال میں فوت ہوجائینگے۔ کیا یہ صریح شرارت۔ دھوکا۔ فریب اور عیاری نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دسمبر ۱۹۰۵ء میں الوصیت شائع کی۔ اور عبد الحکیم نے ۱۲ جولائی ۱۹۰۶ء کو یہ پیشگوئی کی۔ گویا قریبًا سات ماہ کے بعد۔ مگر کیا پیشگوئی اسی کو کہا جاتا ہے۔

عبد الحکیم کی اس پیشگوئی کی مثال بالکل ایسی ہی ہے۔ کہ ایک مجلس میں زید کھڑا ہو اور کہے میرے گھر بچہ پیدا ہونے والا ہے۔ اور صرف چند ماہ باقی رہ گئے ہیں۔ یہ سنتے ہی بکر کھڑا ہو جائے۔ اور پکار پکار کر کہنا شروع کردے۔ کہ لوگو میں نبی اور رسول ہوں اور میری صداقت کا ثبوت یہ ہے۔ کہ زید کے ہاں چند ماہ کے اندر بچہ پیدا ہونے والا ہے کیا کوئی بھی شخص ایسے قول کو وقعت دینے کے لئے تیار ہوگا۔ یہی حال عبد الحکیم کا ہے جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما چکے تھے۔ کہ میرا زمانہ وفات قریب ہے اور دو تین سال عمر رہتی ہے۔ الوصیت شائع کرچکے تھے۔ اور اپنی جماعت کو آخری ہدایات بھی دے چکے تھے۔ تو الوصیت کے سات ماہ بعد عبد الحکیم کا یہ لکھنا کہ مرزا صاحب کی وفات تین سال کے اندر ہوجائیگی۔ سوائے عیاری کے اور کسی مفہوم کی حامل نہیں تھی بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ عبد الحکیم کو بھی معلوم تھا۔ کہ حضرت مرزا صاحب الوصیت شائع کرچکے ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنے رسالہ ذکر الحکیم نمبر ۴ میں لکھا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے اپنی وصیت شائع کردی ہے۔ اور لکھ دیا ہے۔ کہ میری وفات قریب ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات

بہرحال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جب عبد الحکیم کی اس حرکت کا علم ہوا۔ تو آپ نے اس کے جواب میں ۱۶۔ اگست ۱۹۰۶ء کو ایک اشتہار بعنوان "خدا سچے کا حامی ہو" شائع فرمایا۔ جس میں اللہ تعالےٰ کے یہ الہامات درج کئے:۔

"خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں۔ اور وہ سلامتی

کے شہزادے کہلاتے ہیں۔ ان پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ فرشتوں کی کھچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے۔ پر تونے وقت کو نہ پہچانا نہ دیکھا نہ جانا۔ رب فرق بین صادق وکاذب انت تری کل مصلح وصادق۔" (تبلیغ رسالت جلد دہم ص۱۱۵)

ڈاکٹر عبدالحکیم کا اپنی پہلی پیشگوئی کو منسوخ کر کے دوسری پیشگوئی کرنا

اللہ تعالےٰ کی شان عبدالحکیم کی جھوٹی پیشگوئی پر خدا تعالےٰ کا سچا کلام شہاب ثاقب بن کر گرا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ عبدالحکیم نے اپنے ہاتھوں اس پیشگوئی کو منسوخ کر دیا۔ اور اس کی بجائے ایک اور پیشگوئی کی۔ چنانچہ اس نے لکھا:۔

"اللہ نے اس کی شوخیوں اور نافرمانیوں کی سزا میں سہ سالہ میعاد میں سے جو ۱۱۔ جولائی ۱۹۰۹ء کو پوری ہونی تھی۔ دس مہینے اور گیارہ دن کم کر دیئے۔ اور مجھے ۱۲ جولائی ۱۹۰۶ء کو الہاماً فرمایا۔ "مرزا آج سے ۱۴ ماہ تک بسزائے موت ہاویہ میں گرایا جائے گا۔" (اعلان الحق واتمام الحجت وتکملہ ص۶)

اللہ تعالےٰ کا تازہ کلام

جب عبدالحکیم نے سہ سالہ میعاد کی پیشگوئی کو منسوخ کر کے ایک نئی پیشگوئی کی۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام پر اللہ تعالےٰ نے اپنا تازہ کلام اتارا۔ جس کے ماتحت ۵ نومبر ۱۹۰۷ء کو حضور نے ایک اشتہار بعنوان "تبصرہ" رقم فرمایا۔ اور اس میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل شدہ الہامات میں سے ایک کا یوں ترجمہ فرمایا۔ "میری مدد کا منتظر رہ۔ اور اپنے دشمن کو کہدے۔ کہ خدا تجھ سے مواخذہ لیگا۔" پھر یہ اردو الہام درج کیا۔ کہ "میں تیری عمر کو بھی بڑھا دونگا۔" اور اس کی تشریح ان الفاظ میں کی کہ:۔ "دشمن جو کہتا ہے۔ کہ صرف جولائی ۱۹۰۷ء سے ۱۴ مہینے تک تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں۔ یا ایسا ہی جو دوسرے دشمن پیشگوئی کرتے ہیں۔ ان سب کو میں جھوٹا کر دونگا اور تیری عمر کو بڑھا دونگا۔" (تبلیغ رسالت جلد دہم ص۱۳۱)

ان الفاظ میں اللہ تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو بتایا۔ کہ میں عبدالحکیم کی تمام باتوں کو غلط کر دونگا۔ اور ہو نہیں سکتا۔ کہ اسکی پیشگوئی پوری ہو۔ بلکہ اگر وہ یہی کہتا رہا۔ کہ چودہ ماہ کے اندر تیری وفات ہو جائیگی۔ تو میں تیری عمر کو بڑھا کر اسے ناکام و نامراد رکھونگا۔ ہمارا ایمان ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کا یہ وعدہ ضرور پورا ہوتا۔ بشرطیکہ عبدالحکیم اپنی پیشگوئی پر قائم رہتا۔

دوسری پیشگوئی کو منسوخ کر کے تیسری پیشگوئی کرنا

مگر جس طرح اس نے اپنے ہاتھ سے پہلی پیشگوئی منسوخ کی۔ جو سہ سالہ میعاد پر مشتمل تھی۔ اسی طرح اس نے دوسری پیشگوئی کو بھی منسوخ قرار دے کر ایک تیسری پیشگوئی ۱۶۔ فروری ۱۹۰۸ء کے الہام کی بناء پر شائع کی۔ کہ "مرزا ۲۱ ساون سمت ۱۹۶۵ مطابق ۴ اگست ۱۹۰۸ء تک ہلاک ہو جائیگا۔" (اعلان الحق واتمام الحجت ص۲۶)

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے عبدالحکیم کی اس پیشگوئی کا چشمۂ معرفت میں جو اس وقت زیر تصنیف تھی۔ ذکر فرماتے ہوئے لکھا:۔

"بلاشبہ یہ سچ بات ہے۔ کہ جو شخص خدا تعالےٰ کی نظر میں صادق ہے۔ خدا اس کی مدد کرے گا۔" نیز لکھا:۔

میں اس کے شر سے محفوظ رہونگا۔" (ص۳۲۲)

تیسری پیشگوئی کو منسوخ کر کے چوتھی پیشگوئی کرنا

اللہ تعالےٰ کی قدرت نمائی دیکھئے۔ جس طرح عبدالحکیم نے اپنی پہلی پیشگوئی منسوخ کی۔ دوسری کو رد کیا۔ اسی طرح اس تیسری پیشگوئی پر بھی وہ قائم نہ رہا۔

چنانچہ اس نے ۴۔ اگست تک وفات والی پیشگوئی کو بھی منسوخ قرار دیتے ہوئے لکھا: "کسی طرح اس (یعنی حضرت مسیح موعودؑ) کی بیباکی اور سرکشی میں کمی نہ ہوئی۔ مرزائیوں کا ارتداد اور کفر بے حد بڑھتا گیا۔ جس کی تفصیل کانا دجال کے مطالعہ سے ظاہر ہوگی۔ ایک موقع پر بے اختیاری میری زبان سے یہ بددعا نکلی۔ اے خدا اس ظالم کو جلد غارت کر۔ اے خدا اس بدمعاش کو جلد غارت کر۔ اس لئے ۴ اگست ۱۹۰۸ء مطابق ۲۱ ساون سمت ۱۹۶۵ تک کی میعاد بھی منسوخ کی گئی" (اعلان الحق واتمام الحجۃ وتکملہ ص۹)

جب عبدالحکیم اپنے ہاتھ سے اپنی تینوں پیشگوئیوں کو منسوخ کر چکا۔ اور کسی پیشگوئی کے لحاظ سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی صداقت کو مشتبہ نہ کر سکا۔ تو اس نے آخری پیشگوئی یہ کی۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی وفات ۴۔ اگست ۱۹۰۸ء کو ہو جائے گی۔ گویا موت کا ایک دن معین کر دیا۔ چنانچہ اس کا ثبوت ڈاکٹر عبدالحکیم کا وہ خط ہے جو اس نے ۸ مئی ۱۹۰۸ء کو ایڈیٹران پیسہ اخبار لاہور و اہلحدیث امرتسر کو لکھا۔ اور جو پیسہ اخبار میں بالفاظ ذیل شائع ہوا۔

"مکرم بندہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:۔
میرے الہامات جدیدہ جو مرزا غلام احمد کے متعلق ہیں۔ اپنے اخبار میں شائع فرماکر ممنون فرماویں۔

(۱) مرزا ۲۱ ساون سمت ۱۹۶۵ کو مرض مہلک میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جائیگا۔
(۲) مرزا کے کنبہ میں سے ایک بڑی معرکۃ الآراء عورت مرجائیگی۔ والسلام (خاکسار عبدالحکیم خان ایم۔بی۔ پٹیالہ ۸ مئی ۱۹۰۸ء۔(روزانہ پیسہ اخبار مورخہ ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۴ کالم ۲)

مولوی ثناء اللہ صاحب نے بھی "اہلحدیث" میں ان الہامات کو اپنی یاوہ گوئی سے کام لیتے ہوئے حسب ذیل عبارت میں درج کیا۔

"آہ ہم افسوس سے کہتے ہیں۔ کہ ہمارا اس خبر کے شائع کرنے سے دل دکھتا ہے۔ مگر کیا کریں۔ واقعات کا اظہار ہے۔ ہمارا ماتھا تو اسی وقت اس بد خبر کے سننے کے لئے ٹھنکا تھا۔ جب مرزا صاحب نے اپنا آخری وصیت نامہ شائع کیا تھا جس میں لکھا تھا۔ کہ مجھے وحیٔ الٰہی نے متنبہ کر دیا ہے۔ کہ جلدی وہ زمانہ آنے والا ہے۔ کہ لوگ کہیں گے خس کم جہاں پاک۔ لیکن تاہم ہم قانونِ خداوندی ویمدھم فی طغیانھم پر نظر ڈال کر ایسے جلدی کے متوقع نہ تھے۔ جتنی جلدی کی خبر ہم کو آج ہمارے دوست ڈاکٹر عبدالحکیم خان صاحب پٹیالوی نے سنائی ہے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں "مرزا قادیانی کے متعلق میرے الہامات ذیل شائع فرماکر ممنون فرماویں۔ (۱) مرزا ۲۱ ساون سمت ۱۹۶۵ (۴ اگست ۱۹۰۸ء) کو مرض مہلک میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جائیگا۔ (۲) مرزا کے کنبہ میں سے ایک بڑی معرکۃ الآراء عورت مرجائے گی" (اہلحدیث ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۶)

مولوی ثناء اللہ صاحب کی اس تحریر سے علاوہ اس امر کے کہ عبدالحکیم کی آخری پیشگوئی یہی تھی۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۴ اگست کو وفات پاجائینگے۔ دو اور امور بھی ظاہر ہوتے ہیں۔

اوّل:۔ یہ کہ ڈاکٹر عبدالحکیم کی اس پیشگوئی میں کوئی ندرت نہیں تھی۔ بلکہ مولوی ثناء اللہ صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عنقریب فوت ہو جانے کا اسی وقت سے خیال تھا جب سے آپ نے الوصیت شائع فرمائی تھی۔ گویا عبدالحکیم کی پیشگوئی پیشگوئی نہیں

بلکہ سرقہ، شرارت اور عیاری تھی۔

دوم مولوی ثناء اللہ صاحب "قانونِ خداوندی ویمدھم فی طغیانھم" کے ہمیشہ قائل رہے ہیں۔ اور اس اقتباس میں بھی انہوں نے یہی عقیدہ ظاہر کیا ہے پس اللہ تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقابل انہیں اسی مسلمہ اصل کے ماتحت ڈھیل دیدی۔ غرض عبدالحکیم کی آخری پیشگوئی یہی تھی۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۴ اگست ۱۹۰۸ء کو مرض مہلک میں مبتلا ہو کر وفات پاجائینگے۔

ڈاکٹر عبدالحکیم کی کھلی ناکامی

مگر چونکہ اللہ تعالےٰ فرما چکا تھا۔ کہ "میں دشمنوں کو جھوٹا کرونگا" (تبلیغ رسالت جلد دہم صفحہ ۱۳۱) اور آپ نے یہ بھی لکھا تھا کہ "میں اس کے شر سے محفوظ رہونگا" (چشمۂ معرفت صفحہ ۳۲۲) اس لئے عبدالحکیم کے ترکش کے اس آخری تیر کو بھی اللہ تعالےٰ نے نہایت بری طرح ناکام کیا۔ اور بجائے اس کے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ۴ اگست کو فوت ہوتے ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو آپ کا وصال ہوا۔ اور خدا نے ہر رنگ میں ثابت کر دیا۔ کہ عبدالحکیم کاذب و مفتری ہے جس کا خدا کے ساتھ ذرہ بھر بھی تعلق نہیں۔

عبدالحکیم کی روسیاہی جب خدا تعالےٰ نے دنیا پر واضح کردی۔ تو اس کے ہمنواؤں نے نہایت جھوٹ اور افتراء سے کام لیتے ہوئے یہ کہنا شروع کر دیا۔ کہ حضرت مرزا صاحب کی وفات عبدالحکیم کی پیشگوئی کے مطابق ہوئی ہے۔ حالانکہ بدلائل بیّنہ یہ بات بالکل غلط ثابت کی جاچکی ہے۔

عبدالحکیم نے بے شک یہ پیشگوئی کی تھی۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۴ اگست تک فوت ہو جائیں گے۔ مگر آخر اس نے اس پیشگوئی کو منسوخ کرتے ہوئے آخری اور قطعی پیشگوئی جس میں ایک دن کا تعین کر دیا یہ کی کہ ۴ اگست کو وفات ہوگی۔ چنانچہ اس کا یہ بھی ثبوت ہے۔ کہ

۱۔ ۴ اگست تک والا الہام ۱۶ فروری ۱۹۰۸ء کا ہے۔ (اعلان الحق واتمام الحجت صفحہ ۲۶) مگر ۴ اگست کو والا الہام مئی کے پہلے ہفتہ کا ہے۔ اسی لئے ۸ مئی ۱۹۰۸ء کو اس نے مدیران پیسہ اخبار اور اہلحدیث کو یہ پیشگوئی لکھی۔ علاوہ ازیں اعلان الحق واتمام الحجۃ وتکملہ صفحہ ۳۲ سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ جس میں وہ یہ اقرار کرتا ہے۔ کہ مئی ۱۹۰۸ء میں مجھے "کو" والا الہام

ہوا تھا۔ ب۔ پھر "تک" والا الہام جدید نہیں بلکہ تین مہینے پہلے کا ہے لیکن "کو" والے الہام کو اس نے جدید قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اس خط سے ظاہر ہے۔ جو اس نے پیسہ اخبار لاہور کو لکھا۔ ج:۔ ۴ر اگست تک والے الہام کے ساتھ کسی معرکۃ الآراء عورت کی وفات کا الہام نہیں۔ لیکن ۴ر اگست کو والے الہام کے ساتھ اس کا ذکر ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ علیحدہ الہام تھا۔

د:۔ سب سے بڑا ثبوت یہ ہے۔ کہ عبدالحکیم نے خود اقرار کیا ہے۔ کہ ۴ر اگست تک والی میعاد خدا تعالیٰ نے منسوخ کر دی ہے۔ جیسا کہ اعلان الحق و اتمام الحجت و تکملہ صفحہ ۹ کے حوالہ سے اس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کی رائے

چونکہ عبدالحکیم کی پیشگوئی نہایت صفائی سے جھوٹی ثابت ہوئی۔ اس لئے محمدیار طبقہ نے اسے عبدالحکیم کی فتح قرار دینے سے اجتناب کیا۔ بلکہ اور تو اور مولوی ثناءاللہ صاحب نے بھی لکھا۔

"ہم خدا لگتی کہنے سے رک نہیں سکتے۔ کہ ڈاکٹر صاحب اگر اسی پر بس کرتے یعنی چودہ ماہیہ پیشگوئی کر کے **مرزا کی موت کی تاریخ مقرر نہ کر دیتے جیسا کہ انہوں نے** کیا۔ چنانچہ ۱۵ مئی کے اہلحدیث میں ان کے الہامات درج ہیں۔ کہ ۲۱ ساون یعنی ۴ر اگست ۱۹۰۸ء کو مرزا مرے گا۔ تو آج وہ اعتراض نہ ہوتا۔ جو معزز ایڈیٹر پیسہ اخبار نے ۲۷ کے روزانہ پیسہ اخبار میں ڈاکٹر صاحب کے اس الہام پر چھپا ہوا کیا ہے۔ کہ "۲۱ ساون کو" کی بجائے "۲۱ ساون تک" ہوتا تو خوب ہوتا۔ غرض سابقہ پیشگوئی سہ سالہ اور چودہ ماہیہ کو اسی اجمال پر چھوڑے رہتے۔ اور ان کے بعد میعاد کے اندر تاریخ کا تقرر نہ کر دیتے۔ تو آج یہ اعتراض پیدا نہ ہوتا۔"

(اہلحدیث ۱۲ جون ۱۹۰۸ء صـ۷)

یہ شہادت جو احمدیت کے ایک اشد ترین معاند کے قلم سے شائع ہو چکی ہے۔ اس امر کے اظہار کے لئے بہت کافی ہے۔ کہ عبدالحکیم کی پیشگوئی بالکل باطل ثابت ہوئی۔ کیا سید حبیب صاحب مولوی ثناء اللہ صاحب کے اس فیصلہ کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ جبکہ انہیں مولوی صاحب کے بیان میں "کوئی مبالغہ یا غلط بیانی یا اخفائے حق یا تلبیس حق و باطل کا نشان" (تحریک قادیان صـ۱۱۹) نہیں ملا کرتا۔

چشمۂ معرفت میں "تک" کا لفظ استعمال کرنے کی وجہ

"کو" اور "تک" کے معاملہ میں چشمۂ معرفت صـ۳۲۲ سے ایک اقتباس بھی تحریک قادیان کے صـ۱۳۱ پر درج کیا گیا ہے۔ جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے عبدالحکیم کی یہ پیشگوئی درج کی ہے۔ کہ "میں اس کی زندگی میں ہی ۴ر اگست ۱۹۰۸ء تک اس کے سامنے ہلاک ہو جاؤنگا" اور اس سے یہ اعتراض پیدا کیا گیا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی وفات اسی میعاد کے اندر ہوئی۔ مگر جیسا کہ قبل ازیں بتایا جا چکا ہے۔ یہ ایک شدید غلط فہمی ہے۔ عبدالحکیم نے دو پیشگوئیاں کی تھیں۔ فروری ۱۹۰۸ء میں اس نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ حضرت مرزا صاحب ۴ر اگست تک وفات پا جائینگے۔ اسی کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "چشمۂ معرفت" میں فرمایا لیکن مئی ۱۹۰۸ء میں اس نے اس پیشگوئی کو منسوخ کرتے ہوئے یہ پیشگوئی کی کہ آپ کی وفات ۴ر اگست کو ہو جائیگی۔ جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ پہلی پیشگوئی کو کالعدم سمجھا جائے۔ چنانچہ اس نے پیسہ اخبار اور اہلحدیث میں جو الہامات شائع کرائے۔ ان میں "کو" کا ہی لفظ ہے۔ اس پیشگوئی کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اگرچہ کسی کتاب میں نہیں کیا۔ مگر اللہ تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو بجائے ۴ر اگست کے ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو "الوصیت" کے مطابق وفات دیدی۔ اور اس طرح عبدالحکیم کا جھوٹا ہونا علیٰ رؤوس الاشہاد ظاہر کر دیا۔

قادیان میں طاعون کا آنا

سید حبیب نے ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے۔ کہ

"مرزا صاحب نے پیشگوئی کی۔ کہ قادیان طاعون سے محفوظ رہے گا۔ لیکن ؎
اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ مرزا صاحب کی زندگی میں طاعون قادیان میں پھیلا۔ اور مرزا صاحب کے متعدد مرید اس کی نذر ہوئے۔ مریدوں کے متعلق تو مرزا صاحب کے حامی آسانی سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ ان کا ایمان مضبوط نہ تھا۔ یا وہ دل میں مرتد ہو چکے تھے۔ لہذا عذاب الہٰی میں مبتلا ہوئے لیکن نبی اللہ کی تخت گاہ میں طاعون کا نبی موصوف کی پیشگوئی کے خلاف پھیل جانا ایک ایسا واقعہ ہے جس کی حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ اور یہی حقیقت جناب مرزا صاحب کی پیشگوئی کی تغلیط کے لئے کفایت کرتی ہے۔ بحث کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔" (صـ۱۳۱ و صـ۱۳۲)

قادیان کو محض طاعون سے نہیں بلکہ طاعونِ جارف سے محفوظ رکھا گیا ہے

سیّد حبیب نے ان سطور میں نہایت غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے دعویٰ کیا ہے۔ کہ "مرزا صاحب نے پیشگوئی کی کہ قادیان طاعون سے محفوظ رہے گا۔" حالانکہ یہ بالکل خلاف واقعہ امر ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے کبھی یہ پیشگوئی نہیں کی۔ کہ قادیان میں طاعون نہیں آئیگا۔ بلکہ آپ نے جو کچھ کہا۔ وہ یہ ہے۔ کہ قادیان طاعون کی خوفناک تباہی سے محفوظ رہے گا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی کتب کے مندرجہ ذیل اقتباسات اس امر پر روشنی ڈالتے ہیں۔ سیّد حبیب پڑھیں اور اپنے اعتراض پر غور کریں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

۱۔ "طاعون کی قسموں میں سے وہ طاعون سخت بربادی بخش ہے۔ جس کا نام طاعون جارف ہے۔ یعنی جھاڑو دینے والی۔ جس سے لوگ جابجا بھاگتے ہیں۔ اور کتّوں کی طرح مرتے ہیں۔ یہ حالت انسانی برداشت سے بڑھ جاتی ہے۔ پس اس کلام الٰہی میں یہ وعدہ ہے۔ کہ یہ حالت کبھی قادیان پر وارد نہیں ہوگی۔" (دافع البلاء صہ حاشیہ)

۲۔ "کچھ حرج نہیں کہ انسانی برداشت کی حد تک کبھی قادیان میں بھی کوئی واردات شاذ و نادر طور پر ہو جائے۔ جو بربادی بخش نہ ہو۔ اور موجب فرار و انتشار نہ ہو۔ کیونکہ شاذ و نادر معدوم کا حکم رکھتا ہے۔" (دافع البلاء صہ حاشیہ)

۳۔ "ہم دعوے سے لکھتے ہیں۔ کہ قادیان میں کبھی طاعون جارف نہیں پڑے گی۔ جو گاؤں کو ویران کرنے والی اور کھا جانے والی ہوتی ہے۔"

(حوالہ مذکورہ بالا)

۴۔ "میری دعا قبول کر کے اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ کہ میں قادیان کو اس تباہی سے محفوظ رکھونگا۔ خصوصاً ایسی تباہی سے کہ لوگ کتّوں کیطرح طاعون کی وجہ سے مریں۔ یہاں تک کہ بھاگنے اور منتشر ہونے کی نوبت آوے۔" (دافع البلاء صہ)

۵۔ "یاد رہے۔ کہ خدا تعالےٰ کا یہ فقرہ کہ انہ اوی القریۃ۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالےٰ کسی قدر عذاب کے بعد اس گاؤں کو اپنی پناہ میں لے لیگا۔ یہ معنی نہیں ہیں۔ کہ ہرگز اس میں طاعون نہیں آئے گی۔" (حقیقۃ الوحی صہ ۲۳۲)

۶۔ "خدا نے چاہا ہے۔ کہ اس زمانہ میں انسانوں کے لئے ایک آسمانی رحمت کا نشان

دکھا دے۔ سو اس نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ تو اور جو شخص تیرے گھر کی چار دیوار کے اندر ہوگا۔ اور وہ جو کامل پیروی اور اطاعت اور سچے تقوےٰ سے تجھ میں محو ہو جائے گا۔ وہ سب طاعون سے بچائے جائیں گے۔ اور ان آخری دنوں میں خدا کا یہ نشان ہوگا تا وہ قوموں میں فرق کر کے دکھلا دے لیکن وہ جو کامل طور پر پیروی نہیں کرتا۔ وہ تجھ میں سے نہیں ہے۔ اس کے لئے مت دلگیر ہو۔ ....

اور اس نے مجھے مخاطب کر کے یہ بھی فرمایا کہ عموماً قادیان میں سخت بربادی افگن طاعون نہیں آئے گی۔ جس سے لوگ کتّوں کی طرح مریں۔ اور مارے غم اور سرگردانی کے دیوانہ ہو جائیں۔ اور عموماً تمام لوگ اس جماعت کے گو وہ کتنے ہی ہوں مخالفوں کی نسبت طاعون سے محفوظ رہیں گے۔ مگر ایسے لوگ ان میں سے جو اپنے عہد پر پورے طور پر قائم نہیں۔ یا ان کی نسبت اور کوئی وجہ مخفی ہو۔ جو خدا کے علم میں ہے۔ ان پر طاعون وارد ہو سکتی ہے۔ مگر انجام کار لوگ تعجب کی نظر سے اقرار کرینگے۔ کہ نسبتاً و مقابلۃً خدا کی حمایت اس قوم کے ساتھ ہے۔ اور اس نے خاص رحمت سے ان لوگوں کو ایسا بچایا ہے۔ جس کی نظیر نہیں۔" (کشتی نوح صہ ۱ و ۲)

۷۔ "جیسا کہ شاذ و نادر کی موت ٹیکا کے قدر کو کم نہیں کر سکتی۔ اسی طرح اس نشان میں اگر مقابلۃً بہت ہی کم درجہ پر قادیان میں طاعون کی وارداتیں ہوں۔ یا شاذ و نادر کے طور پر اس جماعت میں سے کوئی شخص اس مرض سے گذر جائے۔ تو اس نشان کا مرتبہ کم نہیں ہوگا۔" (کشتی نوح صہ ۴)

۸۔ "ہمارے پر یہ الزام کہ گویا ہم نے اس رسالہ میں یہ دعوے کیا ہے۔ کہ قادیان کے نزدیک طاعون نہیں آئے گی۔ اور ایک بھی کیس نہیں ہوگا۔ کیا یہ ایمانداری ہے یا بے ایمانی۔ ہم خود منتظر ہیں۔ کہ اس وحی اللہ کے مطابق قادیان میں صاف اور صریح طور پر بعض کیس طاعون ہوں۔" (نزول المسیح صہ ۱)

۹۔ "میرے منجانب اللہ ہونے کا یہ نشان ہوگا۔ کہ میرے گھر کے چار دیوار کے اندر رہنے والے مخلص لوگ اس بیماری کی موت سے محفوظ رہیں گے۔ اور میرا تمام سلسلہ نسبتاً و مقابلتاً طاعون کے حملہ سے بچا رہے گا۔ اور وہ سلامتی جو ان میں پائی جائے گی اس کی نظیر کسی گروہ میں قائم نہیں ہوگی۔ اور قادیان میں طاعون کی خوفناک

آفت جو تباہ کر دے نہیں آئیگی اِلّا کم اور شاذ و نادر۔" (کشتی نوح صہ ۲)

۱۰۔ خدا تعالیٰ بہرحال جب تک کہ طاعون دُنیا میں رہے۔ گو ستر برس تک رہے۔ قادیان کو اس کی خوفناک تباہی سے محفوظ رکھیگا۔ کیونکہ یہ اس کے رسول کا تختگاہ ہے اور تمام امتوں کے لئے نشان ہے۔" (دافع البلاء صہ ۱)

۱۱۔ یاد رہے۔ کہ میرے کسی کلام میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ کہ ہر ایک شخص جو بیعت کرے۔ وُہ طاعون سے محفوظ رہے گا۔ بلکہ یہ ذکر ہے۔ کہ والذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اُولٓئک لھم الامن وھم مھتدون۔ پس کامل پیروی کرنے والے اور ہر ایک ظلم سے بچنے والے جس کا علم محض خدا کو ہے۔ بچائے جائینگے۔ اور کمزور لوگ طاعون سے شہید ہو کر شہادت کا اجر پائینگے اور طاعون ان کے لئے تمحیص اور تطہیر کا موجب ٹھہرے گی۔" (تبلیغ رسالت جلد دہم صہ ۱۲۲)

۱۲۔ "قادیان میں سے بھی کچھ لوگ طاعون سے مرینگے۔ اور یہ مرنا الہام انہ اوی القریہ کے مخالف نہیں۔ کیونکہ آدیٰ سے مراد الہام الٰہی میں یہ ہے۔ کہ آخر قادیان کے لوگ بچائے جائینگے۔ بکلی استیصال نہیں ہوگا۔" (البشریٰ جلد دوم صہ ۱۲۵)

۱۳۔ "قادیان پر ایسی تباہی نہیں آئے گی۔ کہ اس قصبہ کو بکلی برباد کر دے۔ اور فنا کر دے۔ اور منتشر کر دے۔" (نزول المسیح صہ ۱۵۴)

ان تحریرات سے ظاہر ہے۔ کہ قادیان سے جس طاعون کو ہمیشہ دور رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا۔ وہ محض طاعون نہیں۔ بلکہ طاعون جارف ہے۔ جو انسانی برداشت سے بڑھ جاتی ہے۔ اور جس سے لوگ جابجا بھاگتے اور کتوں کی طرح مرتے ہیں۔ مگر کیا سید حبیب ثابت کر سکتے ہیں۔ کہ کبھی قادیان پر اس طاعون کا حملہ ہوا۔ اگر نہیں تو انہوں نے کس طرح کہدیا۔ کہ "نبی اللہ کی تختگاہ میں طاعون کا نبی موصوف کی پیشگوئی کے خلاف پھیل جانا ایک ایسا واقعہ ہے۔ جس کی حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا۔" اس میں شبہ نہیں قادیان پر محض طاعون کا حملہ ضرور ہوا۔ مگر کب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ کہ قادیان میں طاعون کا کوئی کیس بھی نہیں ہوگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو خود تسلیم فرماتے ہیں۔ کہ

(۱) کچھ حرج نہیں۔ کہ انسانی برداشت کی حد تک کبھی قادیان میں بھی شاذ و نادر

طور پر طاعون کی واردات ہو جائے۔

۲۔ ایسی تباہی نہیں آئے گی۔ کہ اس قصبہ کو بکلی برباد کر دے۔

۳۔ کسی قدر عذاب کے بعد قادیان کو پناہ میں لے لیا جائیگا۔ یہ معنی نہیں ہیں۔ کہ اس میں طاعون نہیں آئے گی۔

۴۔ جو لوگ اپنے عہد پر پورے طور پر قائم نہ ہوں۔ یا اور کوئی وجہ مخفی ہو۔ جو ان کے متعلق خدا کے علم میں ہو۔ تو ان پر طاعون وارد ہو سکتی ہے۔

۵۔ ہم منتظر ہیں۔ کہ قادیان میں صاف اور صریح طور پر بعض طاعون کے کیس ہوں۔

۶۔ جو احمدی طاعون سے وفات پائیں گے۔ وہ شہید ہونگے۔ اور طاعون ان کی تطہیر کا موجب ٹھہرے گی۔

اس صورت میں قادیان میں طاعون کا آنا اور بعض احمدیوں کا طاعون سے شہید ہونا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا ثبوت ہے۔ نہ کہ نعوذ باللہ آپ کے کاذب ہونیکی دلیل۔

حضرت مسیح موعود کی صداقت کا ثبوت

پھر غور کرنے والوں کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ پیشگوئی کہ قادیان طاعون جارف سے محفوظ رہے گا۔ ایک اور لحاظ سے بھی نہایت عظیم الشان ہے۔ دُنیا میں کون ایسا انسان ہے۔ جس کا خدا سے تعلق نہ ہو۔ اور وہ سخت طاعون کے ایام میں اپنے گاؤں یا شہر کے متعلق یہ تحدی کے ساتھ پیشگوئی کر سکے۔ کہ اس میں بربادی افگن طاعون نہیں آئیگا۔ کیا آج دُنیا میں کسی انسان کی یہ طاقت ہے۔ کہ وُہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقابلہ میں اس قدر پُرشوکت و پُرعظمت پیشگوئی کر سکے۔ یہ مانا کہ بعض شہر طاعون سے محفوظ رہے مگر کیا ایک بھی مثال ایسی پیش کی جا سکتی ہے۔ کہ کسی نے پہلے سے تحدی کے ساتھ اس شہر یا گاؤں کی حفاظت کے متعلق پیشگوئی کر رکھی ہو اور پھر طاعون سے محفوظ رہا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ سے اگر کسی گاؤں نے فائدہ اٹھا لیا۔ تو یہ اور بات ہے۔ مگر دعوے کے ساتھ پہلے سے ایک بات کہہ دینا۔ اور پھر اس کا پُورا ہو جانا سوائے خدا رسیدہ انسان کے اور کسی کا کام نہیں۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے جملہ مخالفین کو اس قسم کی پیشگوئی کرنے کا چیلنج دیتے ہوئے فرمایا:۔

"میرا یہی نشان ہے۔ کہ ہر ایک مخالف خواہ وُہ امروہہ میں رہتا ہے۔ اور خواہ امرتسر

ہیں اور خواہ دہلی میں اور خواہ کلکتہ میں اور خواہ لاہور میں اور خواہ گولڑہ میں اور خواہ بٹالہ میں۔ اگر وہ قسم کھا کر کہیگا۔ کہ اس کا فلاں مقام طاعون سے پاک رہیگا۔ تو ضرور وہ مقام طاعون میں گرفتار ہو جائیگا۔ کیونکہ اس نے خدا تعالےٰ کے مقابل پر گستاخی کی" (دافع البلاء صفحہ ۱۸)

دنیا جانتی ہے کہ ایک شخص بھی اس میدان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مقابلہ نہ کرسکا۔ اور کیونکر کرتا۔ جبکہ دُنیا کے فرزند خدا تعالےٰ سے ایسے ہی دُور تھے۔ جیسا کہ مشرق سے مغرب۔ یا زمین سے آسمان بلکہ اس سے بھی دُور تر۔ اس کے مقابلہ میں خدا تعالےٰ نے اپنے پاک مسیح کا ساتھ دیا۔ اور اسے جو کچھ کہا۔ اُسے حرف بحرف پورا کر دکھایا۔ قادیان طاعون جارف سے محفوظ رہا۔ اور انشاءاللہ ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ کسی انسان کی طاقت نہیں۔ کہ وُہ اس کو باطل ثابت کر سکے۔ کیونکہ قادیان کا خدا محافظ ہے۔ اور جس کا وُہ آپ نگہبان ہو۔ اسے کوئی ضرر نہیں پہونچا سکتا۔

الدار کی حفاظت

الہام الٰہی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اللہ تعالےٰ نے یہ بھی وعدہ فرمایا تھا کہ انی احافظ کل من فی الدار واحافظک خاصۃ۔ (تبلیغ رسالت جلد دہم صفحہ ۱۲۱) یعنی ہر وُہ شخص جو تیرے گھر کی چار دیوار کے اندر ہوگا۔ اللہ تعالےٰ اسے طاعون سے محفوظ رکھے گا۔ اور بالخصوص تیری حفاظت کریگا۔ دُنیا اس پیشگوئی کی صداقت کا بھی بارہا مشاہدہ کر چکی ہے۔ کیونکہ قادیان میں جب بھی طاعون آیا۔ وہ محلہ بلکہ وُہ مکین تو اس سے متاثر ہوئے۔ جو آپ کے مکان کے ساتھ رہتے تھے۔ پہلو بہ پہلو اور دیوار بہ دیوار طاعون نے حملہ کیا۔ لیکن آپ کے گھر کو بالکل چھوڑ کر چلی گئی۔ اور آدمی تو الگ رہے۔ کوئی چوہا تک اس کی زد میں نہ آیا۔ اور ان ایام میں جبکہ ہندوستان میں فی ہفتہ تیس تیس چالیس چالیس ہزار آدمی لقمۂ اجل ہوتے تھے۔ کبھی الدار میں بسنے والوں میں سے ایک پر بھی اس نے حملہ کرنے کی جرأت نہیں کی۔ جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا تھا۔ کہ طاعون کے اجرام کو ایک طاقتِ بالا اس طرف رخ کرنے سے روک دیتی تھی۔ اور ہلاکت کی آگ اس کی رحمت کے چھینٹوں سے بجھ جاتی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی اس امر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"گیارہ برس سے بڑے بڑے حملے طاعون کے اس نواح میں ہو رہے ہیں۔ مگر خدا تعالےٰ کے فضل سے ہمارے گھر کا ایک کتا بھی طاعون سے نہیں مرا" (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۱۱) یہ وُہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا عظیم الشان نشان ہے۔ جس پر جس قدر بھی غور کیا جائے۔ اسی قدر اللہ تعالےٰ کی قدرتوں اور اس کی عظیم الشان طاقتوں پر ایمان لانا پڑتا ہے۔

بعض احمدیوں کا طاعون سے شہید ہونا

سیّد حبیب نے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے۔ کہ "مرزا صاحب کی نبوت کا انکار کر کے لوگ مبتلائے عذاب ہوئے تھے۔ جس نے طاعون کی شکل اختیار کر لی تھی۔ لہٰذا لازم تھا۔ کہ مرزا صاحب پر ایمان لانے والے لوگ اس وبا سے محفوظ رہتے" صفحہ ۱۳۱

غزوات میں صحابہؓ کی شہادت

اس اعتراض کے جواب میں یہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ بدر اور دیگر غزوات میں کفار مکہ پر جو عذاب آیا۔ اس میں کئی صحابہ بھی شہید ہوئے تھے۔ پس اگر ان کی شہادۃ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے نشان کو مشتبہ نہ کرسکی۔ تو طاعون سے کسی احمدی کے شہید ہو جانے سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا یہ عظیم الشان نشان کس طرح مشتبہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم نے کئی مقامات پر غزوات کو کفار کے لئے عذاب قرار دیا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے:-

۱۔ قاتلوھم یعذبھم اللہ بایدیکم ویخزھم وینصرکم علیھم ویشف صدور قوم مؤمنین (سورۂ توبہ ع۲) یعنی ان کفار سے لڑو۔ کیونکہ خدا چاہتا ہے کہ انہیں تمہارے ہاتھ سے عذاب دے۔ انہیں ذلیل کرے۔ اور تمہیں ان پر غلبہ عطا فرما کر تمہارے سینوں کو ٹھنڈا کرے۔

نواب صدیق الحسن خان صاحب اپنے "ترجمان القرآن" میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ

"مومنوں کو عزیمت دلائی شرعیتِ جہاد کی۔ کہ باوجود اس کے کہ ہم اہلاکِ اعداء پر قدرت رکھتے ہیں۔ چاہیں تو ایک دم میں سب کو خاک سیاہ کر دیں لیکن مصلحت یہی ہے کہ وُہ تمہارے ہاتھوں سے عذاب اور رسوائی میں پڑیں۔ اور تم فتحیاب ہو کر اپنا جی ٹھنڈا کرو

۲۔ اسی طرح فرماتا ہے۔ لقد نصرکم اللّٰہ فی مواطن کثیرۃٍ ویوم حنینٍ اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغنِ عنکم شیئًا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین۔ ثم انزل اللّٰہ سکینتہٗ علی رسولہ وعلی المومنین و انزل جنودًا لم تروھا وعذب الذین کفرو وذالک جزاء الکافرین (سورۃ توبہ ع) یعنی خدا تعالےٰ نے تمہاری بہت سے مواقع پر مدد فرمائی۔ خصوصًا جنگِ حنین کے دن۔ جبکہ تمہاری کثرت نے تمہیں مغرور کر دیا۔ مگر وہ کثرت تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی۔ اور زمین باوجود وسعت کے تم پر تنگ ہوگئی۔ اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول اور مومنوں پر سکینت نازل فرمائی۔ اور تمہاری مدد کے لئے وہ لشکر اتارا جسے تم ظاہری آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتے تھے تب خدا نے کافروں کو عذاب دیا۔ اور درحقیقت کافروں کی یہی سزا ہوا کرتی ہے۔ اس آیت میں بھی جنگِ حنین میں کفار کو مسلمانوں کی تلواروں سے جو نقصان اٹھانا پڑا۔ اسے خدا تعالےٰ نے ان کے لئے عذاب قرار دیا ہے۔ پس جبکہ قرآن کریم سے ایک طرف تو یہ ثابت ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت کفار پر عذاب جنگ کی صورت میں آیا۔ اور دوسری طرف یہ بھی ثابت ہے۔ کہ سینکڑوں مسلمان اس میں شہید ہوئے۔ تو لازمًا یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے۔ کہ کفار کی کثرت کے مقابلہ میں اگر شاذ کے طور پر بعض مومن شہید ہوجائیں۔ تو یہ کوئی قابل اعتراض امر نہیں ہوتا۔

طاعون سے صحابہؓ کی شہادت

پھر جس طرح قتال کو خدا تعالےٰ نے عذاب قرار دیا۔ اور اس سے صحابہ شہید ہوئے اسی طرح رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے طاعون کو بھی عذاب قرار دیا۔ اور یہ ثابت شدہ امر ہے۔ کہ صحابہ اس سے بھی شہید ہوئے۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے۔

ان ھذا الوباء رجزٌ اھلک اللّٰہ بہ الامم قبلکم (مسند احمد جلد ۵ ص۲۰۱)

یعنی یہ طاعون ایک عذاب ہے۔ جس سے خدا تعالےٰ نے پہلی قوموں کو ہلاک کیا۔ اسامہؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان ھذا الطاعون رجزٌ سلط علی من کان قبلکم او علی بنی اسرائیل (مسلم جلد ۲ باب الطاعون) یعنی طاعون ایک عذاب ہے۔ جو تم سے پہلوں یا بنی اسرائیل پر مسلط ہوا۔

اسی طرح طاعون کے متعلق یہ حدیث بھی آتی ہے۔ کہ ھو عذاب او رجزٌ ارسلہ اللّٰہ علی طائفۃ من بنی اسرائیل (〃) یعنی طاعون ایک عذاب ہے۔ جو بنی اسرائیل کے ایک گروہ پر نازل ہوا۔ صحابہؓ بھی طاعون کو عذاب سمجھتے تھے۔ جیسا کہ لکھا ہے۔ کہ ایک دفعہ شام میں طاعون پھیلا۔ تو حضرت عمرو بن العاص نے فرمایا۔ ان ھذا الطاعون رجزٌ ففروا منہ فی الاودیۃ والشعاب۔ یعنی طاعون خدا کا عذاب ہے۔ اس لئے تم باہر گھاٹیوں اور وادیوں میں چلے جاؤ۔ حضرت معاذ جب فوت ہوئے۔ تو حضرت عمرو بن عبسہؓ نے کہا۔ یا ایھاالناس ان ھذا لطاعون رجزٌ فتفرقوا عنہ فی الشعاب۔ (کنز العمال جلد ۲ ص۳۲۵) اے لوگو طاعون عذاب ہے۔ اس لئے تم باہر جنگلات میں چلے جاؤ۔

غرض رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے طاعون کو عذاب قرار دیا۔ صحابہؓ اسے عذاب سمجھتے رہے۔ مگر باوجود اس کے تاریخ سے یہ ثابت ہے۔ کہ طاعون سے ہزاروں مسلمان جن میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ بھی شامل تھے۔ فوت ہوئے۔ چنانچہ مولٰنا شبلی اپنی مشہور تصنیف "الفاروق" میں وبائے عمواس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"۲۵ ہزار مسلمان جو آدھی دُنیا کے فتح کرنے کے لئے کافی ہوسکتے تھے۔ موت کے مہمان ہو چکے تھے۔ ان میں ابوعبیدہؓ۔ معاذ بن جبل۔ یزید بن ابی سفیانؓ۔ حارث بن ہشامؓ۔ سہیل بن عمروؓ۔ عتبہ بن سہیلؓ۔ بڑے بڑے درجہ کے لوگ تھے۔" (ص۱۰۱)

غرض جبکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہمیں ایسی نظیریں ملتی ہیں کہ غزوات میں صحابہؓ شہید ہوئے بحالیکہ جنگ ایک عذاب تھا۔ جو کفار پر آیا۔ اسی طرح وہ طاعون میں شہید ہوئے۔ بحالیکہ وہ بھی عذاب تھا۔ جو خدا تعالےٰ کی طرف سے اترا۔ تو جماعت احمدیہ پر یہ کس طرح اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ کہ اگر طاعون عذاب تھا۔ تو اس سے بعض احمدی کیوں شہید ہوئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا بصیرت افروز جواب

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام خود بھی اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔ "جن لوگوں کو خدا کا خوف نہیں ہے۔ وہ ایسی نکتہ چینیاں کرتے ہیں۔ جن کے رُو سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی ان کے اعتراض کے نیچے آجاتے ہیں۔ چنانچہ بعض نادان کہتے ہیں۔ کہ جماعت احمدیہ کے بعض لوگ بھی طاعون سے ہلاک ہوگئے ہیں منجملہ

ان کے ڈاکٹر عبد الحکیم خان بھی ہے۔ جو بہت خوش ہو کر لکھتا ہے۔ کہ ستور میں فلاں فلاں احمدی طاعون سے فوت ہو گیا ہے۔ ہم ایسے متعصبوں کو یہ جواب دیتے ہیں۔ کہ ہماری جماعت میں سے بعض لوگوں کا طاعون سے فوت ہونا بھی ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ لڑائیوں میں شہید ہوتے تھے۔ یہ امر تو قرآن کی نصِ صریح سے ثابت ہے۔ کہ وُہ لڑائیاں محض کافروں پر عذاب نازل کرنے کے لئے تھیں جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں فرمایا۔ کہ اگر چاہوں۔ تو کافروں پر آسمان سے عذاب نازل کروں۔ اور یا زمین سے ان کے لئے عذاب پیدا کروں۔ اور یا بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھاؤں[1]۔ مگر با ایں ہمہ ان لڑائیوں میں اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی شہید ہوتے رہے۔ لیکن آخری نتیجہ یہ تھا۔ کہ کافر گھٹتے گئے۔ اور مسلمان بڑھتے گئے اور وُہ لڑائیاں مسلمانوں کے لئے سراسر برکت کا موجب ہو گئیں۔ اور کافروں کی بیخکنی کر گئیں۔ اسی طرح میں کہتا ہوں۔ اور بڑے دعوے اور زور سے کہتا ہوں۔ کہ اگر ایک شخص ہماری جماعت میں سے طاعون سے مرتا ہے۔ تو بجائے اس کے سَو آدمی یا زیادہ ہماری جماعت میں داخل ہوتا ہے۔ اور یہ طاعون ہماری جماعت کو بڑھاتی جاتی ہے۔ اور ہمارے مخالفوں کو نابود کرتی جاتی ہے۔ ہر ایک مہینہ میں کم سے کم پانسو آدمی اور کبھی ہزار دو ہزار آدمی بذریعہ طاعون ہماری جماعت میں داخل ہوتا ہے۔ پس ہمارے لئے طاعون رحمت ہے اور ہمارے مخالفوں کے لئے زحمت اور عذاب ہے۔ اور اگر دس پندرہ سال تک ملک میں ایسی ہی طاعون رہی۔ تو میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ تمام ملک احمدی جماعت سے بھر جائیگا۔ یہ بات ثابت شدہ ہے۔ کہ طاعون ہماری جماعت کو بڑھاتی جاتی ہے۔ اور ہمارے مخالفوں کو گھٹاتی جاتی ہے۔ اور اگر اس کے برخلاف ثابت ہو۔ تو میں خدا تعالےٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ ایسے ثابت کنندہ کو میں ہزار روپیہ نقد دینے کو تیار ہوں۔ کون ہے۔ کہ اس مقابلہ کے لئے کھڑا ہووے۔ اور ہم سے ہزار روپیہ لیوے۔ افسوس کہ یہ مخالف لوگ ایسے اندھے ہو گئے ہیں۔ ان کو معلوم نہیں۔ کہ دراصل طاعون ہماری دوست اور ان کی دشمن ہے۔ جس قدر طاعون کے ذریعہ سے ہماری ترقی تین چار سال میں ہوئی ہے۔ وُہ دوسری صورت میں پچاس سال میں بھی غیر ممکن تھی۔ پس مبارک وہ خدا ہے۔ جس نے دنیا میں طاعون کو بھیجا۔ تا اس کے ذریعہ سے ہم بڑھیں۔ اور پھولیں۔ اور ہمارے

[1] حاشیہ لـه - یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ قل ھو القادر علی ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم او من تحت ارجلکم او یلبسکم شیعا و یذیق بعضکم باس بعض (الانعام ع ۸) (مؤلف)

دشمن نیست و نابود ہوں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ خدا نے طاعون کے وجود سے پہلے بذریعہ الہام مجھے خبر دی۔ کہ دنیا میں طاعون آئے گی۔ اور ہمارے دشمن اس سے نیست و نابود ہو جائینگے۔ مگر ہماری کثرت اس کے ذریعہ سے ہوگی۔ پس اس سے زیادہ اندھا کون شخص ہے جو چند احمدی لوگوں کا طاعون سے فوت ہونا پیش کرتا ہے۔ اور اس سے اب تک بے خبر ہے۔ کہ اب تک کئی لاکھ انسان طاعون نے ہماری جماعت میں داخل کر دیا۔ اور ہر روز داخل کر رہی ہے۔ پس مبارک ہے یہ طاعون جو ہمارے عدد کو بڑھا رہی ہے۔ اور مخالفوں کو گھٹا رہی ہے۔ اور حقیقت میں ہماری جماعت کا طاعون سے کوئی فوت نہیں ہوا۔ کیونکہ اس کے عوض ہمنے سو یا زیادہ اس سے پا لیا۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی حاشیہ صہ ۱۳۱ تا ۱۳۲)

اسی طرح فرماتے ہیں:۔

"کسی کو یہ وہم نہ گذرے۔ کہ اگر شاذ و نادر کے طور پر ہماری جماعت میں سے بذریعہ طاعون کوئی فوت ہو جائے۔ تو نشان کے قدر و مرتبہ میں کوئی خلل آئیگا۔ کیونکہ پہلے زمانوں میں موسےٰ اور یشوع اور آخر میں ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا تھا۔ کہ جن لوگوں نے تلوار اٹھائی۔ اور صدہا انسانوں کے خون کئے۔ ان کو تلوار سے ہی قتل کیا جائے۔ اور یہ نبیوں کی طرف سے ایک نشان تھا جس کے بعد فتح عظیم ہوئی۔ حالانکہ مقابل مجرمین کے اہل حق بھی ان کی تلوار سے قتل ہوتے تھے۔ مگر بہت کم اور اس قدر نقصان سے نشان میں کچھ فرق نہیں آتا تھا۔ پس ایسا ہی اگر شاذ و نادر کے طور پر ہماری جماعت میں سے بعض کو بباعث اسباب مذکورہ طاعون ہو جائے۔ تو ایسی طاعون نشان الٰہی میں کچھ حرج انداز نہیں ہوگی۔" (کشتی نوح صہ ۵) غرض یہ اعتراض بھی جو سید حبیب نے کیا۔ باطل ہے۔

تخت گاہ کی تذکیر و تانیث

طاعون کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی پیشگوئیوں پر اعتراض کرتے ہوئے دافع البلاء کے ان الفاظ پر کہ "خدا تعالےٰ بہر حال جب تک کہ طاعون دنیا میں رہے۔ گو ستر برس تک رہے۔ قادیان کو اس کی خوفناک تباہی سے محفوظ رکھے گا۔ کیونکہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے۔" صہ ۱۰

سید حبیب نے اعتراض کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے "رسول کا تخت گاہ" تو مرزا

صاحب کی اردو ہے۔" (صـ۱۳۱) نہ معلوم سید حبیب کو اپنے متعلق یہ کیوں غلط فہمی ہوگئی ہے۔ کہ اردو علم ادب پر انہیں عبور حاصل ہوچکا ہے۔ اور وہ اپنے بے بنیاد خیالات کے زیر اثر جو کچھ کہہ جائیں۔ وہ زبانِ اردو کا مسلّمہ اصل ہوجاتا ہے۔ اہل زبان وہ ہیں نہیں۔ کہ ان کی بات وزن دار سمجھی جاسکے۔ مشہور شاعر یا ادیب بھی نہیں۔ کہ ان کے بیان کی صحت تسلیم کی جائے۔ آخر پھر کس لئے وُہ خدا کے ایک جری کا جو سلطان القلم ہے۔ مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں اترے ہیں۔ کیا تخت گاہ کی تذکیر و تانیث کے متعلق انہوں نے کوئی دلیل پیش کی۔ محض یہ کہہ دینے سے کہ "رسول کا تخت گاہ تو مرزا صاحب کی اردو ہے" کیا یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ کہ "مرزا صاحب" نے جو کچھ لکھا وہ غلط ہے۔ اگر نہیں تو سید حبیب خود ہی غور فرمائیں۔ کہ ان کی یہ تعریض سوائے ان کی علمی تہیدستی کے اور کس چیز پر دلالت کرتی ہے۔

چونکہ پہلے بھی اس موضوع پر بحث ہوچکی ہے۔ اس لئے تفصیلات سے قطع نظر کرتے ہوئے تخت گاہ کی تذکیر و تانیث کے متعلق شمس العلماء خواجہ الطاف حسین صاحب حالی پانی پتی کا صرف ایک حوالہ پیش کئے دیتا ہوں۔ وُہ فرماتے ہیں:-

"ایران کے مشہور شاعر رودکی کا قصہ مشہور ہے۔ کہ امیر نصر بن احمد سامانی نے جب خراسان کو فتح کیا۔ اور ہرات کی فرحت بخش آب و ہوا اس کو پسند آئی۔ تو اس نے وہیں مقام کردیا۔ اور بخارا جو کہ سامانیوں کا اصلی تخت گاہ تھا۔ اس کے دل سے فراموش ہوگیا۔" (مقدمہ شعر و شاعری صـ۹)

سید حبیب بتائیں؟ سلطان القلم حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے قادیان ایسے معمولی گاؤں میں اجڈ اور وحشی لوگوں میں رہتے ہوئے ارتجالاً جو کچھ لکھا۔ وہ درست ہے یا انہوں نے علمی حلقہ میں قدم رکھکر اور لاہور ایسے مشہور شہر میں بیٹھکر بہزار کد و کاوش جو اعتراض کیا وہ صحیح ہے؟

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی اپنی وفات سے متعلق پیشگوئی

پیشگوئیوں کے متعلق بحث کرتے ہوئے سید حبیب نے ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے۔ کہ "اس معاملہ میں مرزا صاحب اس قدر معذور ثابت ہوئے۔ کہ وُہ خود اپنی موت کے مقام کے متعلق سچی پیشگوئی نہ کرسکے۔ بیں بات کو طول دینا نہیں چاہتا۔ ورنہ میں مرزا صاحب

کی تحریروں سے ثابت کرسکتا ہوں۔ کہ وُہ ابھی عود شباب کی امیدیں لگائے بیٹھے تھے۔ کہ پیک اجل نے انہیں آلیا۔ اور وہ اس دار فانی سے انتقال فرمانے پر مجبور ہوگئے۔" صـ۱۳۳

بہتر ہوا سید حبیب نے اس جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی "تحریروں سے" اپنے دعوے کو ثابت کرنے کی تکلیف گوارا نہیں فرمائی۔ اور "بیں بات کو طول دینا نہیں چاہتا" کا نقاب اوڑھکر اپنی علمیت کا پردہ چاک ہونے سے بچا لیا۔ ورنہ جس طرح پہلے کئی مواقع پر ثابت کیا جاچکا ہے۔ کہ سید حبیب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کو پڑھا ہی نہیں۔ بلکہ زید بکر کی تحریرات کو اپنے سامنے رکھکر انہی پر ایک بے بنیاد عمارت کھڑی کرلی۔ اسی طرح وُہ اس جگہ بھی کرتے۔ اور سوائے اپنی ندامت و خجالت میں اضافہ کرلینے کے اور کوئی فائدہ حاصل نہ کرتے۔ بہرحال ہمیں سید صاحب کے معلومات کی داد دینی چاہئے۔ کہ فرماتے ہیں مرزا صاحب "ابھی عود شباب کی امیدیں لگائے بیٹھے تھے۔ کہ پیک اجل نے انہیں آلیا۔" بندۂ خدا کبھی تو بات سوچکر لکھتے یا اگر خود ایک بات کا علم نہ رکھتے تھے۔ تو کسی دوسرے سے پوچھ لیتے۔ حضرت مرزا صاحب جن کے متعلق یہ افترا کیا جارہا ہے۔ کہ "وہ "ابھی عود شباب کی امیدیں لگائے بیٹھے تھے۔" انہوں نے تو وفات سے اڑھائی سال قبل اللہ تعالےٰ سے علم پاکر "الوصیّت" شائع کردی تھی۔ اور اس میں لکھدیا تھا۔ کہ "میرا زمانہ وفات نزدیک ہے۔ مگر سید صاحب نے "الوصیت" کو دیکھا ہوتا تو اعتراض کیوں کرتے۔ ان کے معلومات کا تمام تر انحصار تو مخالفین کی کتب پر ہے۔ انہیں اس سے کیا۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے کیا لکھا۔ وہ تو یہ جاننا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ کہ عشرۂ کاملہ۔ نزکِ مرزائیت اور سیف چشتیائی وغیرہ کتب کے مصنفین نے کیا لکھا۔ بہرحال سید صاحب کا پہلا اعتراض یہ ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب "اپنی موت کے مقام کے متعلق سچی پیشگوئی نہ کرسکے۔"

"ہم مکہ میں مرینگے یا مدینہ میں"

اگر اس سے ان کی مراد حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے اس الہام کی طرف اشارہ کرنا ہے جسے انہوں نے اپنی کتاب میں یوں درج کیا ہے۔ کہ "ہم مکہ میں مرینگے یا مدینہ میں۔" (البشریٰ جلد دوم صـ۱۰۵) تو میں سمجھتا ہوں۔ سید صاحب نے ایک نہایت ہی غیر دیانتدارانہ فعل کا ارتکاب کیا۔ وجہ یہ کہ اس الہام کو تو انہوں نے البشریٰ سے درج کردیا کہ "ہم مکہ میں مرینگے یا مدینہ میں" مگر اس تشریح کو نظر انداز کردیا۔ جو ساتھ ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام

کے الفاظ میں بایں صورت درج تھی۔ کہ:۔
"یہ کلمہ کہ ہم مکہ میں مرینگے یا مدینہ میں۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ قبل از موت مکی فتح نصیب ہوگی جیسا کہ وہاں دشمنوں کو قہر کے ساتھ مغلوب کیا گیا تھا۔ اسی طرح یہاں بھی دشمن قہری نشانوں سے مغلوب کئے جائیں گے۔ دوسرے یہ معنے ہیں۔ کہ قبل از موت مدنی فتح نصیب ہوگی۔ خود بخود لوگوں کے دل ہماری طرف مائل ہو جائینگے۔" (البشریٰ جلد دوم صفحہ ۱۰۵)

یہ کتنی بڑی افسوسناک فروگذاشت ہے۔ کہ ایک الہام کو ایک کتاب سے نقل کیا جانا اور اس پر اپنے مخالفانہ خیالات کے زیر اثر اعتراض کیا جاتا ہے۔ مگر اس تشریح کو نقل کرنے کی جرأت نہیں کی جاتی جو ملہم اپنے الہام کی کرتا اور الہام کے ساتھ ہی درج کر دیتا ہے۔ کیا سید حبیب اپنے اس طریق عمل پر نظر ثانی فرمائینگے؟

اس الہام کے ساتھ ہی دو اور بھی الہام ہیں۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس تشریح کے مؤید ہیں۔ اور وُہ یہ ہیں:۔

ا۔ کتب اللہ لاغلبنّ انا ورسلی۔ یعنی خدا تعالےٰ نے ابتداء سے یہ مقدر کر رکھا ہے۔ کہ وہ اور اس کے رسول دُنیا پر غالب رہینگے۔

ب۔ سلامٌ قولاً من رب رحیم۔ خدائے رحیم کہتا ہے۔ کہ سلامتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی فرماتے ہیں "فقرہ کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی مکہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور فقرہ سلامٌ قولاً من رب رحیم مدینہ کی طرف۔" (البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۰۶) اور پھر الہام الٰہی "ہم مکہ میں مرینگے یا مدینہ میں" کی تشریح کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:۔

"غالب و خاسر کی طرح تیری موت نہیں ہے۔" (البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۰۵)

کیا سید حبیب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تشریح کی روشنی میں اس الہام کی صداقت سے انکار کر سکتے ہیں۔ کیا اللہ تعالےٰ نے قہری نشانات سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دشمنوں کو مغلوب نہیں کیا۔ کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات سے قبل لاکھوں جاں نثار خدام آپ کے پسینہ کی جگہ خون بہانے کے لئے خدا تعالےٰ نے پیدا نہ فرما دیئے۔ تعصب سے اگر آنکھ بند ہو۔ تو اور بات ہے۔ ورنہ یہ ایک حقیقت ہے۔ جو سورج سے بھی بڑھکر روشن اور نمایاں ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ

نے قہری نشانات کے ساتھ دُنیا پر غلبہ عطا فرمایا۔ اور لوگوں کے قلوب پر بھی آپ کو حیرت انگیز فتح عطا فرمائی۔ ایک زمانہ تھا۔ کہ آپ اکیلے تھے۔ تن تنہا تھے۔ بے یار و مددگار تھے کوئی شہرت نہ تھی۔ دُنیا میں کوئی آپ کو جانتا نہ تھا۔ پھر وہ زمانہ آیا۔ کہ دُنیا نے آپ کو کچل دینا چاہا۔ بڑوں اور چھوٹوں امیروں اور غریبوں نے متحدہ قوتوں سے کام لے کر آپ کو مٹانا کار ثواب خیال کیا۔ ہر مذہب و ملت کا آدمی اس ناپاک مقصد کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ مگر کیا خدا تعالےٰ کے ارادوں کو وہ روک سکے۔ کیا ان کی تدابیر کارگر ہوئیں۔ کیا وہ اس پودے کو جسے خدا کے مسیح نے اپنے ہاتھ سے لگایا۔ پنپنے سے روک سکے۔ خدا گواہ ہے۔ کہ خدا کا مسیح مخالفانہ کوششوں کے باوجود بڑھا۔ اور اپنے صحابہؓ سمیت دُنیا کے اکناف تک پھیل گیا۔ کیا یہ الہام الٰہی کی صداقت کا ثبوت نہیں۔ اور کیا اس کے باوجود کہا جا سکتا ہے۔ کہ مسیح موعودؑ کو مکّی یا مدنی فتح نصیب نہیں ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود فرماتے ہیں۔

"کون جانتا تھا۔ اور کس کے علم میں یہ بات تھی۔ کہ جب میں ایک چھوٹے سے بیج کی طرح بویا گیا۔ اور بعد اس کے ہزاروں پیروں کے نیچے کچلا گیا۔ اور آندھیاں چلیں۔ اور طوفان آئے۔ اور ایک سیلاب کی طرح شور بغاوت میرے اس چھوٹے سے تخم پر پھر گیا۔ پھر بھی میں ان صدمات سے بچ جاؤنگا۔ سو وُہ تخم خدا کے فضل سے ضائع نہ ہوا۔ بلکہ بڑھا اور پھولا اور آج وُہ ایک بڑا درخت ہے۔ جس کے سایہ کے نیچے تین لاکھ انسان آرام کر رہا ہے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۵۱)

یہ وُہ عظیم الشان رُوحانی فتح ہے۔ جسے اپنی آنکھوں سے دیکھکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وصال ہوا۔ اور اسی فتح مبین کی طرف اس الہام میں اشارہ تھا۔ جس پر نا سمجھی سے سید حبیب نے اعتراض کیا۔

عود شباب کے متعلق الٰہی وعدہ

"عودِ شباب کی اُمیدیں" پوری نہ ہونا بھی ایک ایسا اعتراض ہے۔ جس پر معترضین کو شرمانا چاہیئے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کی ہر بات پوری ہوئی۔ اور اس نے جو کچھ کہا۔ اسے عمل میں لا کر اس نے دکھا دیا۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ ۲۲ مئی سنہ ۱۹۰۶ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر یہ الہام نازل

ہوا۔ ترد الیک انوار الشباب (البشریٰ جلد دوم ص۱۱۵) یعنی شباب کے انوار تیری طرف لوٹائے جائینگے۔ بعض اور الہامات بھی اس کے ساتھ تھے۔ یہ الہام کیوں ہوئے۔ اسے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے خود بیان فرما دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"عرصہ تین چار ماہ سے میری طبیعت نہایت ضعیف ہوگئی ہے۔ بجز دو وقت ظہر و عصر کے نماز کیلئے بھی نہیں جا سکتا۔ اور اکثر بیٹھکر نماز پڑھتا ہوں۔ اور اگر ایک سطر بھی کچھ لکھوں یا فکر کروں۔ تو خطرناک دورانِ سر شروع ہو جاتا ہے۔ اور دل ڈوبنے لگتا ہے۔ جسم بالکل بے کار ہو رہا ہے۔ اور جسمانی قویٰ ایسے مضمحل ہوگئے ہیں۔ کہ خطرناک حالت ہے۔ گویا مسلوب القویٰ ہوں۔ اور آخری وقت ہے۔ ایسا ہی میری بیوی دائم المریض ہے۔ امراض رحم و جگر دامنگیر ہیں۔ پس میں نے دعا کی تھی۔ کہ خدا تعالےٰ وہ مجھے پہلی قوت جوانی کے عالم کی عطا کرے۔ تا میں کچھ خدمت دین کر سکوں۔ اور اپنی بیوی کی صحت کے لئے بھی دعا کی تھی۔ اس دعا پر یہ الہام ہوئے جو اُوپر ذکر کئے گئے۔ خدا تعالےٰ ان کے بہتر معانی جانتا ہے۔ صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ ہمیں صحت عطا فرمائیگا۔ اور مجھے وہ قوتیں عطا کرے گا۔ جن سے میں خدمتِ دین کر سکوں۔ واللّٰہ اعلم بالصواب اور اس میں یہ بھی خوشخبری ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ میری بیوی کو بھی صحت اور تندرستی عطا کرے گا۔" (البشریٰ جلد دوم ص۱۱۵)

اس سے ظاہر ہے۔ کہ جسمانی کمزوری کے پیشِ نظر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اللہ تعالےٰ سے دعا فرمائی تھی۔ کہ وہ آپ کو جوانی کے عالم کی قوت عطا کرے۔ تا آپ خدماتِ دین سرانجام دے سکیں۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے آپ کی دعا قبول فرماتے ہوئے یہ الہام نازل کیا۔ جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ خدا تعالےٰ "صحت عطا فرمائیگا" اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو وُہ قوتیں عطا کرے گا۔ جن سے آپ "خدمت دین" کر سکیں سید حبیب تو خوش ہو رہے ہیں۔ کہ یہ الہام پورا نہ ہوا۔ مگر انہیں معلوم ہونا چاہئیے یہ الہام فوراً پورا ہوگیا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام "حقیقۃ الوحی" میں فرماتے ہیں:۔

"مجھے دماغی کمزوری اور دورانِ سر کی وجہ سے بہت سی ناطاقتی ہوگئی تھی۔ یہاں تک کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا۔ کہ اب میری حالت بالکل تالیف تصنیف کے لائق نہیں رہی۔ اور ایسی کمزوری تھی۔ کہ گویا بدن میں رُوح نہیں تھی۔ اس حالت میں مجھے الہام ہوا۔ ترد

الیک انوار الشباب یعنی جوانی کے نور تیری طرف واپس کئے۔ بعد اس کے چند روز میں ہی مجھے محسوس ہوا۔ کہ میری گم شدہ قوتیں پھر واپس آتی جاتی ہیں۔ اور تھوڑے دنوں کے بعد مجھ میں اس قدر طاقت ہوگئی۔ کہ میں ہر روز دو دو جزو نو تالیف کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھ سکتا ہوں۔ اور نہ صرف لکھنا بلکہ سوچنا اور فکر کرنا جو نئی تالیف کے لئے ضروری ہے پورے طور پر میسّر آگیا۔" ص۳۰۶)

پس اس الہام کی صداقت میں کیا شبہ رہا۔ چشمۂ معرفت حقیقۃ الوحی۔ براہین احمدیہ حصّہ پنجم۔ قادیان کے آریہ اور ہم چشمۂ مسیحی اور پیغام صلح وغیرہ کتب جو حقائق و معارف سے لبریز اور ضخیم کتابیں ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اس الہام کے بعد ہی رقم فرمائیں جو اس الہام کی صداقت پر ہمیشہ کے لئے گواہ رہیں گی۔

وفات کے متعلق رویاء و کشوف اور الہامات

چونکہ سید حبیب نے انہی سطور میں تعریضاً لکھا ہے۔ کہ مرزا صاحب "خود اپنی موت کے مقام کے متعلق سچی پیشگوئی نہ کر سکے" اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ اللہ تعالےٰ کی وہ پیشگوئیاں یہاں درج کر دوں۔ جن میں نہایت صفائی سے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو بتایا گیا تھا۔ کہ آپ کی وفات کب اور کہاں ہوگی۔

"الوصیّت" کا اقتباس قبل ازیں درج کیا جا چکا ہے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اپنی وفات سے اڑھائی سال قبل خدا تعالےٰ کے مندرجہ ذیل الہامات درج کئے ہیں:۔

۱۔ قرب اجلک المقدر۔ ولا نبقی لک من المخزیات ذکرا۔ قلّ میعاد ربک ولا نبقی لک من المخزیاتِ شیئا۔ واِمّا نرینّک بعض الذی نعدھم او نتوفینک تموت وانا راض منک۔ جاء وقتک۔ ونبقی لک الآیات باھرات جاء وقتک ونبقی لک الآیات بیّنات۔ قرب ما توعدون۔ واما بنعمۃ ربک فحدث۔ انہ من یتق اللّٰہ ویصبر۔ فان اللّٰہ لا یضیع اجر المحسنین۔ یعنی تیری اجل قریب آگئی ہے۔ اور ہم تیرے متعلق ایسی باتوں کا نام و نشان نہیں چھوڑینگے۔ جن کا ذکر تیری رسوائی کا موجب ہو۔ تیری نسبت خدا کی میعاد مقررہ تھوڑی رہ گئی ہے۔ اور ہم ایسے تمام اعتراض دور اور دفع کر دینگے۔ اور کچھ بھی ان میں سے باقی نہیں رکھیں گے۔ جن کے بیان سے تیری

رسوائی مطلوب ہو۔ اور ہم اس بات پر قادر ہیں۔ کہ جو کچھ مخالفوں کی نسبت ہماری پیشگوئیاں ہیں۔ ان میں سے تجھے کچھ دکھا دیں۔ یا تجھے وفات دیدیں۔ تو اس حالت میں فوت ہوگا۔ جو میں تجھ سے راضی ہونگا۔ اور ہم کھلے کھلے نشان تیری تصدیق کے لئے ہمیشہ موجود رکھیں گے۔ جو وعدہ کیا گیا وہ قریب ہے۔ اپنے رب کی نعمت کا جو تیرے پر ہوئی۔ لوگوں کے پاس بیان کر۔ جو شخص تقوےٰ اختیار کرے۔ اور صبر کرے۔ تو خدا ایسے نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔" (الوصیت صفحہ ۲)

۲۔ اسی طرح الہام ہوا "بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ اس دن سب پر اداسی چھا جائیگی۔ یہ ہوگا۔ یہ ہوگا۔ یہ ہوگا۔ بعد اس کے تمہارا واقعہ ہوگا۔ تمام حوادث اور عجائبات قدرت دکھلانے کے بعد تمہارا حادثہ آئیگا۔" (الوصیت صفحہ ۲)

۳۔ ۲۰ نومبر ۱۹۰۵ء کو رویاء میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کو دیکھا۔ اور ان سے کہا۔ کہ "آپ میرے واسطے دعا کریں۔ کہ میری اتنی عمر ہو کہ سلسلہ کی تکمیل کے واسطے کافی وقت مل جائے۔" حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام فرماتے ہیں۔ کہ "انہوں نے دعا کے واسطے سینے تک ہاتھ اٹھائے۔ مگر اُونچے نہ کئے۔ اور کہا اکیس۔ میں نے کہا کھول کر بیان کرو۔ مگر انہوں نے کچھ کھول کر نہ بیان کیا۔ اور بار بار اکیس اکیس کہتے رہے۔ اور پھر چلے گئے۔" (مکاشفات صفحہ ۴۷)

اس رویاء میں یہ بتایا گیا تھا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی عمر سلسلہ کی تکمیل کے واسطے اکیس تک ہوگی۔ چنانچہ واقعات سے اس خواب کی سچائی بڑے زور سے ثابت ہوتی ہے۔ ۱۸۸۸ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اشتہار بیعت نکالا تھا۔ اس کے اکیس سال بعد یعنی ۱۹۰۸ء میں آپ کی وفات ہوئی۔

۴۔ ریویو دسمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۴۸۰ پر یہ رویاء درج ہے کہ "ایک کوری ٹنڈ میں کچھ پانی مجھے دیا گیا ہے۔ پانی صرف دو تین گھونٹ باقی اس میں رہ گیا ہے۔ لیکن بہت مصفا اور مقطر پانی ہے۔ اس کے ساتھ الہام تھا۔ "آبِ زندگی" اس الہام میں بھی بتایا گیا تھا۔ کہ آپ کی عمر بہت گذر چکی ہے۔ اور اب آبِ زندگی دو تین گھونٹ باقی رہ گیا ہے۔ یعنی زندگی کے صرف دو تین سال رہتے ہیں۔ اس رویاء کے پورے اڑھائی سال بعد حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے وفات پائی۔

۵۔ ۲۰ فروری ۱۹۰۷ء کو الہام ہوا "افسوسناک خبر آئی ہے۔" (البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۲۴) اور اس کے ساتھ ہی حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ذہن کا انتقال لاہور کی طرف ہُوا۔ گویا سمجھایا گیا۔ کہ لاہور میں آپ کی وفات ہوگی۔ اسی طرح رویاء میں آپکو قبر کی جگہ بھی دکھلائی گئی (الوصیت صفحہ ۱۵)

۶۔ ۲ مارچ ۱۹۰۷ء کا الہام ہے۔ "انت الذی طار الیّ روحہ"۔ (البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۲۵) یعنی تیری رُوح نے میری طرف پرواز کیا۔ اسی طرح الہام ہوا۔ "ہے تو بھاری مگر خدائی امتحان کو قبول کر۔"

۷۔ ۷ مارچ ۱۹۰۷ء کو الہام ہُوا۔ "ان کی لاش کفن میں لپیٹ کر لائے ہیں۔" (البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۲۵) جس سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ آپ قادیان سے کہیں باہر فوت ہونگے۔ اور آپ کی لاش کفن میں لپیٹ کر قادیان لائی جائے گی۔

۸۔ ۱۹ دسمبر ۱۹۰۷ء کو الہام ہوا۔ "بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید۔ ستائیس کو ایک واقعہ (ہمارے متعلق) اللہ خیر (وابقیٰ) خوشیاں منائیں گے" (البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۳۷)

۹۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۰۷ء کو الہام ہوا۔ "وقت رسید" (البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۳۸)

۱۰۔ ۷ مارچ ۱۹۰۸ء کو الہام ہوا۔ "ماتم کدہ"۔ اس کے بعد غنودگی میں دیکھا۔ کہ ایک جنازہ آتا ہے۔" البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۴۰)

۱۱۔ ۲۶ اپریل ۱۹۰۸ء کو الہام ہوا۔ "مباش ایمن از بازیٔ روزگار" (البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۴۱)

۱۲۔ ۹ مئی ۱۹۰۸ء کو الہام ہوا۔ "الرحیل ثم الرحیل۔ موت قریب۔ ان اللہ یحمل کل حمل۔ (البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۴۱)

۱۳۔ ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء کو الہام ہوا۔ "ڈرو مت مومنو" (البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۴۱)

۱۴۔ ۱۷ مئی ۱۹۰۸ء کو الہام ہوا۔ "مکن تکیہ بر عمر ناپائدار۔" (البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۴۱)

ان تمام الہامات پر اگر غور کیا جائے۔ تو صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعض جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو اللہ تعالےٰ نے سالِ وفات کی خبر دی ہے۔ بعض جگہ یہ بتایا ہے کہ وفات قادیان سے باہر لاہور میں ہوگی۔ اور آپ کی لاش کفن میں لپیٹ کر لائی جائیگی بعض جگہ یہ بتلایا ہے۔ کہ ستائیس کو آپ دفن ہونگے۔ بعض جگہ یہ بتایا ہے۔ کہ دشمن بڑی خوشیاں منائیں گے۔ بعض جگہ یہ بتایا ہے۔ کہ مومنوں کو ڈرنا نہیں چاہئے۔ بعض جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو تسلی دی ہے۔ کہ میں تیرے بعد سلسلہ کے تمام بوجھوں کو

اٹھا لونگا۔ پھر جب وفات کا دن قریب آتا گیا۔ تو کہا گیا۔ کہ الرحیل ثم الرحیل۔ یعنی کوچ کا وقت آ گیا۔ کبھی کہا جاتا۔ موت قریب۔ کبھی کہا جاتا۔ مکن تکیہ بر عمر ناپائدار۔ غرض الہامات کے اس سلسلہ پر تعصب سے خالی ہو کر اگر کوئی شخص غور کرے گا۔ تو لا محالہ اُسے ایمان لانا پڑے گا کہ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی حیاتِ طیبہ آپ کی صداقت کا ایک زندہ ثبوت تھی۔ اسی طرح آپ کی وفات نے بھی آپ کا صادق اور منجانب اللہ ہونا روزِ روشن کی طرح ثابت کر دیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی عمر

سیّد حبیب نے اسی ضمن میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے اس الہام کو بھی باطل ثابت کرنے کی سعیٔ ناکام کی ہے۔ جس میں اللہ تعالےٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا تھا۔ کہ لنحیینّك حیٰوۃً طیبۃً۔ ثمانین حولًا اوقریبًا من ذالك۔ (اربعین ۳ صہ ۳۲ و ازالہ اوہام حصّہ دوم طبع اوّل صہ ۶۳۵) یعنی ہم تجھے ایک پاک اور آرام دہ زندگی عنایت کرینگے۔ اسّی برس یا اس کے قریب قریب۔ ضمیمہ تحفہ گولڑویہ میں یہ الہام درج ہے۔ کہ ثمانین حولا اوقریبًا من ذالك اوتزید علیہ سنینًا (صہ ۱۹ طبع اول) یعنی تیری عمر اسّی برس کی ہوگی یا دو چار سال کم یا چند سال زیادہ۔ حقیقۃ الوحی میں الہام درج ہے۔ کہ اطال اللہ بقاءك اسّی یا اس پر پانچ چار زیادہ یا پانچ چار کم ۔" (صہ ۹۶)

انہی الہامات کا تریاق القلوب حاشیہ صہ ۱۳ اور ضمیمہ براہین احمدیہ حصّہ پنجم صہ ۹۴ میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے ذکر فرمایا ہے۔

ان الہامات کا حاصل مطلب حضرت مسیح موعود علیہ السّلام ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔ کہ "جو فقرہ وحیٔ الٰہی میں درج ہے۔ اس میں مخفی طور پر ایک امید دلائی گئی ہے۔ کہ اگر خدا تعالےٰ چاہے۔ تو اسّی برس سے بھی عمر کچھ زیادہ ہو سکتی ہے۔ اور جو ظاہر الفاظ وحی کے وعدہ کے متعلق ہیں۔ وہ تو ۷۴ چوہتّر اور ۸۶ چھیاسی کے اندر اندر عمر کی تعیین کرتے ہیں۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصّہ پنجم صہ ۹۷)

گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالےٰ کا یہ وعدہ تھا۔ کہ آپ کی عمر ۷۴ برس سے کم اور ۸۶ برس سے زیادہ نہیں ہوگی پس اگر آپ کی عمر شمسی یا قمری حساب سے اس کے اندر اندر ثابت ہو جائے۔ یعنی دلائل سے یہ امر ثابت ہو جائے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی پیدائش ۱۸۳۹ء اور ۱۸۴۰ء کے درمیان ہوئی ہے۔ تو

قسم کا اعتراض نہیں رہ سکتا۔

سیّد حبیب کا اعتراض

سیّد حبیب کا اعتراض یہ ہے کہ "مرزا صاحب ۶۵ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ لہٰذا یہ سب الہام غلط ثابت ہوئے۔" (تحریک قادیان صہ ۱۳۵)

اس دعوے کے ثبوت میں سیّد حبیب نے یہ دلیل پیش کی ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے تریاق القلوب میں لکھا ہے "جب میری عمر چالیس برس تک پہونچی۔ تو خدا تعالےٰ نے اپنے الہام اور کلام سے مجھے مشرف کیا۔ اور یہ عجیب اتفاق ہوا۔ کہ میری عمر کے چالیس برس پورے ہوتے پر صدی کا سر بھی آ پہونچا۔ تب خدا تعالےٰ نے الہام کے ذریعہ سے میرے پر ظاہر کیا۔ کہ تو اس صدی کا مجدد اور صلیبی فتنوں کا چارہ گر ہے۔" (صہ ۶۸)

اس سے نتیجہ نکالتے ہوئے لکھا ہے "اس کے معنی ہیں کہ ۱۳۰۱ھ میں مرزا صاحب کی عمر چالیس سال تھی۔ اگر کم ہو تو ہو۔ زیادہ نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ مرزا صاحب کے الفاظ "میری عمر چالیس برس تک پہونچی" کے یہی معنی ہو سکتے ہیں۔ اور آپ فوت ہوئے ۱۳۲۶ھ میں۔ لہٰذا آپ کی عمر ۶۵-۶۶ برس سے کسی طرح زیادہ نہیں ہو سکتی" (تحریک قادیان صہ ۱۳۶)

اس میں شبہ نہیں۔ کہ تریاق القلوب کے مندرجہ بالا حوالہ سے یہ امر صاف طور پر ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام چالیس برس تک کی عمر میں مامور ہوئے۔ اشعار میں بھی فرماتے ہیں ؎

تھا برس چالیس کا میں اس مسافر خانہ میں
جبکہ میں نے وحیٔ ربّانی سے پایا افتخار (براہین احمدیہ حصّہ پنجم صہ ۱۱۱)

آئینۂ کمالاتِ اسلام میں بھی فرماتے ہیں:۔

"ولما بلغت اشد عمری وبلغت اربعین سنۃ جاءتنی نسیم الوحی بریّا عنایات ربی لیزید معرفتی ولیقینی ویرتفع حجبی واکون من المستیقنین" صہ ۵۴۸ یعنی جب میری عمر چالیس برس تک پہونچی۔ تو وحیٔ الٰہی مجھ پر نازل ہوئی اور عنایاتِ الٰہیہ کی بارش مجھ پر برسنے لگی۔ تا وہ مجھے معرفت اور یقین میں بڑھاتے اور میرے

حجابوں کو دُور کر کے یقین کامل عطا فرمائے۔

پس تریاق القلوب سے یہ بات تو یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے۔ کہ ماموریت کے وقت آپ کی عمر چالیس برس تک تھی۔

صدی کے سر سے کونسا سن مُراد ہے

دوسری بات اس حوالہ سے یہ بھی واضح ہوتی ہے۔ کہ جب آپ کی عمر چالیس برس تک ہوئی۔ تو اس وقت "صدی کا سر" بھی آپہونچا تھا۔ صرف حل طلب سوال یہ ہے کہ صدی کے سر سے کونسا سن مراد ہے۔ آیا وُہ جو سیّد حبیب بیان کرتے ہیں یعنی ۱۳۰۱ھ یا کوئی اور۔ اس امر کے فیصلہ کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی ہی ایک تحریر پیش کی جاتی ہے۔ حضور فرماتے ہیں۔

"یہ عجیب امر ہے۔ اور میں اس کو خدا تعالےٰ کا ایک نشان سمجھتا ہوں۔ کہ ٹھیک بارہ سو نوّے (۱۲۹۰) ہجری میں خدا تعالےٰ کی طرف سے یہ عاجز شرفِ مکالمہ و مخاطبہ پاچکا تھا" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۹۹) اسی طرح فرماتے ہیں:۔

"جب **تیرھویں صدی کا اخیر ہوا**۔ اور چودھویں صدی کا ظہور ہونے لگا۔ تو خدا تعالےٰ نے الہام کے ذریعہ سے مجھے خبر دی۔ کہ تو اس صدی کا مجدّد ہے" (کتاب البریہ حاشیہ صفحہ ۱۶۸) گویا یہ امر واضح ہوگیا۔ کہ "صدی کے سر" سے مراد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ۱۲۹۰ھ ہے۔ اور اسی سن میں آپ کو مجددیت کا خلعت پہنایا گیا۔

اگر کوئی شخص صدی کے سر کا یہ مفہوم ماننے کے لئے تیار نہیں۔ بلکہ وہ صدی کے ابتدا کو ہی صدی کا سر کہنے پر مُصر ہے۔ تو اُسے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی مندرجہ ذیل عبارت پڑھنی چاہئے۔ حضور فرماتے ہیں:۔

"چونکہ آخر صدی کا یا مثلاً آخر ہزار کا اس صدی یا ہزار کا سر کہلاتا ہے۔ جو اس کے بعد شروع ہونے والا ہے۔ اور اس کے ساتھ پیوستہ ہے۔ اس لئے یہ محاورہ ہر ایک قوم کا ہے۔ کہ مثلاً وہ کسی صدی کے آخری حصّے کو جس پر گویا صدی ختم ہونے کے حکم میں ہے۔ دوسری صدی پر جو اس کے بعد شروع ہونے والی ہے۔ اطلاق کر دیتے ہیں۔ مثلاً کہہ دیتے ہیں۔ کہ فلاں مجدد بارھویں صدی کے سر پر ظاہر ہوا تھا۔ گو وُہ گیارھویں صدی کے اخیر پر ظاہر ہوا ہو۔ یعنی گیارھویں صدی کے چند سال رہتے

اس نے ظہور کیا ہو" (تحفہ گولڑویہ حاشیہ صفحہ ۹۲ طبع اوّل)

پس جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے یہ لکھا۔ کہ میری چالیس سال کی عمر میں صدی کا سر آپہنچا۔ اور میں نے خدا تعالےٰ سے شرف مکالمہ و مخاطبہ حاصل کیا۔ وہاں جیسا کہ حقیقۃ الوحی کے حوالہ سے ثابت کیا جاچکا ہے ۱۲۹۰ھ مراد ہے لیکن اس غلط فہمی میں مبتلاء نہیں ہونا چاہئے۔ کہ پہلا الہام حضرت مسیح موعود علیہ السّلام پر ۱۲۹۰ھ میں نازل ہوا کیونکہ یہ صرف ماموریت کے زمانہ کا ذکر ہے۔ ورنہ الہامات کا سلسلہ آپ پر بہت پہلے شروع ہوگیا تھا۔ چنانچہ الہام الٰہی "تیرا خدا تیرے اس فعل سے راضی ہوا۔ اور وُہ تجھے بہت برکت دیگا۔ یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے" اسے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے ۱۸۶۸ء یا ۱۸۶۹ء کا قرار دیا ہے۔ (براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۵۲۰ حاشیہ) اسی طرح الہام لاتخف اِنّکَ انت الاعلیٰ۔ اور "ڈگری ہوگئی مسلمان ہے" کو بھی حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے ۱۸۶۸ء کا قرار دیا ہے۔ دیکھو نزول المسیح صفحہ ۲۳۳

اب حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی عمر کو معلوم کرنا کوئی مشکل بات نہیں رہتی ۱۲۹۰ھ میں آپ کی عمر چالیس سال تھی ۱۳۲۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ گویا ۷۶ سال آپ کی عمر ہوگئی۔ جو الہامات کے عین مطابق ہے۔

عمر کے متعلق مختلف اندازوں کی وجہ

سیّد حبیب کی اس پیش کردہ دلیل کو رد کرنے کے بعد اگر مستقل حیثیت میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی عمر کے موضوع پر غور کیا جائے۔ تو لامحالہ یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ کہ آپ کو عمر الہامات کے عین مطابق ملی۔ اور کسی پہلو کے لحاظ سے بھی مخالف کے لئے بجا اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں۔ لیکن پیشتر اس کے کہ بعض حوالجات کے رُو سے اس موضوع پر بحث کی جائے۔ اس امر کا ذکر کرنا نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو خود اپنی صحیح تاریخ پیدائش معلوم نہیں تھی۔ کیونکہ وُہ سکھوں کا زمانہ تھا۔ اور پیدائشوں کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھا جاتا تھا۔ اسی لئے حضور کی اپنی تحریرات بھی اس بارے میں مختلف ہیں۔ چنانچہ حضور نے اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔

"عمر کا اصل اندازہ تو خدا کو معلوم ہے" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۸۹)

نیز حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی روایت ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے ایک دفعہ فرمایا:۔

"ہم اپنی عمر کے متعلق کچھ ٹھیک نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اس وقت بچوں کی عمروں کے لکھنے کا کوئی طریق نہ تھا۔ اور ہمارے پاس کوئی ایسی یادداشت نہیں" (بدر ۱۱ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۲)

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو بھی اس امر کا بایں الفاظ اعتراف ہے۔ کہ "مرزا صاحب کی تاریخ ولادت صاف تو ملتی نہیں" (تاریخ مرزا صفحہ ۴ طبع دوم)

پس اس وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی تحریروں اور آپ کے مخالفین کے بیانات پر یکجائی نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ تا معلوم ہو۔ کہ زیادہ میلان کس سن کیطرف ہے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی جن تحریروں سے آپ کی عمر پر روشنی پڑتی ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

سنہ ۱۲۹۰ھ میں حضرت مسیح موعودؑ کی عمر چالیس برس تک پہنچ چکی تھی

اوّل:۔ تریاق القلوب میں فرماتے ہیں "جب میری عمر چالیس برس تک پہونچی۔ تو خدا تعالےٰ نے اپنے الہام اور کلام سے مجھے مشرف کیا۔ اور یہ عجیب اتفاق ہوا کہ میری عمر کے چالیس برس پورے ہونے پر صدی کا سر بھی آ پہونچا۔ تب خدا تعالےٰ نے اپنے الہام کے ذریعہ سے میرے پر ظاہر کیا۔ کہ تو اس صدی کا مجدد اور صلیبی فتنوں کا چارہ گر ہے" (صفحہ ۶۸) اور دوسری جگہ فرماتے ہیں "یہ عجیب امر ہے۔ اور میں اس کو خدا تعالیٰ کا ایک نشان سمجھتا ہوں۔ کہ ٹھیک بارہ سو نوّے ہجری میں خدا تعالےٰ کی طرف سے یہ عاجز شرفِ مکالمہ و مخاطبہ پا چکا تھا" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۹۹)

گویا سنہ ۱۲۹۰ھ میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی عمر چالیس سال تک پہونچ گئی تھی۔ سنہ ۱۳۲۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قمری حساب سے ۳۶ برس اور شمسی حساب سے ۳۵ برس آپ ماموریت کی حالت میں شرفِ مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف رہے۔ چالیس سال پہلے اس میں شامل کر لئے جائیں۔ تو آپ کی عمر ۷۵-۷۶ برس ہو جاتی ہے۔ اور سن پیدائش سنہ ۱۸۳۳ء ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اگر الفاظ "چالیس برس تک پہونچی" سے پورے چالیس برس نہ بھی مراد لئے جائیں۔ بلکہ دو

تین سال کم لئے جائیں۔ تب بھی عمر ۷۴ برس ثابت ہوتی اور سن پیدائش ۳۶-سنہ ۱۸۳۵ء ثابت ہوتا ہے۔ جس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

"چالیس برس تک" سے کیا مراد ہے

میرا ذاتی خیال ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ان الفاظ سے کہ "جب میری عمر چالیس برس تک پہونچی۔ تو خدا تعالےٰ نے اپنے الہام اور کلام سے مجھے مشرف کیا" (تریاق القلوب صفحہ ۶۸) ہم یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے۔ کہ سنہ ۱۲۹۰ھ میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام پورے چالیس برس کے تھے۔ اور اس کی دو وجوہات ہیں:۔

اول یہ کہ جب یہ ثابت شدہ امر ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو اپنی صحیح تاریخ پیدائش معلوم نہیں تھی۔ اور آپ نے ہر جگہ قیاسات سے کام لیا۔ تو کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ کہ سنہ ۱۲۹۰ھ میں آپ پورے چالیس برس کے تھے۔

دوم۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا عام اسلوبِ تحریر دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ چند سالوں کا عموماً شمار نہیں کیا کرتے تھے۔ مثلاً آپ نے سنہ ۱۲۹۰ھ کو "صدی کا سر" قرار دے دیا۔ حالانکہ ابھی صدی ہیں سے دس سال باقی رہتے تھے۔ اسی طرح آپ نے کئی جگہ اپنی عمر "ستر برس کے قریب" قرار دی۔ حالانکہ آپ کی مراد اس وقت ستاسٹھ سال کے قریب تھی۔ جیسا کہ آگے چل کر ثابت کیا جائیگا۔ یا مثلاً آتھم کی عمر کو اپنی عمر کے برابر لکھ دیا۔ حالانکہ آپ کی عمر چھ سات سال کم تھی۔ اسی طرح امکان ہے۔ کہ آپ کے ان الفاظ سے کہ "جب میری عمر چالیس برس تک پہونچی" پورے چالیس برس مراد نہ ہوں۔ بلکہ ایک دو سال کم ہوں۔ اور میرا خیال یہی ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے عام طرزِ تحریر کو دیکھتے ہوئے ایک دو سال کم ہی تسلیم کرنے پڑتے ہیں۔ ورنہ ہمیں یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑے گی۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو اپنی عمر کا صحیح اندازہ معلوم تھا۔ حالانکہ یہ درست نہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر "چالیس برس تک" سے مراد ۳۸ برس لئے جائیں۔ جس کا امکان ہے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی عمر سنہ ۱۲۹۰ھ میں ۳۸ برس اور سنہ ۱۳۲۶ھ میں ۷۴ برس ثابت ہوتی۔ اور سن ولادت سنہ ۱۲۵۲ھ ثابت ہوتا ہے۔

چالیس برس سے "پورے چالیس برس" مراد نہ ہونے کا ایک یہ بھی ثبوت ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام اپریل سنہ ۱۹۰۵ء میں فرماتے ہیں ؎

سانٹھ سے ہیں کچھ برس میرے زیادہ اسں گھڑی
سال ہے اب تیسواں دعوے پہ از رُوئے شمار
تھا برس چالیس کا میں اسں مسافر خانہ میں
جبکہ میں نے وحیٔ ربانی سے پایا افتخار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۱۷)

گویا ۱۹۰۵ء یعنی ۱۳۲۳ھ میں آپ اپنے دعوے پر تیسواں سال بتاتے ہیں۔ حالانکہ اگر ۱۲۹۰ھ میں آپ کی عمر پورے چالیس سال سمجھی جاوے۔ تو ۱۳۲۳ھ میں دعوے پر تینتیسواں ۳۳ سال ہوتا ہے۔ مگر حضرت مسیح موعودؑ تیسواں سال بتاتے ہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ اس وقت چالیس سال عمر تھی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ۳۸ سالہ عمر کو آپ چالیس سال قرار دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر ڈوئی کے مقابلہ میں حضرت مسیح موعودؑ کا اپنی عمر بتانا

دوم۔ تتمہ حقیقۃ الوحی میں فرماتے ہیں:۔

”میری طرف سے ۲۳؍ اگست ۱۹۰۳ء کو ڈوئی کے مقابل پر انگریزی میں یہ اشتہار شائع ہوا تھا جس میں یہ فقرہ ہے۔ کہ میں عمر میں ستر برس کے قریب ہوں۔ اور ڈوئی جیسا کہ وہ بیان کرتا ہے۔ پچاس برس کا جوان ہے“ (حاشیہ صفحہ ۷)

گویا ۲۳؍ اگست ۱۹۰۳ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام ”ستر برس کے قریب“ تھے۔

اسی طرح ریویو بابت ماہ نومبر و دسمبر ۱۹۰۳ء کے صفحہ ۴۷۹ پر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں:۔

”میری عمر ”ستر سال کے قریب“ ہے حالانکہ ڈاکٹر ڈوئی صرف ۵۵ سال کی عمر کا ہے“

ان دونوں حوالوں میں ”ستر سال کے قریب“ کے الفاظ ہیں۔ دیکھنا یہ چاہیئے۔ کہ ”ستر سال کے قریب ہے“ کونسی عمر مراد ہے۔ اس کے لئے ریویو آف ریلیجنز بابت ماہ ستمبر ۱۹۰۲ء کا یہ حوالہ پڑھئے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں:۔

”میں ایک آدمی ہوں۔ جو پیرانہ سالی تک پہونچ چکا ہوں۔ میری عمر غالباً چھیاسٹھ سال سے بھی کچھ زیادہ ہے۔ صفحہ ۳۴۶

اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ۱۹۰۲ء میں آپ اپنی عمر کو غالب طور پر چھیاسٹھ سال سے بھی کچھ زیادہ“ بتاتے ہیں۔ اور ۱۹۰۳ء میں اسی عمر کو ”ستر برس کے قریب“ قرار دیتے ہیں

گویا ”ستر برس کے قریب“ سے مراد اس وجہ سے کہ ایک سال کے بعد آپ نے یہ الفاظ کہے ”۶۷ سال سے بھی کچھ زیادہ“ ہے اور اگر صرف ۶۷ سال بھی عمر سمجھی جائے۔ تب بھی آپ اس کے بعد پانچ سال زندہ رہے ہیں۔ ۶۷+۵=۷۲ سال جو قمری لحاظ سے ۷۴ سال بلکہ اس سے بھی ”کچھ زیادہ“ بنتے ہیں۔ کیونکہ ۳۶ برس شمسی پر ایک برس قمری زیادہ ہوجاتا ہے۔ اور یہ عمر الہام الٰہی کے عین مطابق ہے۔ اس لحاظ سے سن پیدائش ۱۸۳۶ء ثابت ہوتا ہے۔

عمر کے متعلق ایک شخص کے سوال کا جواب

سوم:۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام سے کسی شخص نے سوال کیا۔ کہ ”حضرت کی عمر شریف اس وقت کس قدر ہے“ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے فرمایا: ”عمر کا اصل اندازہ تو خدا کو معلوم ہے۔ مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ اب اس وقت تک جو سن ہجری ۱۳۲۳ھ ہے۔ میری عمر ستر برس کے قریب ہے۔ واللہ اعلم“ (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۸۹)

اسی کتاب میں یہ بھی تحریر فرماتے ہیں:۔

”اب میری عمر ستر برس کے قریب ہے۔ اور تیس برس کی مدت گذر گئی۔ کہ خدا تعالےٰ نے مجھے صریح لفظوں میں اطلاع دی تھی۔ کہ تیری عمر اسی برس کی ہوگی۔ اور یا یہ کہ پانچ چھ سال زیادہ یا پانچ چھ سال کم“ (ضمیمہ صفحہ ۹۷) ان دونوں جگہوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے ”ستر برس کے قریب“ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ یہ کتاب جیسا کہ بعض اندرونی شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے ۱۹۰۵ء کے ابتدائی حصہ میں لکھی گئی تھی۔ جیسا کہ مثلاً صفحہ ۱۳۰ پر ”اک نشاں ہے آنیوالا آج سے کچھ دن کے بعد“ کے نیچے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے لکھا ہے ”تاریخ امروز ۱۵۔ اپریل ۱۹۰۵ء“ پس ثابت ہوا۔ کہ ۱۹۰۵ء کے شروع میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی عمر ”ستر برس کے قریب“ تھی۔ اور چونکہ قبل ازیں ثابت کیا جاچکا ہے۔ کہ ۱۹۰۳ء میں آپ سڑسٹھ سال سے بھی کچھ زیادہ عمر کے تھے۔ اس لئے ”ستر برس کے قریب“ سے ۱۹۰۵ء میں لامحالہ آپ ۶۹ برس یا اس سے کچھ زیادہ عمر کے ٹھہرتے ہیں۔ جب ۱۹۰۵ء میں آپ ۶۹ برس کے ہوئے تو وفات تک آپ کی عمر شمسی لحاظ سے ۷۲ سال اور قمری حساب سے ۷۴ سال بن جاتی ہے۔ بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ۔ جس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ اس لحاظ سے بھی سن پیدائش ۱۸۳۶ء ثابت ہوتا ہے۔

آتھم کے مقابلہ میں حضرت مسیح موعودؑ کی عمر

چہارم۔ انوار الاسلام ہیں جو ۱۸۹۴ء کی تصنیف ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام عبداللہ آتھم کے متعلق فرماتے ہیں۔

" بہتیرے سو سو برس زندہ رہتے ہیں۔ مگر عبداللہ آتھم کی جیسا کہ نور افشاں میں لکھا گیا ہے صرف اب تک ۶۴ برس کی عمر ہے۔ جو میری عمر سے صرف چھ سات برس ہی زیادہ ہے"۔ حاشیہ صفحہ ۳۶

اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سنہ ۱۸۹۴ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی عمر ۶۴ سے چھ سات سال کم یعنی ۵۷۔۵۸ سال قرار دیتے تھے۔ اسی عمر کو بعض دوسری جگہوں میں آپ نے ساٹھ یا "قریباً ساٹھ برس" کہا ہے۔ مثلاً آپ فرماتے ہیں۔

(ا- "ہم اپنے سچے اور کامل خدا پر توکل کر کے کہتے ہیں۔ کہ ہم بغیر الٰہی کام پورا کرنے کے مر ہی نہیں سکتے۔ اور اگرچہ عمر ساٹھ تک پہونچ گئی۔ لیکن ہم اس کے فضل سے جئیں گے۔ جب تک دینی خدمت کا کام پورا نہ کرلیں"۔ (حاشیہ انوار الاسلام صفحہ ۳۶)

ب۔ اشتہار انعامی تین ہزار روپیہ میں عبداللہ آتھم سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "اگر آپ چونسٹھ برس کے ہیں۔ تو میری عمر بھی قریباً ساٹھ کے ہو چکی"۔ (تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۱۲۰)

ج:۔ اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ میں فرماتے ہیں " دیکھو میری عمر بھی تو قریب ساٹھ برس کے ہے۔ اور ہم اور آتھم صاحب ایک ہی قانونِ قدرت کے نیچے ہیں"۔ (تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۱۷۶)

د۔ اشتہار انعامی دو ہزار روپیہ میں فرماتے ہیں۔ "اگر آتھم صاحب چونسٹھ برس کے ہیں تو عاجز قریباً ساٹھ برس کا ہے"۔ (تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ ۱۳۴)

پس معلوم ہوا۔ کہ سنہ ۱۸۹۴ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام ساٹھ برس کے قریب تھے اور ساٹھ برس کے قرب سے مراد ۵۷۔۵۸ سال عمر کا ہونا ہے۔ اور چونکہ حوالجات پر یکجائی نظر ڈالنے سے عمر ساٹھ برس سے زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے ہم بقینی طور پر کہہ سکتے ہیں۔ کہ ۱۸۹۴ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر ۵۸ سال تھی۔ اسی کو آپ نے "ساٹھ" "قریباً ساٹھ" "قریب ساٹھ برس" "قریباً ساٹھ برس" قرار دیا ہے۔ پس سنہ ۱۸۹۴ء کے بعد آپ چودہ سال زندہ رہے۔ ۵۸+۱۴=۷۲ سال۔ جو قمری حساب سے ۷۴ سال بن جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سنِ پیدائش سنہ ۱۸۳۶ء ثابت ہوتا ہے۔

ایک غلطی کا ازالہ

اس جگہ اس امر کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے

بعض جگہ آتھم کے متعلق جو یہ لکھا ہے۔ کہ "مجھے دکھلاؤ کہ آتھم کہاں ہے۔ اس کی عمر تو میری عمر کے برابر تھی۔ یعنی قریب ۶۴ سال کے"۔ (اعجاز احمدی صفحہ ۳)

"آتھم کی عمر قریباً میرے برابر تھی"۔ (انجام آتھم صفحہ ۷) یا فرمایا کہ:-

کمثلی کان فی عمرٍ و سنٍ — سمین الجسم ابعد من ھزال (انجام آتھم صفحہ ۲۷۶)

یعنی آتھم عمر میں میرے برابر اور فربہ جسم تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ چونکہ عبداللہ آتھم ۲۷ جولائی سنہ ۱۸۹۶ء کو فوت ہوا (انجام آتھم صفحہ ۱) اس لئے سنہ ۱۸۹۶ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر ۶۴ سال تھی جو سنہ ۱۹۰۸ء میں ۷۶ سال ہوگئی۔ درست نہیں۔ کیونکہ اول تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آتھم کی عمر کو "قریباً" اپنے برابر قرار دیا ہے۔ یا "قریب ۶۴ سال کے" الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ اور اس میں بہت سا فرق پڑ جاتا ہے۔ دوسرے جبکہ واضح الفاظ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے آپ کو آتھم سے چھ سات برس عمر میں چھوٹا کہدیا ہے۔ جیسا کہ بعض حوالجات قبل ازیں درج کئے جا چکے ہیں۔ تو عبداللہ آتھم کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہم عمر قرار دینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔

سنہ ۱۳۰۴ھ میں حضرت مسیح موعودؑ کی عمر

پنجم۔ آئینہ کمالاتِ اسلام میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس خط کے مضمون کا ذکر کرتے ہوئے جو آپ نے مرزا احمد بیگ کو محمدی بیگم کے رشتہ کے لئے لکھا تھا۔ یہ تحریر فرمایا ہے۔ کہ ھٰذا ما کتبتُ الی احمد بیگ فی سنۃ ۱۳۰۴۔ یعنی یہ خط میں نے احمد بیگ کو سنہ ۱۳۰۴ھ میں لکھا۔ اس کے ساتھ ہی فرماتے ہیں۔ کہ کنتُ حینئذٍ جاوزتُ الخمسین یعنی میری عمر اس وقت پچاس سال سے متجاوز تھی۔ (صفحہ ۵۷۴) اس کے بعد ۲۲ سال حضرت مسیح موعود علیہ السلام زندہ رہے ہیں۔ ۵۰+۲۲=۷۲۔ جو قمری لحاظ سے ۷۴ سال بنتے ہیں۔ اور چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے آپ کو اس وقت پچاس سال سے متجاوز قرار دیا ہے۔ اس لئے بہر حال ۷۵ سال کے قریب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر بنتی اور سنِ پیدائش سنہ ۱۸۳۶ء ثابت ہوتا ہے۔

مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم و مغفور کی روایت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات کے بعد بعض اور قرائن سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کو عمر الہام الٰہی کے بالکل مطابق ملی۔ چنانچہ پہلا قرینہ حضرت مرزا سلطان احمد

صاحب مرحوم و مغفور کی یہ روایت ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ولادت ان کے معلومات کے مطابق سنہ ۱۸۳۶ء میں ہوئی۔ سیرت المہدی میں حضرت مرزا بشیر احمدؓ صاحب لکھتے ہیں۔

"میں نے عزیزم مرزا رشید احمد (جو مرزا سلطان احمدؓ صاحب کا چھوٹا لڑکا ہے) کے ذریعہ مرزا سلطان احمدؓ صاحب سے دریافت کیا تھا۔ کہ آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سنِ ولادت کے متعلق کیا علم ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ سنہ ۱۸۳۶ء میں آپ کی ولادت ہوئی تھی"۔ (حصہ اوّل صفحہ ۱۹۶)

حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی فرماتے ہیں۔

"مرزا صاحب مغفور کی کیا عمر تھی۔ جب آپ کا انتقال ہوا۔ اس کے لئے میں کوشش میں ہوں۔ کہ پتہ لگے۔ مرزا سلطان احمدؓ نے تولد کا سن ۳۶ و ۳۷ بتایا ہے۔ پس اس شمسی حساب سے آپ کی عمر قمری حساب میں چوہتر۷۴ پچھتر۷۵ ہوتی ہے۔ اور کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔ اور حضرت نے نصرۃ الحق میں قریبًا یہی لکھا ہے"۔ (ریویو آف ریلیجنز جلد ۷ صفحہ ۲۷۱)

حضرت مفتی محمدؓ صادق صاحب بھی فرماتے ہیں :۔

"سب سے زیادہ صحیح قول مرزا سلطان احمدؓ صاحب کا معلوم ہوتا ہے۔ جو کہ انہوں نے جنازہ میں شامل ہونے کے واسطے تشریف لانے پر فرمایا تھا۔ کہ میرے پاس جو یادداشت ہے۔ اس کے مطابق آپ کی پیدائش سنہ ۱۸۳۶ء یا سنہ ۱۸۳۷ء میں ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹ اور ۴۰ یا پنج سال وہ اور ۶۰ سال پچھلی صدی میں سے اور ۸ سال اس صدی کے کل ۵ + ۶۰ + ۸ = ۷۳ سال ہوئے۔ اس میں دو سال قمری کے بڑھائے جائیں۔ تو ۷۵ سال ہوئے۔ غرض عمر کے متعلق کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ۷۵، یا ۷۶ بہرحال اسی کے قریب ہیں"۔ (بدر ۱۱ جون سنہ ۱۹۰۸ء صفحہ ۴)

حضرت میرزا بشیر احمد صاحب کی ایک اور روایت بھی اسی کی مؤید ہے۔ آپ فرماتے ہیں

"میں نے مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔ اے افسر ڈاک کی معرفت مرزا سلطان احمد صاحب سے دریافت کیا تھا۔ کہ آپ کی پیدائش کس سال کی ہے۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ مجھے اچھی طرح معلوم نہیں۔ بعض کاغذوں میں تو سنہ ۱۸۶۴ء لکھا ہے۔ مگر ہندو پنڈت مجھے کہتا تھا۔ کہ میری پیدائش سنہ ۱۹۱۳ بکرمی کی ہے۔ اور میں نے سُنا ہے۔ کہ والد صاحب کی عمر میری ولادت

کے وقت کم و بیش اٹھارہ سال کی تھی"۔

یہ روایت درج کرکے حضرت میرزا بشیر احمدؓ صاحب فرماتے ہیں :۔

"سنہ ۱۹۱۳ بکرمی والی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ دوسرے قرائن اس کے مؤید ہیں۔ نیز یہ بات بھی کہ ہندو عمومًا جنم پتری کی حفاظت میں بہت ماہر ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے مرزا سلطان احمدؓ صاحب کی پیدائش سنہ ۱۸۵۶ء کے قریب کی بنتی ہے۔ اور اگر اس وقت حضرت صاحب کی عمر اٹھارہ سال سمجھی جائے۔ تو آپ کا سن ولادت وہی سنہ ۱۸۳۷ء کے قریب پہونچتا ہے۔ پس ثابت ہوا۔ کہ سنہ ۱۸۳۶ء والی روائت صحیح ہے۔ اس کا ایک اور ثبوت بھی ہے۔ اور وُہ یہ کہ حضرت صاحب نے لکھا ہے (دیکھو التبلیغ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۴۴) اور بیان بھی فرمایا کرتے تھے۔ کہ میری والدہ صاحبہ فرمایا کرتی تھیں۔ کہ ہمارے خاندان کے مصیبت کے دن تیری ولادت کے ساتھ پھر گئے تھے۔ اور فراخی میسر آگئی تھی اور اسی لئے وُہ میری پیدائش کو مبارک سمجھا کرتی تھیں۔ اب یہ قطعی طور پر یقینی ہے۔ کہ راجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں ہی خاندان کے مصائب کے دن دُور ہو کر فراخی شروع ہوگئی تھی۔ اور قادیان اور اس کے ارد گرد کے بعض مواضعات دادا صاحب کو راجہ رنجیت سنگھ نے بحال کر دیئے تھے۔ اور اپنے ماتحت دادا صاحب کو معزز فوجی عہدہ بھی دیا تھا اور راجہ کے ماتحت دادا صاحب نے بعض فوجی خدمات بھی سرانجام دی تھیں۔ پس ثابت ہوا۔ کہ حضرت صاحب کی پیدائش بہرحال راجہ رنجیت سنگھ کی موت یعنی سنہ ۱۸۳۹ء سے کچھ عرصہ پہلے ماننی پڑے گی۔ لہٰذا اس طرح بھی سنہ ۱۸۳۶ء والی روایت کی تصدیق ہوتی ہے۔ وھو المراد"۔ (سیرۃ المہدی حصہ اوّل صفحہ ۱۹۶ و ۱۹۷)

مولوی محمد حسین بٹالوی کی عمر سے حضرت مسیح موعودؑ کی عمر کا اندازہ

ایک اور قرینہ یہ بھی ہے۔ کہ حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے کی روایت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔ کہ "مولوی محمد حسین (بٹالوی) سے میں تین چار سال بڑا ہوں"۔ (سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۲۴۰)

اور مولوی محمد حسین بٹالوی نے اپنے ایک خط میں جو آئینہ کمالات اسلام میں درج ہے۔ اپنی تاریخ پیدائش ۱۷ محرم سنہ ۱۲۵۶ھ بیان کی ہے۔ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۱۶)

پس اس لحاظ سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سنِ ولادت سنہ ۱۲۵۲ھ ثابت ہوتا ہے

اور عمر قمری حساب سے ۷۵ برس ثابت ہوتی ہے۔

ان روایات سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان تحریرات کی تائید ہوتی ہے۔ جن سے آپ کا سنِ ولادت ۱۸۳۶ء ثابت کیا جا چکا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کی عمر کے متعلق مخالفین کی شہادتیں

اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ کہ مخالفین نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر کے متعلق کیا لکھا۔ اگر مخالفوں کی اپنی تحریرات سے ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر الہام الٰہی کے مطابق ثابت ہو جائے۔ تو کم از کم دیانتدار مخالف کے لئے کوئی جائے اعتراض نہیں رہنی چاہیئے۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی شہادت

ا۔ چونکہ مخالفین میں سے سب سے زیادہ مشہور مخالفِ سلسلہ مولوی محمد حسین بٹالوی تھا۔ اس لئے پہلے اسی کی تین گواہیاں درج کی جاتی ہیں

پہلی گواہی۔ وہ اپنے رسالہ اشاعت السنہ میں ۱۸۹۳ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق لکھتا ہے "۶۳ برس کا تو وہ ہو چکا ہے" (جلد ۱۵ نمبر ۲ صفحہ ۵۵)

اس کے بعد قریبًا پندرہ برس حضرت مسیح موعود علیہ السلام زندہ رہے۔ ۶۳+۱۵=۷۸ سال۔ اگر قمری حساب لیا جائے۔ تو ۸۰ برس عمر بنتی ہے

دوسری گواہی۔ ملک محمد الدین صاحب افسر انہار ریاست بہاولپور نے ۱۹۰۸ء میں اخبار بدر میں حسب ذیل خط لکھکر شائع کرائی تھی۔

"جناب من تسلیم!

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی قدس سرہٗ مئی ۱۹۰۸ء میں فوت ہوئے۔ اور میں دیکھتا ہوں۔ کہ آپ کی عمر کی نسبت بلحاظ پیشگوئی ثمانین حولاً او قریبًا من ذالک او تزید علیہ سنینًا۔ مختلف اخبارات میں یہ درج ہوا ہے۔ کہ وہ اس عمر تک نہیں پہونچے۔ کہ جس سے صداقت پیشگوئی مذکورہ بالا کی ہو سکے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے۔ روزانہ اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور نے حضرت کی وفات کا نوٹ لکھتے ہوئے آپ کی عمر ۷۷ سال کی درج کی مگر میں نے پھر اس کی تصحیح اسی اخبار میں نہیں دیکھی۔ عوام الناس عمومًا آپ کی عمر ۷۶ یا ۷۰ سال ظاہر کر رہے ہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی کہ پیشگوئی غلط نکلی۔

میں نے حضرت مرزا صاحب کی بیعت نہیں کی۔ نہ میں ان احمدیوں میں سے ہوں کہ جن کی شہادت کو مبنی برحسنِ عقیدت خیال کیا جائے۔ پس میں ایک شہادت دینا چاہتا ہوں جس کو ایک ایسے شخص کی شہادت سمجھنا چاہیئے۔ جو کسی جنبہ داری سے متاثر نہیں۔ میں مولانا مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا شاگرد ہوں۔ اور جس قدر تھوڑی بہت تحصیلِ دین میں نے کی۔ اس کا اکثر حصہ صاحب موصوف سے پایا۔ اور مولانا صاحب موصوف کے تلمیذ عزیز ہونے کی مجھے سعادت حاصل ہے۔ ۱۸۹۱ء میں جو مباحثہ مابین مولانا صاحب موصوف اور مولانا مولوی نور الدین صاحب بمقام لاہور بمواجہ مفتی محمد عبد اللہ صاحب ٹونکی اور قاضی خلیفہ حمید الدین صاحب لاہوری جلسۂ عام میں متعلق وفاتِ مسیح علیہ السلام ہوا تھا۔ اس میں کاتب روئیداد جلسہ میں تھا۔ اور مجھے خود مولانا مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اس کام پر مامور فرمایا تھا۔ اس روئیداد کو انہوں نے رسالہ اشاعت السنہ میں شائع کیا۔ اور ایک نوٹ اس رسالہ میں میری نسبت دیا تھا جس کے الفاظ غالبًا یہ ہیں "یہ علی گڑھ کالج میں بی۔ اے کلاس کے طالب علم ہیں۔ اور ہمارے تلمیذ عزیز ہیں۔ اوصلہ اللہ الی ما یتمناہ" اس سے میری مراد یہ ہے۔ کہ میں شروع سے دعویٰ حضرت مرزا صاحب کی نسبت مخالفانہ دلچسپی لینے والا شخص ہوں۔ لیکن بایں ہمہ میں حق کو چھپانا نہیں چاہتا"

اس کے بعد انہوں نے دو گواہیاں دی ہیں۔ جن میں سے مولوی محمد حسین بٹالوی کی گواہی یہ ہے۔ کہ

"جناب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ستمبر ۱۹۰۸ء میں بہاولپور تشریف لائے۔ تو میں نے آپ سے دریافت کیا۔ کہ آپ کی عمر کیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ میں ۷۰ سال کا ہوں۔ اور ابھی بفضلہ تعالےٰ مضبوط ہوں۔ پھر دوسرے موقع پر انہی ایام میں میں نے پوچھا۔ کہ جناب مرزا صاحب آپ سے کس قدر بڑے تھے۔ تو آپ نے جواب دیا۔ کہ میں بالکل لڑکا تھا۔ جب وہ طب پڑھا کرتے تھے۔ اور جوان عمر تھے۔ مجھ سے ۸ یا ۹ سال بڑے ہونگے۔ اس تخمینہ میں جہاں ۸-۹ سال بتائے گئے ہیں۔ وہاں ۹-۱۰ بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن کچھ ہو۔ مولانا صاحب کے بیان کے موافق حضرت مرزا صاحب کی پیشگوئی ثمانین حولاً او قریبًا من ذالک کی پوری صداقت ثابت ہوتی ہے ھذا ما اقول

صادقًا واللہ علیمٌ بذات الصدور" (اخبار بدر جلد ۸ نمبر ۵ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۹۰۸ء ص ۳)

مولوی محمد حسین بٹالوی کی اس دوسری گواہی سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر ۷۸-۷۹ برس ثابت ہوتی ہے۔

تیسری گواہی۔ میاں فخرالدین صاحب ملتانی کی ہے۔ وہ خدا تعالےٰ کی قسم کھا کر بیان کرتے ہیں۔ کہ

"ابھی حضرت مسیح موعود کی وفات پر صرف دو تین ماہ ہی گذرے تھے۔ کہ میں ایک دو اور دوستوں کے ساتھ بٹالہ میں مولوی محمد حسین بٹالوی سے ملنے گیا۔ میری غرض یہ تھی۔ کہ مولوی محمد حسین سے باتوں باتوں میں حضرت صاحب کی عمر کے متعلق سوال کروں کیونکہ ان دنوں میں آپ کی عمر کے متعلق بہت اعتراض تھا۔ خیر میں گیا۔ اور مولوی صاحب کے دروازے پر آواز دی۔ مولوی محمد حسین نیچے آئے۔ اور مسجد میں آکر ملاقات کی میرا ارادہ تھا۔ کہ مولوی صاحب کو اپنا احمدی ہونا ظاہر نہ کرونگا۔ لیکن مولوی صاحب نے مجھ سے سوال کیا۔ کہ کہاں جاتے ہو۔ تو مجھے ناچار قادیان کا نام لینا پڑا۔ اور مولوی صاحب کو معلوم ہو گیا۔ کہ میں احمدی ہوں۔ خیر میں نے مولوی صاحب سے گفتگو شروع کی۔ اور کہا۔ کہ مولوی صاحب اور نہیں تو آپ کم از کم وفاتِ مسیح ناصری کے تو قائل ہو ہی گئے ہونگے۔ مولوی نے سختی سے کہا۔ کہ نہیں میں تو مسیح کو زندہ سمجھتا ہوں۔ خیر اس پر گفتگو ہوتی رہی۔ پھر میں نے مولوی محمد حسین سے پوچھا۔ کہ آپ تو حضرت مرزا صاحب کے پرانے واقف ہونگے۔ مولوی صاحب نے کہا۔ ہاں میں تو جوانی سے جانتا ہوں۔ اور میں اور مرزا صاحب بچپن میں ہم مکتب بھی تھے۔ اور پھر اس کے بعد ہمیشہ ملاقات رہی۔ میں نے کہا۔ آپ اور حضرت مرزا صاحب ہم عمر ہی ہونگے۔ مولوی صاحب نے جواب دیا۔ کہ نہیں مرزا صاحب مجھ سے تین چار سال بڑے تھے۔ میں نے سادگی کا چہرہ بنا کر پوچھا کہ مولوی صاحب آپ کی اس وقت کیا عمر ہے۔ مولوی میرے داؤ کو نہ سمجھا۔ اور بولا۔ کہ ۷۳-۷۴ سال کی ہے۔ میں نے دل میں الحمد للہ کہا۔ اور جلدی ہی گفتگو کر کے اُٹھ آیا"

(سیرۃ المہدی حصہ اوّل ص ۲۳۹)

مولوی محمد حسین بٹالوی کی اس تیسری گواہی سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر ۷۷-۷۸ برس ثابت ہوتی ہے۔

پنڈت لیکھرام کی شہادت

پنڈت لیکھرام کی گواہی سے بھی حضرت مسیح موعود السلام کی عمر الہام الٰہی کے مطابق ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ تکذیب براہین احمدیہ حصہ دوم میں لکھتا ہے "معلوم ہوا کہ اب تک ساحر قادیانی کا گھر نحوستوں سے بھرا ہوا ہے۔ اور خدا کی کوئی نعمت اس پر پوری نہیں ہوئی۔ جب پچاس سال تک محروم تو اب کیا مقسوم رہا"

اسی طرح لکھتا ہے "پچاس سال کی عمر ہو چکی۔ ہنوز خواتین کی آرزو باقی ہے"

پھر لکھتا ہے "جب پچاس سال تک نسل نہ پھیلی۔ تو اب اولاد پھیلنے کی کیا امید ہے"

(کلیات آریہ مسافر ص ۴۹۷)

پنڈت لیکھرام کی یہ تحریر مارچ ۱۸۸۶ء کی ہے۔ جیسا کہ کلیات آریہ مسافر کے صفحہ ۴۹۹ سے ثابت ہوتا ہے۔ اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۲۲ برس سے کچھ زائد عرصہ زندہ رہے۔ ۵۰+۲۲=۷۲ اور قمری حساب سے ۷۴ برس ہوئے۔ اس گواہی سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سن پیدائش ۱۸۳۶ء ثابت ہوتا ہے

مولوی سراج الدین صاحب کی شہادت

مولوی ظفر علی خان ایڈیٹر زمیندار کے والد مولوی سراجدین صاحب کی گواہی بھی قابل ذکر ہے۔ انہوں نے حضرتِ مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر "زمیندار" میں ایک مضمون لکھا جس میں تحریر کیا۔

"مرزا غلام احمدؐ صاحب ۱۸۶۰ء یا ۱۸۶۱ء کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرر تھے اس وقت آپ کی عمر ۲۲ یا ۲۴ سال کی ہو گی۔ اور ہم چشم دید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔ کاروبار ملازمت کے بعد ان کا تمام وقت مطالعۂ دینیات میں صرف ہوتا تھا" (زمیندار ۸ ۲ مئی ۱۹۰۸ء ص ۵)

جب ۱۸۶۰ء یا ۱۸۶۱ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر ۲۴ سال کے قریب تھی۔ تو ۱۹۰۸ء میں آپ کی عمر شمسی حساب سے ۷۲ اور قمری حساب سے ۷۴ سال ثابت ہوتی اور سن پیدائش ۱۸۳۶ء ہی ثابت ہوتا ہے۔

مولوی سیّد میر حسن صاحب سیالکوٹی کی شہادت

مولوی سید میر حسن صاحب سیالکوٹی (جو احمدی نہیں) کی روایت ہے۔ کہ حضرت

مسیح موعود علیہ السلام ۱۸۶۴ء میں بتقریب ملازمت شہر سیالکوٹ میں تشریف لائے۔" اور ان کا یہ اندازہ ہے۔ کہ ۱۸۶۴ء میں آپ کی عمر ۲۸ سال سے متجاوز نہ تھی" (سیرت المہدی حصہ اوّل صفحہ ۱۴۰)

اس روایت کے مطابق بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سن پیدائش ۱۸۳۶ء ثابت ہوتا اور عمر قمری حساب سے ۷۴ برس سے کچھ زائد ہی ثابت ہوتی ہے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کی شہادت

مولوی ثناء اللہ صاحب کی گواہی کے رُو سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

ا۔ اہلحدیث ۳ مئی ۱۹۰۷ء میں وُہ لکھتے ہیں "مرزا صاحب کہہ چکے ہیں۔ کہ میری موت عنقریب اسّی سال کے کچھ نیچے اُوپر ہے۔ جس کے سب زینے غالباً آپ طے کر چکے ہیں۔" گویا ۰۷ء میں ہی مولوی ثناء اللہ صاحب کے بیان کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر الہام کے مطابق ہو چکی تھی۔

ب۔ تفسیر ثنائی جلد ۲ حاشیہ صفحہ ۱۴۰ مطبوعہ ۱۸۹۹ء وطبع دوم صفحہ ۹۰ پر لکھتے ہیں
"جو شخص ستر برس سے متجاوز ہو۔ جیسے خود بدولت (مرزا صاحب) بھی ہیں"
اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۹ برس زندہ رہے۔ ۷۰ + ۹ = ۷۹ اور قمری حساب سے ۸۱ برس اور اگر "متجاوز" کا لحاظ رکھا جائے۔ تو عمر اور بھی زیادہ ثابت ہوتی ہے۔

ج۔ "مرزا صاحب رسالہ اعجاز احمدی میں عبداللہ آتھم عیسائی کی بابت لکھتے ہیں۔ کہ اگر پیشگوئی سچی نہیں نکلی۔ تو مجھے دکھاؤ کہ آتھم کہاں ہے۔ اس کی عمر تو میری عمر کے برابر تھی۔ یعنی قریب چونسٹھ سال کے (صفحہ ۳) اس عبارت سے پایا جاتا ہے۔ کہ عبداللہ آتھم کی موت کے وقت مرزا صاحب کی عمر چونسٹھ سال کی تھی۔ آیئے اب ہم یہ تحقیق کریں کہ آتھم کب مرا تھا۔ شکر ہے۔ کہ اس کی موت کی تاریخ بھی مرزا صاحب ہی کی تحریروں میں پائی جاتی ہے۔ مرزا صاحب رسالہ انجام آتھم صفحہ ۱ پر لکھتے ہیں (چونکہ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب ۲۷ جولائی ۱۸۹۶ء کو بمقام فیروز پور فوت ہو گئے) اس عبارت سے صاف معلوم ہوا۔ کہ ۱۸۹۶ء میں مرزا صاحب کی عمر چونسٹھ سال کے قریب تھی۔ بہت خوب آیئے اب یہ معلوم کریں کہ آج ۸ء میں ۱۸۹۶ء کو گذرے ہوئے کے سال ہوئے

ہمارے حساب میں (اگر کوئی مرزائی غلطی نہ نکالے تو) گیارہ سال ہوتے ہیں۔ بہت اچھا۔ چونسٹھ کے ساتھ گیارہ کو ملانے سے پچھتر سال ہوتے ہیں۔ تو ثابت ہوا۔ کہ مرزا صاحب کی عمر آجکل پچھتر سال ہے" (مرقع قادیانی بابت فروری ۸ء صفحہ ۱۲)

جب بقول مولوی ثناء اللہ صاحب فروری ۸ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر ۷۵ سال تھی۔ تو بہر حال عمر الہام الٰہی کے مطابق ثابت ہوئی۔

د۔ اہلحدیث ۳۱ جولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۳ کالم ۲ پر بھی مولوی ثناء اللہ صاحب لکھتے ہیں۔ "مرزا کی عمر بقول اس کے پچھتر سال کی ہوئی۔"

ملک محمد الدین صاحب کی شہادت

مخالفین احمدیت کی شہادات میں سے سب سے آخر میں ملک محمد دین صاحب افسر اہار ریاست بہاولپور کی شہادت درج کرتا ہوں۔ جن کی ایک گواہی قبل ازیں بھی درج کی جا چکی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"۱۸۹۱ء کے حصہ اوّلین میں جب حضرت مرزا صاحب دہلی تشریف لے گئے۔ اور اپنے دعوے کے متعلق انہوں نے مباہلہ عام علماء دہلی سے کرنا چاہا۔ تو وُہ کسی نواب صاحب کے مکان پر فروکش تھے۔ میں بھی مجلس مباہلہ کی کارروائی کو دیکھنے کے لئے علی گڑھ کالج سے رخصت لے کر آیا۔ مباہلہ تو نہ ہوا۔ کیونکہ علماء نے جہاں تک مجھے یاد ہے۔ وُہ شرط پوری نہ کی۔ جس پر حضرت مرزا صاحب اصرار فرماتے تھے۔ یعنی یہ کہ قبل از ابتہال آپ کا دعوےٰ سن لیا جائے۔ مگر میں اس مکان پر جہاں آپ فروکش تھے۔ قریب شام کے گیا۔ اور آپ سے ملاقی ہوا۔ میں نے آپ سے بہت سوالات کئے اور جوابات پائے۔ میں تنہائی میں آپ سے ملا تھا۔ میں نے اس وقت آپ سے یہ بھی دریافت کیا۔ کہ آپ کی عمر اب کیا ہے۔ تو مجھے بخوبی یاد ہے۔ کہ آپ نے ۶۴ یا ۶۵ سال بتائی تھی۔ اس حساب سے ٹھیک ۱۷ سال بعد جناب مرزا صاحب فوت ہوئے تو آپ کی عمر ۸۱ یا ۸۲ سال قرار پائی اور قمری حساب سے ۸۳ یا ۸۴ ہوئی۔ پس فقرہ او نزید علیہ ٹھیک ثابت ہوا۔" (اخبار بدر جلد ۸ نمبر ۵ مطابق ۱۰ دسمبر ۸ء صفحہ ۸)

غرض جس پہلو کے لحاظ سے بھی دیکھا جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر مطابق الہام ثابت ہوتی ہے۔ اور چونکہ حوالجات پر یکجائی نظر ڈالنے اور موافق و مخالف

بیانات معلوم کرنے سے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے سن ولادت کا عام رجحان ۱۸۳۶ء یا ۱۲۵۲ھ کی طرف ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے میری تحقیق میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا یہی سنِ پیدائش ہے۔ اور آپ کی عمر ۷۴-۷۵ برس ثابت ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عمر کے اندازہ میں اختلاف کوئی قابل اعتراض بات نہیں

اس جگہ اس امر کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ عمر کے اندازہ میں اختلاف اسی لئے واقع ہوا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو قطعی طور پر اپنا سنِ پیدائش معلوم نہیں تھا۔ اور آپ نے ہر جگہ قیاسات سے کام لیا۔ اور چونکہ قیاسات میں ایک دو سال کا فرق پڑ جانا یقینی ہے۔ اس لئے عمر کے اندازہ میں اختلاف ہونا بھی ضروری ہے۔ مگر یہ کوئی ایسی بات نہیں۔ جس سے کسی مدعی کی صداقت پر حرف آسکے کیونکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر میں بھی اختلاف ہے۔ چنانچہ "عمر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعضے ساٹھ برس کی اور بعضے باسٹھ برس چھ مہینے کی اور بعضے پینسٹھ برس کی کہتے ہیں۔ مگر ارباب تحقیق تریسٹھ برس کی لکھتے ہیں۔" (احوال الانبیاء جلد ۲ صفحہ ۳۳۰)

اگر عمر کے اندازہ میں اختلاف واقع ہو جانے سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت مشتبہ نہیں ہو سکتی۔ تو کوئی وجہ نہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی صداقت اس وجہ سے مشتبہ قرار دی جا سکے۔

عمر کے متعلق الٰہی فیصلہ

لیکن ایک اور بھی جواب ہے۔ جس سے اس اعتراض کا دفعیہ ہو سکتا ہے۔ اور وہ عمر کے متعلق الٰہی فیصلہ ہے۔

جب یہ ایک واقعہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو اپنی صحیح تاریخ پیدائش معلوم نہیں تھی۔ اور آپ نے ہر جگہ قیاسات اور تخمینوں سے کام لیا۔ اور دوسری طرف ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو ابتدائے عمر میں یہ وعدہ دیا۔ کہ وہ آپ کو ۷۴ اور ۸۶ کے درمیان عمر عطا فرمائیگا۔ حالانکہ کوئی شخص دعوے سے یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔ کہ وہ کل تک زندہ رہے گا۔ یا نہیں۔ پھر خدا تعالےٰ نے اس وعدہ کے

مطابق آپ کو ایک لمبی عمر عطا فرمائی۔ اگر بالفرض ہم اس لمبی عمر کا صحیح اندازہ معلوم کرنے سے قاصر ہیں۔ اور ہمارے پاس آپکی تاریخ ولادت محفوظ نہیں۔ تو ہمیں یہ دیکھنا چاہئے۔ کہ الہامی فیصلہ اس بارے میں کیا ہے۔ خدا نے ایک زمانہ میں آپ کو کہا۔ کہ میں تجھے ۷۴ اور ۸۶ سال کے درمیان عمر دونگا۔ یہ الہام ابتدائی ایام میں کیا۔ اور پھر اس کے بعد ایک لمبی عمر عطا فرمائی۔ دُنیا کو معلوم نہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی کتنی عمر ہے۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو بھی معلوم نہیں۔ کہ کب ۷۴ اور ۸۶ سالہ عمر کا درمیانی وقت آپہونچتا ہے۔ کیونکہ کوئی یادداشت محفوظ نہیں۔ اللہ تعالےٰ کا کلام اترتا ہے اور وہ کہتا ہے۔ قرب اجلک المقدر۔ تیری مقررہ عمر پوری ہو چکی۔ جاء وقتک (الوصیت) تیری عمر کا جو وقت تھا۔ وُہ آپہونچا۔ گویا خدا کے کلام نے بتا دیا۔ کہ ہم نے تیری عمر کے متعلق جو وعدہ کیا تھا۔ اس کی میعاد اب پوری ہو چکی۔ اور اب تیری وفات کا وقت آپہونچا۔ اور اس طرح خدا کے کلام نے قرب اجلک المقدر اور جاء وقتک کہکر یہ حقیقت روشن کر دی۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی عمر ۷۴ اور ۸۶ سال کے درمیان ہو چکی۔ خدا نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ اور اب وفات کا زمانہ آپہونچا۔ پس علاوہ دیگر شواہد کے خدا تعالےٰ کا الہام اس امر کا ثبوت ہے۔ کہ آپ کی عمر مطابق الہام ہوئی۔ کیونکہ ایک الہام کے بعد آپ لمبا عرصہ زندہ رہے۔ اور دوسرے الہام کے بعد آپ جلدی فوت ہو گئے۔ اور اس طرح آپ کی زندگی اور موت دونوں نے آپ کی صداقت اور راستبازی کا زمین و آسمان میں اعلان کر دیا۔

پیشگوئی متعلقہ مرزا احمد بیگ وغیرہ

آخری پیشگوئی جس پر سید حبیب نے نسبتاً زیادہ لمبی بحث کی ہے۔ وہ مرزا احمد بیگ وغیرہ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا وہ انذاری نشان ہے جس میں اللہ تعالےٰ نے آپ سے فرمایا تھا۔ کہ

"اس شخص (یعنی احمد بیگ) کی دختر کلاں کے نکاح کے لئے سلسلہ جنبانی کر اور ان کو کہدے۔ کہ تمام سلوک اور مروت تم سے اسی شرط سے کیا جائیگا۔ اور یہ نکاح تمہارے لئے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہوگا۔ اور ان تمام برکتوں اور رحمتوں سے حصہ پاؤگے۔ جو اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۸ء میں درج ہیں۔ لیکن اگر نکاح سے انحراف

کیا۔ تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی بُرا ہوگا۔ اور جس کسی دُوسرے شخص سے بیاہی جائے گی۔ وہ روزِ نکاح سے اڑھائی سال تک اور ایسا ہی والد اس دختر کا تین سال تک فوت ہو جائے گا۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۲۸۶)

نیز یہ بھی فرمایا تھا۔ کہ :۔ "خدا تعالےٰ اس عورت کو بیوہ کر کے میری طرف رد کریگا۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۳۲۴)

معذرت

سید حبیب کے اعتراض کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ :۔

"محمدی بیگم صاحبہ اور مرزا صاحب کا وُہ تعلق جو مرزا صاحب چاہتے تھے۔ پیدا نہیں ہو سکا۔ یعنی محترمہ موصوفہ مرزا صاحب کے نکاح میں نہیں آئیں۔" (تحریک قادیان صفحہ ۱۳۷)

چونکہ یہ ایک ایسی پیشگوئی ہے۔ جس پر مخالفین سلسلہ بالعموم نہایت ہی گندے اور غیر شریفانہ طریق پر لب کشائی کیا کرتے ہیں۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے اعتراضات کا محور یہی ایک پیشگوئی رہ گئی ہے۔ اس۔ لیے میں نے اللہ تعالےٰ کے فضل سے اس پیشگوئی پر نہایت مبسوط بحث کی ہے۔ جس میں نہ صرف سید حبیب کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے بلکہ مخالفین کے عام اعتراضات کو بھی ملحوظ رکھکر ایک سیر کن بحث کر دیگئی ہے۔ مگر چونکہ کتاب کا معین حجم اس مضمون کے اندراج میں مانع ہے۔ اس لئے ارادہ ہے۔ کہ اگر اللہ تعالےٰ نے توفیق دی۔ تو اُسے عنقریب ایک مستقل رسالہ کی صورت میں شائع کر دیا جائیگا۔ شائع ہونے پر انشاء اللہ اسکی ایک کاپی سید حبیب کو ارسال کر دی جائیگی۔ اسکے علاوہ عدم گنجائش کیوجہ سے (۱) براہین احمدیہ کی عدم تکمیل (۲) حضرت مسیح موعود کے کارہائے نمایاں (۳) مسئلہ حیات و وفاتِ مسیح (۴) اہل قبلہ کی تکفیر (۵) غیر احمدیوں کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی ممانعت اور (۶) قادیان کو مرکز حج بنانے کے متعلق اعتراضات کا جواب بھی اس میں درج نہیں ہو سکا۔ مگر چونکہ ان چھ اعتراضات کا جواب اب اسکے بعد کسی ٹریکٹ یا کتابی صورت میں شائع کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ جوابات جو اس کتاب کا ایک ضروری حصہ ہیں۔ انشاء اللہ تعالےٰ رسالہ ریویو آف ریلیجنز قادیان میں شائع کرا دیئے جائینگے۔ ناظرین کو چاہیئے۔ کہ وہ اس امر کو ملحوظ رکھیں۔ اور یہ خیال نہ کریں۔ کہ ان اعتراضات کا جواب دینے سے گریز کیا گیا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق مخالفینِ سلسلہ کے متفرق اعتراضات کے جواب

یٰحَسْرَۃً عَلَی الْعِبَادِ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا کَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۲۳/۱

حضرت مسیحؑ کی توہین کا بے بنیاد الزام

احمدیت کے خلاف سولھویں دلیل پیش کرتے ہوئے سید حبیب نے مختلف اعتراضات کئے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے "حضرت عیسےٰ اور ان کی والدہ محترمہ کے خلاف ایسے الفاظ استعمال کئے۔ جو نہایت ہی ثقیل و نامناسب تھے" (صفحہ ۱۵۲)

یہ اعتراض چونکہ بالعموم مخالفین کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کسی قدر تفصیل سے اس کا جواب دیا جائے۔

مسیح موعودؑ کا مثیل مسیحؑ ہونا

پہلی بات جو اس اعتراض کا اصولی طور پر رد کرتی ہے یہ ہے۔ کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اپنے آپ کو مثیل مسیح کہا۔ اور دنیا میں اس کا اعلان کیا۔ تو کیا کوئی عقل سلیم رکھنے والا انسان یہ تسلیم کر سکتا ہے۔ کہ آپ حضرت مسیحؑ کے متعلق جن کی مماثلت کا آپ کو دعوےٰ ہے سخت کلامی کریں۔ اور ان کی ذات ارفع کی طرف کسی گھناؤنے فعل کو منسوب کریں۔ آپ تو فرماتے ہیں :۔

"واللّٰہ انی قد ارسلت من ربی ونفث فی روعی من روح المسیح وجعلت وعاءً لارادته وتوجهاته حتی امتلأت نفسی ونسمتی بها وانخرطت فی سلک وجوده حتی ترای شبح روحه فی نفسی واشربت فی قلبی وجوده وبرق منه بارق فتلقته روحی اتم تلقی ولصقت بوجوده اشد ما یتخیل کانی هو وغیبت من نفسی وظهر المسیح فی مرآتی وتجلی حتی تخیلت ان قلبی وکبدی وعروقی واوتاری ممتلئة من وجوده ووجودی هذا قطعة من جوهر وجوده" (التبلیغ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۴۳۸)

یعنی میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر بیان کرتا ہوں۔ کہ مجھے میرے رب نے مبعوث کیا۔ اور میرے دل میں مسیح ناصری کی قلبی کیفیات کو اس طرح پھونکا۔ کہ میں اس کی ارادات و توجہات کا ظرف بن گیا۔ اور میری رُوح اور نفس پر اس کا غلبہ ہو گیا۔ اور میں اس کے وجود کے سلک میں ایسی مضبوطی سے پرویا گیا۔ کہ اس کا قالب اور رُوح مجھ میں عیاں ہو گیا۔ اور اس کا پاک وجود میرے وجود میں پنہاں ہؤا۔ پھر مسیح کی طرف سے ایک تجلی کوند کر آئی۔ جس سے میری روح نے کامل پیوستگی حاصل کی۔ اور وجود مسیح کے ساتھ میرا ایسا اتصال ہوا۔ کہ تخیل کی پرواز بھی وہاں تک نہیں پہونچ سکتی۔ میرا نفس مجھ سے غائب ہو گیا۔ اور میرا دل میرا جگر میرے عروق اور میرے اوتار سب اس مسیح کے وجود سے بھر گئے۔ اور یوں ہوا کہ میرا وجود مسیح کے وجود کا ایک ٹکڑا ہو گیا۔ اسی طرح فرماتے ہیں:۔

"اس عاجز کی فطرت اور مسیح کی فطرت باہم نہایت ہی متشابہ واقع ہوئی ہے۔ گویا ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے یا ایک ہی درخت کے دو پھل ہیں۔ اور بحدّے اتحاد ہے۔ کہ نظر کشفی میں نہایت ہی باریک امتیاز ہے۔" (حاشیہ در حاشیہ براہین احمدیہ حصّہ چہارم صفحہ ۴۹۹)

کیا ایسے شخص کے متعلق جو اپنے آپ کو مسیح کی ارادات و توجہات کا ظرف۔ اس کے وجود کا ایک ٹکڑا۔ اور اسی کی خو اور نام پر دنیا میں مبعوث ہونے والا قرار دیتا ہو۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ نعوذ باللہ اس نے حضرت مسیح ناصری کی توہین کی عقل و دانش یقیناً ایسے خیال کو دھکے دیتی ہے۔

حضرت عیسےٰ کی بلند شان کا اعتراف

دوسری بات یہ ہے۔ کہ ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی تحریرات پر مجموعی نظر ڈالکر یہ معلوم کرنا چاہیئے۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام اور ان کی والدۂ محترمہ حضرت مریم صدیقہ کے متعلق آپ کا کیا اعتقاد تھا۔ اگر واضح تحریرات ظاہر کر دیں۔ کہ آپ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کو خدا تعالےٰ کا نبی رسول برگزیدہ اور نہایت ہی مقدس انسان سمجھتے ہیں اور حضرت مریم کو صدیقہ یقین کرتے ہیں۔ تو لازماً ہمیں ایسی تحریرات کی جن میں بزعم مخالفین حضرت مسیح کے متعلق سخت الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ تاویل کرنی چاہیئے۔ اور تاویل بھی وُہ جو آپ کے منشا کے مطابق ہو۔ اس غرض کے لئے جب ہم حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی تحریرات پر یکجائی نظر ڈالتے ہیں۔ تو ہمیں حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کے متعلق بکثرت ایسی عبارات یہ الفاظ دکھائی دیتے ہیں:۔

"موسےٰ کے سلسلہ میں ابن مریم مسیح موعود تھا۔ اور محمدی سلسلہ میں میں مسیح موعود ہوں سو میں اس کی عزت کرتا ہوں جس کا ہمنام ہوں۔ اور مفسد اور مفتری ہے وہ شخص جو مجھے کہتا ہے۔ کہ میں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا۔ بلکہ مسیح تو مسیح میں تو اس کے چاروں بھائیوں کی بھی عزت کرتا ہوں۔ کیونکہ پانچوں ایک ماں کے بیٹے ہیں۔ نہ صرف اسی قدر بلکہ میں تو حضرت مسیح کی دونوں حقیقی ہمشیروں کو بھی مقدسہ سمجھتا ہوں۔ کیونکہ یہ سب بزرگ مریم بتول کے پیٹ سے ہیں۔" (کشتی نوح صفحہ ۱۶)

"میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ کوئی انسان حسین یا حضرت عیسےٰ جیسے راستباز پر بدزبانی کر کے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور وعید من عادیٰ لی ولیاً دست بدست اس کو پکڑ لیتا ہے۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۳۸)

"ہم اس بات کے لئے بھی خدا تعالےٰ کی طرف سے مامور ہیں۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کو خدا تعالےٰ کا سچا اور پاک اور راستباز نبی مانیں۔ اور ان کی نبوت پر ایمان لائیں۔ سو ہماری کسی کتاب میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے۔ جو ان کی شانِ بزرگ کے برخلاف ہو۔ اور اگر کوئی ایسا خیال کرے۔ تو وہ دھوکا کھانیوالا اور جھوٹا ہے۔" (ایام الصلح سرورق صفحہ ۲)

"ہم لوگ جس حالت میں حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کو خدا تعالےٰ کا سچا نبی اور نیک اور راستباز مانتے ہیں۔ تو پھر کیونکر ہماری قلم سے ان کی شان میں سخت الفاظ نکل سکتے ہیں۔" (کتاب البریہ صفحہ ۹۳)

"حضرت مسیح اپنے اقوال کے ذریعہ اور اپنے افعال کے ذریعہ سے اپنے تئیں عاجز ٹھہراتے رہے۔ خدائی کی کوئی بھی صفت ان میں نہیں۔ ایک عاجز انسان ہیں۔ ہاں نبی اللہ بیشک ہیں۔ خدا تعالےٰ کے سچے رسُول ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔" (جنگ مقدس صفحہ ۵)

"اللہ جل شانہٗ کی قسم ہے۔ کہ مجھے صاف طور پر اللہ جلّشانہ نے اپنے الہام سے فرمادیا ہے۔ کہ حضرت مسیح بلا تفاوت ایسا ہی انسان تھا۔ جس طرح اور انسان ہیں مگر خدا تعالےٰ کا سچا نبی اور اس کا مرسل اور برگزیدہ ہے۔" (حجۃ الاسلام صفحہ ۹)

"ہمارا یہ ایمان ہے۔ کہ وُہ (مسیح) سچے نبی ضرور تھے۔ رسول تھے۔ خدا تعالےٰ کے پیارے تھے۔ مگر خدا نہیں تھے۔" (حجۃ الاسلام صفحہ ۳۱)

"چونکہ قرآن کریم نے حضرت مسیح علیہ السلام کی نبوت کی تصدیق کر دی ہے۔ اس لئے ہم بہر حال حضرت مسیح کو سچا نبی کہتے اور مانتے ہیں۔ اور ان کی نبوت سے انکار کرنا کفر صریح

قرار دیتے ہیں۔" (ضیاء الحق صا۴۱)

"حضرت عیسےٰ علیہ السّلام بیشک خدا کا ایک پیارا نبی تھا۔ نہایت اعلےٰ درجہ کی صفات اپنے اندر رکھتا تھا۔ نیک تھا۔ برگزیدہ تھا۔ خدا سے ملا ہوا تھا لیکن خدا نہیں تھا۔"
(اشتہار ۲۲ر مارچ ۱۸۹۷ء تبلیغ رسالت جلد ۶ صا۷۴)

"آپ خدا کے مقبول اور پیارے تھے۔ خبیث ہیں وہ لوگ جو آپ پر تہمتیں لگاتے ہیں۔" (اعجاز احمدی صا۲۵)

"یہ احسان قرآن کا ان (حضرت عیسےٰ) پر ہے۔ کہ ان کو بھی نبیوں کے دفتر میں لکھ دیا اسی وجہ سے ہم ان پر ایمان لائے۔ کہ وہ سچے نبی ہیں۔ اور برگزیدہ ہیں۔ اور ان تہمتوں سے معصوم ہیں۔ جو ان پر اور ان کی ماں پر لگائی گئی ہیں۔" (اعجاز احمدی صا۱۳)

"حضرت عیسےٰ علیہ السّلام خدا نہیں۔ وہ صرف ایک نبی ہے۔ ایک ذرہ اس سے زیادہ نہیں۔ اور بخدا میں وہ سچی محبت اس سے رکھتا ہوں۔ جو تمہیں ہرگز نہیں۔ اور جس نور کے ساتھ میں اسے شناخت کرتا ہوں۔ تم ہرگز اُسے شناخت نہیں کر سکتے۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ وُہ خدا کا ایک پیارا اور برگزیدہ نبی تھا۔ اور ان میں سے تھا۔ جن پر خدا کا ایک خاص فضل ہوتا ہے۔ اور جو خدا کے ہاتھ سے پاک کئے جاتے ہیں۔" (دعوۃ حق صہ مشمولہ حقیقۃ الوحی)

"یاد رہے۔ کہ ہم حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کی عزت کرتے ہیں۔ اور ان کو خدا تعالےٰ کا نبی سمجھتے ہیں۔ اور ہم ان یہودیوں کے ان اعتراضات کے مخالف ہیں۔ جو آجکل شائع ہوئے ہیں۔" (چشمۂ مسیحی صب)

"اس نے مجھے اس بات پر بھی اطلاع دی ہے۔ کہ درحقیقت یسوع مسیح خدا کے نہایت پیارے اور نیک بندوں میں سے ہے۔ اور ان میں سے ہے۔ جو خدا کے برگزیدہ لوگ ہیں۔ اور ان میں سے ہے۔ جن کو خدا اپنے ہاتھ سے صاف کرتا اور اپنے نور کے سایہ کے نیچے رکھتا ہے لیکن جیسا کہ گمان کیا گیا ہے۔ خدا نہیں ہے۔ ہاں خدا سے واصل ہے۔ اور ان کاملوں میں سے ہے۔ جو تھوڑے ہیں۔" (تحفہ قیصریہ صا۱۸)

"تمام نوشتوں سے پایا جاتا ہے۔ کہ یسوع دل کا غریب اور حلیم اور خدا سے پیار کرنے والا۔ اور ہر دم خدا کے ساتھ تھا۔" (تحفہ قیصریہ صا۲۲)

"ہم اس سچے مسیح کو مقدس اور بزرگ اور پاک جانتے اور مانتے ہیں۔ جس نے نہ خدائی کا دعوےٰ کیا۔ نہ بیٹا ہونے کا۔ اور جناب محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی خبر دی۔ اور

ان پر ایمان لایا۔" (رسالہ فتح مسیح صا۱۲)

حضرت مریم صدیقہ کے متعلق فرمایا۔" بعض افراد امت کی نسبت فرمایا ہے۔ کہ وہ مریم صدیقہ سے مشابہت رکھیں گے۔ جس نے پارسائی اختیار کی۔" (کشتی نوح صا۴۵)

ان حوالجات سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام مسیح ناصری کو اللہ تعالےٰ کا پاکباز رسول اور آپ کی والدۂ محترمہ حضرت مریم کو صدیقہ و موحدہ تسلیم کرتے اور ان کے خلاف سخت الفاظ استعمال کرنے کو ناجائز تصور کرتے ہیں۔ ان حالات میں کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ کہ آپ نے حضرت مسیح ناصری یا آپ کی والدہ مقدسہ کی توہین کی۔

سخت الفاظ کا مصداق کون ہے،

تیسرا سوال ہمارے سامنے یہ ہے۔ کہ مخالفین جن الفاظ سے یہ استدلال کرتے ہیں۔ کہ ان سے حضرت مسیح ناصری کی توہین ہوئی۔ ان کی کیا حقیقت ہے۔

واضح رہنا چاہیئے۔ کہ اگر وُہ سخت الفاظ جو مخالفین کے نزدیک جائے اعتراض ہیں۔ اس مسیح ناصری کے متعلق ثابت ہوں۔ جسے خدا قرآن مجید میں "رسولًا الی بنی اسرائیل" قرار دیتا ہے۔ تو مخالفین کا یہ کہنا بجا ہو سکتا ہے۔ کہ ان الفاظ سے حضرت مسیح ناصری کی توہین ہوئی۔ لیکن جبکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ ان الفاظ کے مورد مسیح ناصری نہیں۔ بلکہ وُہ "یسوع مسیح" ہے۔ جسے عیسائی ابن اللہ قرار دیتے ہیں۔ تو ان الفاظ سے ایک نبی کی توہین کیونکر ہو گئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام بھی مخالفین کے اس شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"حضرت مسیح کے حق میں کوئی بے ادبی کا کلمہ میرے منہ سے نہیں نکلا۔ یہ سب مخالفوں کا افترا ہے۔ ہاں چونکہ درحقیقت کوئی ایسا یسوع مسیح نہیں گزرا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ اور آنے والے نبی خاتم الانبیاء کو جھوٹا قرار دیا ہے۔ اس لئے میں نے فرضِ محال کے طور پر اس کی نسبت ضرور بیان کیا ہے۔ کہ ایسا مسیح جس کے یہ کلمات ہوں۔ راستباز نہیں ٹھہر سکتا لیکن ہمارا مسیح ابن مریم جو اپنے تئیں بندہ اور رسول کہلاتا ہے۔ اور خاتم الانبیاء کا مصدق ہے۔ اس پر ہم ایمان لاتے ہیں۔" (تریاق القلوب طبع اول حاشیہ صا۷) انجام آتھم میں فرماتے ہیں۔ "یاد رہے۔ کہ یہ ہماری رائے اس یسوع کی نسبت ہے جس نے خدائی کا دعوےٰ کیا۔ اور نبیوں کو چور اور بٹ مار کہا۔ اور خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت بجز اس کے کچھ نہیں

کہا۔ کہ میرے بعد جھوٹے نبی آئیں گے۔ ایسے یسوع کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں۔" (ص۱۳)

پھر فرماتے ہیں:۔ "اس بات کو ناظرین یاد رکھیں۔ کہ عیسائی مذہب کے ذکر میں ہمیں اسی طرز سے کلام کرنا ضروری تھا۔ جیسا کہ وہ ہمارے مقابل کرتے ہیں۔ عیسائی لوگ درحقیقت ہمارے اس عیسے علیہ السّلام کو نہیں مانتے۔ جو اپنے تئیں صرف بندہ اور نبی کہتے تھے۔ اور پہلے نبیوں کو راستباز جانتے تھے۔ اور آنے والے نبی حضرت محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سچے دل سے ایمان رکھتے تھے۔ اور آنحضرتؐ کے بارہ میں پیشگوئی کی تھی بلکہ ایک شخص یسوع نام کو مانتے ہیں۔ جس کا قرآن میں ذکر نہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ اس شخص نے خدائی کا دعوے کیا۔ اور پہلے نبیوں کو بٹمار وغیرہ ناموں سے یاد کرتا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ یہ شخص ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا سخت مکذب تھا۔ اور اس نے یہ بھی پیشگوئی کی تھی۔ کہ میرے بعد سب جھوٹے ہی آئینگے۔ سو آپ لوگ خوب جانتے ہیں۔ کہ قرآن شریف نے ایسے شخص پر ایمان لانے کی ہمیں تعلیم نہیں دی۔ بلکہ ایسے لوگوں کے حق میں صاف فرمادیا ہے۔ کہ اگر کوئی انسان ہو کر خدائی کا دعوے کرے۔ تو ہم اس کو جہنم میں ڈالیں گے۔ ومن یقل منھم انی الٰہ من دونہ فذالک نجزیہ جھنم کذالک نجزی الظٰلمین اسی سبب سے ہم نے عیسائیوں کے یسوع کے ذکر کرنے کے وقت اس ادب کا لحاظ نہیں رکھا۔ جو سچے آدمی کی نسبت رکھنا چاہیئے۔ ایسا آدمی اگر نابینا نہ ہوتا۔ تو یہ نہ کہتا۔ کہ میرے بعد سب جھوٹے ہی آئینگے۔ اور اگر نیک اور ایماندار ہوتا۔ تو خدائی کا دعوے نہ کرتا۔ پڑھنے والوں کو چاہیئے۔ کہ ہمارے بعض سخت الفاظ کا مصداق حضرت عیسے علیہ السّلام کو نہ سمجھ لیں۔ بلکہ وہ کلمات یسوع کی نسبت لکھے گئے ہیں۔ جس کا قرآن وحدیث میں نام ونشان نہیں۔" (آریہ دھرم ٹائیٹل پیج صفحہ آخر)

"ترغیب المؤمنین" میں فرماتے ہیں:۔ ھذا ما کتبنا من الاناجیل علی سبیل الالزام وانا نکرم المسیح ونعلم انہ کان تقیًّا ومن الانبیاء الکرام (ص۱۹ حاشیہ) یعنی ہم نے جو کچھ یسوع مسیح کے متعلق لکھا یہ محض اناجیل کے رُو سے بطور الزام لکھا ہے۔ ورنہ ہم حضرت مسیح علیہ السّلام کی عزت کرتے اور یہ جانتے ہیں۔ کہ وہ نہایت پاکباز انسان اور انبیاء کرام میں سے تھے۔

عیسائی پادریوں کے اسلام پر پیہم حملے

چونکہ سوال ہوسکتا ہے۔ کہ یسوع مسیح کے متعلق اس رنگ میں بحث کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس لئے یہ بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام جس زمانہ میں مبعوث ہوئے۔ عیسائیوں نے تثلیث پرستی کا ایک قصر عظیم تیار کر رکھا تھا۔ اسلام اور بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات بابرکات پر گندے اور ناپاک اعتراضات کئے جاتے۔ اہل دنیا کو متنفر کرنے کیلئے آپ پر بد سے بدتر حملے کئے جاتے۔ اور سید المعصومین امام الطیبین سید المطہرین حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کو اتنی غلیظ گالیاں دی جاتیں۔ کہ رُوئے زمین پر آج تک کسی شخص کو اتنی گالیاں نہیں ملیں۔ پھر نہ صرف تقریروں میں بلکہ اشتہاروں رسالوں اخباروں اور کتابوں میں بھی فحش اور گندے اعتراضات کئے جاتے۔ اور یسوع مسیح کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر فضیلت اور برتری ثابت کیجاتی۔ یہ اسلام پر انتہا تکلیف دہ اور المناک حملہ تھا کہ اس نے مسلمانوں کی کمر توڑ ڈالی۔ اور ان کی جمعیت کو پراگندہ کر دیا۔ ایسی حالت میں ضروری تھا۔ کہ الزامی رنگ میں عیسائیوں کو ان کا گھر دکھایا جاتا۔ اور بتایا جاتا۔ کہ تم جس یسوع مسیح کی محبت کا پیغام پہونچانے کھڑے ہوئے ہو۔ تم جسے خدا کا بیٹا۔ بلکہ خدا کہتے ہو۔ تم جسے دنیا کا نجات دہندہ اور منجی بتلاتے ہو۔ اور تم جسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے افضل واعلےٰ قرار دیتے ہو۔ وہ انجیل کے رُو سے تو ایک پاکباز انسان بھی ثابت نہیں ہوسکتا۔ کجا یہ کہ اُسے ابن اللہ قرار دیا جائے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"ہمیں پادریوں کے یسوع اور اس کے چال چلن سے کچھ غرض نہ تھی۔ انہوں نے ناحق ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے کر ہمیں آمادہ کیا۔ کہ ان کے یسوع کا کچھ تھوڑا سا حال ان پر ظاہر کریں۔ چنانچہ اسی پلید نالائق فتح مسیح نے اپنے خط میں جو میرے نام بھیجا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو زانی لکھا ہے۔ اور اس کے علاوہ اور بہت گالیاں دی ہیں۔ پس اسی طرح اس مردار اور خبیث فرقہ نے جو مردہ پرست ہے۔ ہمیں اس بات کے لئے مجبور کر دیا ہے کہ ہم بھی ان کے یسوع کے کسی قدر حالات لکھیں۔ اور مسلمانوں کو واضح رہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے یسوع کی قرآن شریف میں کچھ خبر نہیں دی۔ کہ وہ کون تھا۔ اور پادری اس بات کے قائل ہیں۔ کہ یسوع وہ شخص تھا جس نے خدائی کا دعوے کیا۔ اور حضرت موسےٰ کا نام ڈاکو اور بٹمار رکھا۔ اور آنے والے مقدس نبی کے وجود سے انکار کیا۔ اور کہا کہ میرے بعد سب جھوٹے

نبی آئیں گے۔ پس ہم ایسے ناپاک خیال اور متکبر اور راستبازوں کے دشمن کو ایک بھلامانس آدمی بھی قرار نہیں دے سکتے۔ چہ جائیکہ اس کو نبی قرار دیں۔ نادان پادریوں کو چاہیئے۔ کہ بدزبانی اور گالیوں کا طریق چھوڑ دیں۔ ورنہ نہ معلوم خدا کی غیرت کیا کیا ان کو دکھلائیگی"
(ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۹)

پادری فتح المسیح کو ایک خط میں لکھتے ہیں:-

"اب ہم یہ خط بطور نوٹس کے آپ کو بھیجتے ہیں۔ کہ اگر پھر ایسے ناپاک لفظ آپ نے استعمال کئے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جناب میں ناپاک تہمت لگائی۔ تو ہم بھی آپ کے فرضی اور جعلی خدا کی وہ خبر لینگے۔ جس سے اس کی تمام خدائی ذلت کی نجاست میں گر جائیگی۔ اے نالائق کیا تو اپنے خط میں سرور انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کو زنا کی تہمت لگاتا ہے۔ اور فاسق و فاجر قرار دیتا ہے۔ اور ہمارا دل دکھاتا ہے۔ ہم کسی عدالت کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ اور نہ کرینگے۔ مگر آئندہ کے لئے سمجھاتے ہیں۔ کہ ایسی ناپاک باتوں سے باز آجاؤ۔ اور خدا سے ڈرو جس کی طرف پھرنا ہے۔ اور حضرت مسیح کو بھی گالیاں مت دو۔ یقیناً جو کچھ تم جناب مقدس نبوی کی نسبت برا کہو گے۔ وہی تمہارے فرضی مسیح کو کہا جائے گا" (نور القرآن نمبر ۲ صفحہ ۱۲)

پھر فرماتے ہیں:-

"ہم نے اپنے کلام میں ہر جگہ عیسائیوں کا فرضی مسیح مراد لیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کا ایک عاجز بندہ عیسےٰ بن مریم جو نبی تھا۔ جس کا ذکر قرآن میں ہے۔ وہ ہمارے درشت مخاطبات میں ہرگز مراد نہیں۔ اور یہ طریق ہم نے برابر چالیس برس تک پادری صاحبوں کی گالیاں سنکر اختیار کیا ہے۔ .... آئندہ جو پادری صاحب گالی دینے کے طریق کو چھوڑ کر ادب سے کلام کرینگے۔ ہم بھی ان کے ساتھ ادب سے پیش آئینگے۔ اب تو وہ اپنے یسوع پر آپ حملہ کر رہے ہیں۔ کہ کسی سب و شتم سے باز نہیں آتے۔ ہم سنتے سنتے تھک گئے۔ اگر کوئی کسی کے باپ کو گالی دے۔ تو کیا اس مظلوم کا حق نہیں ہے۔ کہ اس کے باپ کو بھی گالی دے۔ اور ہم نے جو کچھ کیا۔ واقعی کیا۔ وانما الاعمال بالنیّات" (تبلیغ رسالت جلد چہارم صفحہ ۶۵ و ۶۶)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یسوع مسیح کی نسبت جو کچھ لکھا۔ اناجیل وغیرہ کے بیانات کی بناء پر عیسائی مسلمات کے مطابق لکھا۔ اور اس وقت لکھا۔ جبکہ عیسائیوں نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نہایت ناپاک الفاظ استعمال کرنے شروع کئے۔ اور آپ پر بے باکانہ اتہامات اور الزامات تراشے۔ پس آپ کا یہ فعل محل اعتراض نہیں۔ بلکہ اسلام کی ایک خدمت ہے۔

اسلام کی شاندار فتح

انہی مدافعانہ حملوں کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ آج پادری رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت کوئی ناپاک لفظ اپنی زبان سے نکالنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں۔ کہ دنیا انجیلی یسوع کی حقیقت سے آگاہ ہو چکی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسلام کی اس عظیم الشان فتح کا جو آپ کے ذریعہ ہوئی "حقیقۃ الوحی" میں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:- "اب کوئی پادری تو میرے سامنے لاؤ۔ جو یہ کہتا ہو۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی پیشگوئی نہیں کی۔ یاد رکھو۔ کہ وہ زمانہ مجھ سے پہلے ہی گذر گیا۔ اب وہ زمانہ آگیا۔ جس میں خدا یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ کہ وہ رسول محمد عربی جس کو گالیاں دی گئیں۔ جس کے نام کی بے عزتی کی گئی۔ جس کی تکذیب میں بدقسمت پادریوں نے کئی لاکھ کتابیں اس زمانہ میں لکھ کر شائع کر دیں۔ وہی سچا اور سچوں کا سردار ہے۔ اس کے قبول میں حد سے زیادہ انکار کیا گیا۔ مگر آخر اسی رسول کو تاج عزت پہنایا گیا۔ اس کے غلاموں اور خادموں میں سے ایک میں ہوں۔ جس سے خدا مکالمہ مخاطبہ کرتا ہے۔ اور جس پر خدا کے غیبوں اور نشانوں کا دروازہ کھولا گیا ہے۔ اے نادانو۔ تم کفر کہو یا کچھ کہو۔ تمہاری تکفیر کی اس شخص کو کیا پروا ہے۔ جو خدا کے حکم کے موافق دین کی خدمت میں مشغول ہے اور اپنے پر خدا کی عنایات کو بارش کی طرح دیکھتا ہے۔ وہ خدا جو مریم کے بیٹے کے دل پر بھی اترا تھا۔ وہی میرے دل پر اترا ہے۔ مگر اپنی تجلی میں اس سے زیادہ۔ وہ بھی بشر تھا۔ اور میں بھی بشر ہوں" (صفحہ ۲۷۴)

علماء اہلسنت کا الزامی رنگ میں جواب دینا

سید حبیب کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مخالفین اسلام کو الزامی رنگ میں جواب دینا کوئی نئی بات نہیں۔ بلکہ علماء اہل السنت والجماعت میں سے بعض بزرگ اس طریق کو اختیار کر چکے ہیں۔ چنانچہ مولانا سید آل حسن صاحب مرحوم جو شہرۂ آفاق مناظر گذرے ہیں۔ اپنی کتاب "استفسار" میں عیسوی معتقدات پر بحث

کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

۱۔"حضرت عیسےٰ نے کونسا مرتبہ درشت گوئی کا اٹھا رکھا۔ جو یہودیوں کے خطاب میں ان کی کفریات پر نہیں کیا۔" صا۱۷

۲۔"حضرت عیسےٰ کا معجزہ احیاء میت کا بعضے بھان متی کرتے پھرتے ہیں۔ کہ ایک آدمی کا سر کاٹ ڈالا۔ بعد اس کے سب کے سامنے دھڑ سے ملا کر کہا۔ کہ اٹھ کھڑا ہو۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔" (ص۳۳۶)

۳۔"اشعیا اور ارمیا اور عیسےٰ علیہم السّلام کی سی غیب گوئیاں قواعد نجوم اور رمل سے بخوبی نکل سکتی ہیں۔ بلکہ اس سے بہتر۔" (ص۳۳۶)

۴۔"کلیۃً یہ بات ہے۔ کہ اکثر پیشگوئیاں انبیاء بنی اسرائیل اور حواریوں کی ایسی ہی ہیں جیسے خواب اور مجذوبوں کی بڑ۔" (ص۱۳۳)

۵۔"یسوع نے کہا۔ کہ لومڑیوں کے لئے گھر ہیں۔ اور پرندوں کے لئے بسیرے ہیں پر میرے لئے کہیں سر رکھنے کی جگہ نہیں۔ دیکھو یہ شاعرانہ مبالغہ ہے۔ اور صریح دنیا کی تنگی سے شکایت کرنا کہ اقبح ترین ہے۔" (ص۳۴۹)

۶۔"حضرت عیسےٰ ایک انجیر کے درخت پر صرف اس جہت سے کہ اس میں پھل نہ تھا۔ خفا ہوئے۔ پس جمادات پر خفا ہونا عقلاً کمال جہالت کی بات ہے۔" (ص۱۷۱)

۷۔"حضرت عیسےٰ نے یہودیوں کو حد سے زیادہ جو گالیاں دیں۔ تو ظلم کیا۔" (ص۱۹۱)

۸۔"تربیت حضرت عیسےٰ کی از روئے حکمت کے بہت ہی ناقص ٹھہری۔" (ص۱۰۷)

۹۔"یہ مضمون باواز بلند پکارتا ہے۔ کہ یہاں سے محمد رسول اللہ مراد ہیں۔ جن کے حق میں فرمایا۔ واللہ یعصمك من الناس نہ کہ عیسےٰ ابن مریم کہ آخر درماندہ ہو کر دنیا سے انہوں نے وفات پائی۔" (ص۳۲)

۱۰۔"ان (پادری صاحبان) کا اصل دین وایمان آکر یہ ٹھہرا ہے۔ کہ خدا مریم کے رحم میں جنین بن کر خون حیض کا کئی مہینے کھاتا رہا۔ اور علقہ سے مضغہ بنا۔ اور مضغے سے گوشت اور اس میں ہڈیاں بنیں۔ بعد اس کے مخرج معلوم سے نکلا۔ اور ہگتا موتتا یہاں تک کہ جوان ہو کر اپنے بندے یحیٰ کا مرید ہوا۔ اور آخر کار ملعون ہو کر تین دن دوزخ میں رہا۔" (ص۳۵۰ و ۳۵۱)

۱۱۔"انجیل اول کے باب یازدہم کے درس نوزدہم میں لکھا ہے۔ کہ بڑے کھاؤ۔ اور بڑے شرابی تھے۔" (ص۳۵۳)

۱۲۔"یہودی لوگ کہتے ہیں۔ کہ ہم میں سے جو لوگ توریت کے عالم تھے۔ انہوں نے تو حضرت عیسےٰ سے کوئی معجزہ دیکھا نہیں۔ اور چند چھوکروں اور ملاحوں احمقوں کا کیا اعتبار۔ عوام الناس تو ذرے سے شعبدہ میں آجاتے ہیں۔" (ص۱۷۲)

مولانا رحمت اللہ صاحب کا طریق مدافعت

اسی طرح مولانا رحمت اللہ صاحب مرحوم مہاجر مکی جنہوں نے رد نصاریٰ میں بہت بڑا کام کیا۔ ہندوستان کے علاوہ ٹرکی اور عرب میں بھی جن کا بڑا شہرہ رہا۔ جنہوں نے پادری فنڈر جیسے مشہور عیسائی مناظر کو شکست فاش دی۔ اور جنہیں دیوبندی علماء بھی اپنا مقتداء ورہنما اور شیخ الہند اور شیخ الاسلام مانتے ہیں۔ اپنی کتاب ازالۃ الاوہام میں الزامی رنگ میں اس قسم کی کئی باتیں لکھ چکے ہیں۔ جن میں سے صرف چند پیش کیجاتی ہیں لکھتے ہیں:-

"ہمراہ جناب مسیح بسیار زناں ہمراہ مے گشتند و مال خود مے خورانیدند و زنان فاحشہ پایہا آنجناب را مے بوسیدند و آنجناب مرتا و مریم را دوست مے داشت و خود شراب برائے نوشیدن دیگر کساں عطا مے فرمودند۔" (ص۳۷)

"زہے پاکیزگی فرزندان یعقوب علیہ السّلام کہ فرزند کلاں بکنیزک پدر ہمبستر شدند و فرزند دوم زوجۂ پسر را در آغوش کرد گو دو یمی وقت زنا کہ بقصد بود نہ دانست۔ کہ زوجۂ پسر من است وقبل از اطلاع ایں معنی کہ او حاملہ از من ست حکم سوختن آں فرمودند و بعد اطلاع ایں معنی اقرار نیکوکار بودنش فرمودند و یعقوب علیہ السلام سزا را چہ ذکر ملامت و زجر ہم بصاحبزادہ والا تبار و آں زن نیکوکار نہ کردند و در اولاد ہمیں فارض کہ از شکم تامار نیکو شعار بر آمد داؤد و سلیمان و مسیح اند۔" (ص۳۵)

"ازیں صاف ظاہر شد کہ مسیح را قدرت اظہار معجزہ نبود۔" (ص۲۹۱)

"جناب مسیح ہم بہ نسبت درخت انجیر مغلوب الغضب و بے صبر شدہ بر آں درخت کہ ہیچک قصور او نبود بد دعا فرمودند حالانکہ اشجار و احجار قابلیت آں ندارند۔ کہ غضب و قہر را بر آں بکار بردہ شود و مناسب منصب نبود آں بود کہ دعا کردندے

کہما نوقت باز آورند وہمیشہ سرسبز وبارور مانند ــ دد ۔گر آزا از و منفعت حاصل شد ـ "
(صفحہ ۱۸۶)

ان عبارات میں مولوی رحمت اللہ صاحب مرحوم نے بائبل کے حوالہ جات کے رُو سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے کے متعلق بتایا ۔ کہ اس نے اپنے باپ کی کنیز سے جو ماں کی طرح تھی ۔ اور ان کے دوسرے بیٹے نے اپنی بہو تامار سے جو اس کے لئے بیٹی کی طرح تھی ۔ زنا کیا ۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو سزا دینا تو در کنار زجر تک نہ کیا ۔ پھر تامار سے زنا کرنے والے نے اس بات سے ناواقف ہونے کی حالت میں ۔ کہ یہ مجھ سے حاملہ ہے ۔ اس کو جلا دینے کا حکم دیا ۔ مگر یہ معلوم ہونے کے بعد کہ اس کو تو مجھ سے حمل ہے ۔ نیکوکار اور خوش اطوار بتایا ۔ آخر اس سے فارض پیدا ہوا ۔ جس کی نسل سے حضرت داؤد حضرت سلیمان اور حضرت مسیح علیہم السلام نعوذ باللہ عالم وجود میں آئے ۔

پھر یہ بھی لکھا ہے ۔ کہ حضرت مسیح بدچلن عورتوں کو اپنے ساتھ رکھتے ۔ جو اپنا مال آپ کو کھلاتیں اور آپ کے پاؤں پر بوسے دیتیں ۔ مرتا و مریم کو جو اس زمانہ کی بدکار عورتیں تھیں ۔ بہت محبوب رکھتے ۔ اور خود ساقی بن کر دوسروں کو شراب پلاتے ۔ اور جب معجزات کا مطالبہ کیا جاتا ۔ تو ان کے دکھانے پر قدرت نہ رکھتے ۔ اسی طرح یہ بھی لکھا ـــ کہ حضرت مسیح نے بلاوجہ مغلوب الغضب ہو کر ایک انجیر کے درخت پر لعنت کی ۔ حالانکہ اس کا کوئی قصور نہ تھا بتایا جاتا ـ کہ کیا یہ توہین آمیز کلمات نہیں ۔ پھر کیا جن بزرگوں نے یہ باتیں لکھیں انہیں بھی مورد اعتراض بنایا جائیگا ؟

الزامی جواب دینے کی وجہ

حقیقت یہ ہے ۔ کہ یہ تمام کلمات عیسائیوں کو نازم اور انہیں لاجواب کرنے کے لئے کہے گئے ۔ چنانچہ مولوی رحمت اللہ صاحب خود تحریر فرماتے ہیں :-

"ادب تقاضا نمیکرد کہ بر پیشگوئی جناب مسیح حرفے بر زبان قلم آید ۔ مگر چونکہ علمائے مسیحیہ پیشگوئیہا جناب سید الانس والجان چشم انصاف بستہ با عتراض پیش مے آیند ۔ بدیں جہت بطور الزام و محض برائے آگاہی ایں فرقہ بر پیشگوئیہا مندرجہ عہد جدید حرف آشنائے زبانِ قلم مے گردد تا ایں فرقہ را اطلاع شود کہ مخالفت را بحسب رائے خود اگر انصاف چشم بندد ۔ براہیت وسیع ـ " (ازالۃ الاوہام صفحہ ۳۴۸)

یہی وجہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی بیان فرمائی ۔ چنانچہ لکھتے ہیں :-

"ہمیں حضرت مسیح علیہ السلام کی شانِ مقدس کا بہرحال لحاظ ہے ۔ اور صرف پادری فتح مسیح کے سخت الفاظ کے عوض ایک فرضی مسیح کا بالمقابل ذکر کیا گیا ہے ۔ اور وہ بھی سخت مجبوری سے ۔ کیونکہ اس نادان نے بہت ہی شدت سے گالیاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نکالی ہیں ۔ اور ہمارا دل دکھایا ہے ۔" (رسالہ فتح مسیح صفحہ ۱)

حضرت مسیح موعود کے علم کلام کا تتبع

موجودہ زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس طرز خطاب اور طریق کلام پر اگرچہ مخالفین احمدیت نے اعتراض کیا ہے ۔ مگر ہم دیکھتے ہیں ۔ جب انہیں خود عیسوی معتقدات پر بحث کرنی پڑتی ہے ۔ تو مجبوراً وہی راہ اختیار کرنی پڑتی ہے ۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اختیار کی ۔ اس کے ثبوت میں پہلے مولوی ثناء اللہ صاحب اور انکے اخبار "اہلحدیث" کو پیش کیا جاتا ہے ۔

مولوی ثناء اللہ صاحب اپنی تفسیر ثنائی میں لکھتے ہیں " تورات اور انجیل کو مسودہ سے تشبیہ اس کی حالت موجودہ کے لحاظ سے ہے ۔ جس میں ایسے مضامین بھی ہیں ۔ کہ حضرت لوط نے (معاذ اللہ) شراب پیکر اپنی لڑکیوں سے زنا کیا (پیدائش باب ۱۹) مسیح نے شراب کی دعوت میں شراب کے کم ہونے پر معجزہ سے شراب کو بڑھا دیا (یوحنا ۲) ورنہ حقیقی تورات انجیل نور ہدایت اور رحمت تھی ۔" (تفسیر ثنائی جلد ۲ صفحہ ۱)

اخبار "اہلحدیث" لکھتا ہے :-

"حضرت عیسٰے نے شادی نہیں کی ۔ اور نہ جہاد کیا ۔ نہ متاہلانہ زندگی گذاری ۔ تو ان کی سیرت بھی مکمل سیرت کہے جانے کی مستحق نہیں ۔" (۲۸ ستمبر ۱۹۳۱ء)

"عیسائی مبلغین خواہ کتنا ہی زور ایڑی سے چوٹی تک مسیح کی معصومیت ثابت کرنے پر کیوں نہ لگائیں ۔ ہرگز مریم اور اس کا لڑکا مسیح اس آلائش سے محفوظ نہیں رہ سکتے ۔ ... ... خود جناب مسیح نے فقیہوں اور فریسیوں کو احمق کے لفظ سے خطاب کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہوا ۔ کہ مسیح بھی اس گناہ عظیم کے مرتکب ہوئے ۔ علاوہ ازیں انجیل میں مرقوم ہے ۔ کہ جناب مسیح اور ان کے شاگردوں کی کسی جگہ دعوت ہوئی تھی ۔ عجب اتفاق کہ اس جلسہ میں شراب نوشی بھی جاری تھی ۔ اچانک شراب ختم ہو گئی ۔ تو مسیح نے اپنے شاگردوں

کو فرمایا۔ کہ ان چھ مٹکوں میں پانی بھردو۔ انہوں نے ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مٹکوں میں لبالب پانی بھر دیا۔ اور جناب مسیح نے اس کی شراب بنائی۔ پس یہ امر بھی گناہ سے خالی نہیں۔ باوجود ان تمام امور کے ہم کسی صورت سے یہ کہنے کے لئے تیار نہیں۔ کہ مسیح معصوم یعنی گناہوں سے بالکل پاک اور مبرا تھا۔ یہ سب مذکورہ بالا واقعات ہم کو بتاتے ہیں۔ کہ مسیح کی معصومیت کا دعوےٰ کرنا غلط ہے۔" (۲۹ر نومبر ۲۹ء صہ۱۰)

"یسوع مسیح میں عملی تشدد بے شک نہ تھا۔ لیکن ارادہ میں تشدد تھا۔ چنانچہ انہوں نے کہدیا تھا۔ کہ مت سمجھو۔ کہ میں صلح کرانے آیا ہوں۔ بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں۔ (متی ۱۰/۳۴) اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ برمحل تشدد بلکہ تجبر کرنے کا بھی مسیح ارادہ رکھتے تھے۔ ہاں موقعے کے منتظر تھے۔ جو مشیت الہیہ سے نہ ملا۔" (۶ر جون ۳۰ء صہ۱۳)

اس کے علاوہ مولوی احمد دین صاحب ساکن گکھڑاں جو غیر احمدی علماء میں سے ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب "تقدیس سید الابرار عن مطاعن الزنادقۃ والکفار" نامی کسی عیسائی کی کتاب "سیرت المسیح والمحمد" کے جواب میں ۲۹ء میں لکھکر شائع کی۔ جس میں انہوں نے مجبور ہو کر اسی طریق پر قدم رکھا جس پر آج سے چالیس سال پہلے خدا کے پیارے مسیح نے قدم رکھا تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"مسیح بھی اس الہامی حکم کے ماتحت گنہگار ٹھہرا۔ ایسے شخص کی پیروی سے گنہگار انسان کو نجات کب حاصل ہو سکتی ہے۔ جو خود گنہگار اور لعنتی تھا۔" صہ۱۳

"طرفہ یہ کہ مسیح نے کبھی خدا سے نیک ہونے کی بھی دعا نہیں کی۔ شائد اس لئے نہ کرتے ہونگے۔ کہ ان کی دعا قبول نہیں ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ سولی پر چڑھکر اس نے چلا چلا کر خدا کو پکارا۔ ایلی ایلی لما سبقتنی (یعنی اے میرے خدا۔ اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا) متی ۲۷/۴۶۔ آخر خدا نے بیقراری کے وقت اس کی نہ سنی۔ جزع فزع کرتا ہوا ہی مرگیا۔" صہ۱۴

"کیا بیگانی عورتوں کے مال سے ناحق بمعہ شاگردوں کے فائدہ اٹھانا حرص دنیاوی اور نفسانی خواہش کو پورا کرنیکے واسطے ان کے مال کا نقصان کرنا دنیادار کا کام نہیں ہے۔ یقیناً ہے ترکِ دنیا کے بھیس میں بیگانی عورتوں کے مال سے گذارہ کرتے رہے۔" صہ۲۳

"اب بتائیے بدچلن عورت سے آنسوؤں کے ساتھ پاؤں دھلانا اور علانیہ شوق محبت کا اقرار کرنا صاف عشق اور شہوت پرستی اور نفسانیت نہیں ہے۔" صہ۲۷

"دیکھو یسوع مسیح کا حال جس کے دل میں شیطان کے فریب نے ایسا اثر کیا۔ کہ وہ جہاں چاہتا مسیح کو لے جاتا۔ دیکھو متی ۴ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگر مسیح شیطان کا فریب نہ کھاتا۔ تو وہ اس کے ساتھ ہی نہ جاتا۔" صہ۳۹

"اس بیان سے مسیح کے اپنے بھائیوں کو فریب دینے اور عہد شکنی کی تصریح ہوگئی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لہٰذا اس سے فریب ثابت ہوگیا۔ پس یاد رہے۔ کہ کسی کو فریب دینا بہ نسبت فریب کھانے کے زیادہ برا ہے۔" صہ۴۱

"موجودہ انجیل سے تو سچ مچ یہودی حضرت مسیح کو جھوٹا ثابت کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں" صہ۴۲

"انجیل میں مسیح کی اکثر پیشگوئیاں واقعہ میں پوری نہیں ہوئیں۔ لہٰذا مسیح سچا نہیں ہے" صہ۴۴

"معترض کو یاد رہے۔ کہ مروجہ انجیل ثابت کرتی ہے۔ کہ حضرت مسیح کو خدا کہلانے کا بڑا شوق تھا۔" (صہ۴۵)

"اپنی خدائی ثابت کرنے کے لئے اگلے رسولوں پر جھوٹ باندھا۔" (صہ۴۵)

"یہ مسیح کی بے صبری کا ایک صریح ثبوت ہے۔" (صہ۴۶)

"معترض نے رسول صلعم پر تو جھوٹا بہتان لگا دیا۔ اور حضرت داؤد کے فعل پر نظر نہ کی جنہوں نے اوریا کی عورت سے زنا کیا۔ اور اس کو فریب سے جنگ میں بھیجکر قتل بھی کروا دیا۔" (صہ۳۱)

عیسائیوں پر اتمام حجت

غرض یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ الزامی رنگ میں عیسائیوں کو جواب دینا اور معترض پادریوں کا منہ بند کرنے کے لئے ان کے انجیلی یسوع کی شخصیت کو بے نقاب کرنا مدافعانہ رنگ میں ہرگز قابل اعتراض نہیں۔ بلکہ اسلام کی ایک خدمت ہے۔ ایسی خدمت جس سے پہلے بزرگوں نے بھی کام لیا۔ اور جس کو بادلِ ناخواستہ مخالفین احمدیت بھی آج اختیار کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ مولوی احمد دین صاحب نے "تقدیس سید الابرار" میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تتبع میں یہی لکھا ہے۔ کہ

"ناظرین اس بات کا ضرور خیال رکھیں۔ کہ ہم حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو بھی برحق نبی مانتے ہیں۔ ان کی عزت بھی دوسرے رسولوں کی طرح کرتے ہیں۔ ان کی توہین یا کسی اور نبی کی توہین صریح کفر جانتے ہیں۔ پس ہم جو اعتراضات کے جواب میں الزاماً سیرت مسیح درج کرینگے۔ وہ ہمارا عقیدہ ہرگز خیال نہ فرمائیں۔ کیونکہ ہم الزاماً جواب موجودہ انجیل سے دینگے۔" (صہ۱۲)

"وہابیوں کا خدا بے اعتبار۔ جھوٹا۔ محدود۔ عیب و نقائص سے پُر۔ بھولنے والا۔ سونا اونگھنا۔ غافل رہنا حتےٰ کہ مرجانا سب کچھ اس کے لئے ممکن ہے۔ کھانا۔ پینا۔ پیشاب کرنا۔ پاخانہ پھرنا۔ ناچنا۔ تھرکنا۔ نٹ کی طرح کھیلنا۔ عورتوں سے جماع کرنا۔ کوئی خباثت و فضیحت اس کی شان کے خلاف نہیں۔ ظالم ہے۔ زانی ہے وغیرہ وغیرہ" (جلد اول ص۲۴۵)

پھر لکھا ہے: "دیوبندیوں کا خدا۔ وہابیوں کا خدا ہے۔ مگر اس میں زیادہ یہ بھی بات ہے کہ چور ہے۔ ظالم ہے۔ جاہل ہے۔ وغیرہ وغیرہ" (ص۲۴۶)

اسی طرح اخبار "اہلحدیث" امرتسر آریوں کے "پرمیشور" کے متعلق ایک جگہ لکھتا ہے۔

"کہیں پرمیشور عورت بن کے بات کرتا ہے۔ کہیں مرد بن کے کلام کرتا ہے۔ کہیں کچھ بنتا ہے۔ کہیں کچھ بنتا ہے" (۱۲ مارچ ۱۹۳۰ء ص۱۱)

"امید قوی ہے۔ کہ آریہ صاحبان اس پر غور کر کے پرمیشور کے دامن کے دھبہ کو جو اس نے اس معاملہ میں ناانصافی کی ہے۔ صاف کر دینگے" (۲۸ فروری ۱۹۳۰ء ص۱۹)

"سونے والے ایشور نے اس پر کوئی روشنی نہیں ڈالی۔ جب ایشور نہ بتلا سکا۔ تو آریہ سماجی بیچارے کیا بتلائینگے" (۱۱ اپریل ۱۹۳۰ء ص۱)

"کیا آریوں کا پرمیشور عضو معطل ہے۔ جس کو کوئی اختیار ہی نہیں۔ دیکھو آریہ صاحبان کہ تمہارے منوجی اور دیانندجی نے پرمیشور کو کیسا عضو معطل قرار دیا ہے" (۲۸ فروری ۱۹۳۰ء ص۱۴)

مسلماتِ خصم کے مطابق الزامی رنگ میں گفتگو

اب کیا کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ حضرت علی دو ہیں۔ یا خدا ایک نہیں بلکہ کئی ہیں۔ کوئی وہابیوں کا خدا ہے۔ اور کوئی آریوں کا؟ جب نہیں۔ تو یہی کہنا پڑے گا۔ کہ ان عبارات میں مسلمات خصم کی بناء پر الزامی رنگ میں گفتگو کی گئی ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی یسوع مسیح کی شخصیت پر روشنی ڈالی اور عیسائیوں کو ان کا گھر دکھایا۔ اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ آپ نے نعوذ باللہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی توہین کی۔ اور اگر مخالف اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔ تو وہ اپنی تفسیروں کو دیکھیں۔ جن میں صاف اور کھلے الفاظ میں انبیاء علیہم السلام پر ایسے ناپاک الزامات لگائے گئے ہیں۔ جنہیں کوئی سمجھدار انسان ایک سیکنڈ کے لئے بھی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ اگر توہین انبیا پر شور مچانا ہے تو ان تفاسیر پر شور مچاؤ۔ نہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کسی ایسی تحریر پر جس

اپنے معتقدات کو ظاہر نہیں فرمایا۔ بلکہ انجیلی حوالجات کے رُو سے یسوع مسیح کی حقیقت ظاہر کی ہے۔ اگر اس پر بھی کوئی شخص شیوۂ تسلیم و رضا اختیار کرنے کے لئے تیار نہیں۔ تو وہ سن لے کہ خدا کا مسیح کہہ چکا:-

"اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ باوجود ہزارہا نشانوں کے جو خدا نے میرے لئے دکھلائے پھر بھی سخت تکذیب کا نشانہ بنایا گیا ہوں۔ اور میری کتابوں کے یہودیوں کی طرح سے معنے محرف مبدل کر کے اور بہت کچھ اپنی طرف سے ملا کر میرے پر صدہا اعتراض کئے گئے ہیں۔ کہ گویا میں ایک مستقل نبوت کا دعوےٰ کرتا ہوں۔ اور قرآن کو چھوڑتا ہوں۔ اور گویا میں خدا کے نبیوں کو گالیاں نکالتا ہوں۔ اور توہین کرتا ہوں۔ اور گویا میں معجزات کا منکر ہوں سو میری یہ تمام شکایت خدا تعالےٰ کی جناب میں ہے۔ اور میں یقیناً جانتا ہوں۔ کہ وہ اپنے فضل سے میرے حق میں فیصلہ کرے گا۔ کیونکہ میں مظلوم ہوں" (چشمۂ معرفت ص۲۱۶)

یسوع مسیح کا شراب پینا

سید حبیب نے اپنے اس محولہ بالا اعتراض کی تائید میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دو تحریرات بھی اپنی کتاب میں درج کی ہیں۔ جن میں سے پہلی یہ ہے۔ کہ

"یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب نے نقصان پہونچایا ہے۔ اس کا سبب تو یہ تھا۔ کہ عیسےٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے۔ شاید کسی پرانی بیماری کی وجہ سے یا پرانی عادت کی وجہ سے۔ مگر اے مسلمانو! تمہارے نبی علیہ السلام تو ہر ایک نشہ سے پاک اور معصوم تھے جیسا کہ وہ فی الحقیقت معصوم ہیں۔ تم مسلمان کہلا کر کس کی پیروی کرتے ہو۔ قرآن انجیل کی طرح شراب کو حلال نہیں ٹھہراتا۔ پس تم کس دستاویز سے شراب کو حلال ٹھہراتے ہو۔ کیا مرنا نہیں ہے" (کشتی نوح حاشیہ ص۶۵)

اس پر سید حبیب کی طرف سے رائے زنی بجز "معاذ اللہ" لکھنے کے اور کچھ نہیں کی گئی۔

اس اعتراض کا تفصیلی جواب اگرچہ اوراق ماسبق میں گذر چکا ہے۔ مگر پھر بھی یہ بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس عبارت سے توہین مسیح مراد لینا عقل و سمجھ کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ کوئی توہین کرنے والا شخص "علیہ السلام" کہکر توہین نہیں کیا کرتا۔ پس حضرت مسیح موعودؑ کا عیسےٰ کے ساتھ علیہ السلام کہنا صاف بتاتا ہے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی مقدس شخصیت تو مسلم ہے۔ البتہ اعتراض اس غلط تصور کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ جو عیسائی پیش

کرتے ہیں۔ اس کا مزید ثبوت یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کتاب یعنی کشتی نوح میں قرآن و انجیل کی تعلیم کا مقابلہ کیا ہے۔ اور عیسائیوں کو بتایا ہے۔ کہ قرآن مجید کی تعلیم انجیل کی تعلیم سے بہر صورت اعلیٰ اور فائق ہے۔ اسی بناء پر یہاں بتایا گیا ہے۔ کہ یورپ والے اگر شراب پیتے ہیں۔ تو ان کی یہ دلیل ہے۔ کہ عیسےٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے۔ مگر اے مسلمانو۔ تم کس دلیل سے شراب کو اپنے لئے جائز سمجھتے ہو۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسیح ناصری کی شراب نوشی کی بنیاد انجیل کی تعلیم پر رکھی جیسا کہ فرمایا:۔ "قرآن انجیل کی طرح شراب کو حلال نہیں ٹھہراتا پس تم کس دستاویز سے شراب کو حلال ٹھہراتے ہو۔" غرض شراب نوشی جس "عیسےٰ" کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ وہ بھی انجیل کا یسوع ہے۔

دو فیصلہ کن حوالے

اس کے ثبوت میں دو حوالجات اور بھی پیش کئے جاتے ہیں:۔

"نسیم دعوت" میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام عیسائیوں کی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں "عیسائی صاحبوں کی تعلیم کو اس جگہ مفصل لکھنے کی ضرورت نہیں۔ خون مسیح اور کفارہ کا ایک ایسا مسئلہ ہے۔ جس نے ان کو نہ صرف تمام مجاہدات اور ریاضات سے فارغ کر دیا ہے۔ بلکہ اکثر دلوں کو گناہوں کے ارتکاب پر ایک دلیری بھی پیدا ہو گئی ہے۔ کیونکہ جبکہ عیسائی صاحبوں کے ہاتھ میں قطعی طور پر گناہوں کے بخشے جانے کا ایک نسخہ ہے۔ یعنی خون مسیح۔ تو صاف ظاہر ہے۔ کہ اس نسخہ نے قوم میں کیا کیا نتائج پیدا کئے ہونگے۔ اور کس قدر نفس امارہ کو گناہ کرنے کے لئے ایک جرأت پر آمادہ کر دیا ہوگا۔ اس نسخہ نے جس قدر یورپ اور امریکہ کی عملی پاکیزگی کو نقصان پہونچایا ہے۔ میں خیال کرتا ہوں۔ کہ اس کے بیان کرنے کی مجھے ضرورت نہیں۔ بالخصوص جب سے اس نسخہ کی دوسری جز شراب بھی اس کے ساتھ ملحق ہو گئی ہے۔ تب سے تو یہ نسخہ ایک خطرناک اور بھڑکنے والا مادہ بن گیا ہے۔ اس کی تائید میں یہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے۔ ہر ایک سچے عیسائی کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ بھی شراب پیوے۔ اور اپنے مرشد کی پیروی کرے۔" (صفحہ ۶۵)

یہ حوالہ نص صریح اس بات پر ہے۔ کہ کشتی نوح میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو یہ لکھا کہ "عیسےٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے" تو یہ عیسائی مسلمات کی بناء پر لکھا

ہے۔ کیونکہ یہی الفاظ نسیم دعوت میں آپ نے استعمال کئے۔ مگر انہیں عیسائی صاحبوں کی تعلیم کی طرف منسوب کیا۔ اور کہا۔ کہ "اس کی تائید میں یہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے" گویا اپنے اعتقاد کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ عیسائیوں کے اعتقاد کو بیان کیا۔ اور لکھا۔ کہ عیسائی یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ "ہر ایک سچے عیسائی کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ بھی شراب پیوے۔ اور اپنے مرشد کی پیروی کرے۔" پس کشتی نوح کی یہ عبارت بھی عیسائیوں کے مسلمات کی بناء پر لکھی گئی ہے۔ نہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کہیں کسی اپنے عقیدے کا اظہار کیا۔

دوسرا حوالہ بھی بالکل واضح ہے "ست بچن" میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں۔ "یسوع اس لئے اپنے تئیں نیک نہیں کہہ سکا۔ کہ لوگ جانتے تھے۔ کہ یہ شخص شرابی کبابی ہے۔ اور یہ خراب چال چلن نہ خدائی کے بعد بلکہ ابتداء ہی سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ خدائی کا دعوےٰ شراب خوری کا ایک بد نتیجہ ہے۔" (حاشیہ صفحہ ۱۷۲)

اس جگہ خدائی کے دعوے کو شراب خوری کا ایک بد نتیجہ قرار دینا صاف بتلاتا ہے۔ کہ اس یسوع یا عیسےٰ سے جس نے شراب پی۔ وہی شخص مراد ہے۔ جس نے "خدائی کا دعوےٰ" کیا۔ نہ وہ جو نبی اور رسول الیٰ بنی اسرائیل تھا۔ پس اس سے بھی توہین مسیح نہیں ہوئی۔

عیسائی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ یسوع مسیح شراب پیا کرتے تھے

اب ہمیں یہ دیکھنا چاہئے۔ کہ آیا عیسائی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں یا نہیں۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے۔ سو اس کے لئے پادری عماد الدین صاحب کی مندرجہ ذیل عبارت پڑھئے۔ لکھتے ہیں:۔

"اس (یعنی مسیح) کو انہوں نے شرابی کہا۔ کیونکہ مسیح نے شراب بھی پیا ہے۔ کیونکہ اس ملک کا دستور تھا۔ . . . . توریت میں شراب پینا منع نہیں تھا۔ مگر صرف نذری کو منع تھا۔ سب پیغمبروں نے شراب پی ہے۔ اور عیسائیوں کو بھی شراب پینا منع نہیں ہے۔ مگر متوالا ہونا منع ہے۔ اور ٹھوکر کے سبب اور روح سے جدائی کے باعث شراب کی ممانعت ہے۔ پس اگر یہ ممانعت کے وجوہ نہ ہوں۔ تو اجازت ہے۔" (خزانۃ الاسرار تفسیر انجیل متی از پادری عماد الدین مطبوعہ لدھیانہ مشن پریس ۱۸۷۵ء صفحہ ۱۸۷ باب ۱۱۔ آیت ۱۹ سطر ۱۷)

اب تعجب کہ عیسائی تو اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے شراب

پی۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ تمام عیسائیوں کو شراب پینے کی اجازت ہے۔ مگر جب عیسائی مسلمات کی بناء پر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے یہ لکھدیا۔ کہ" عیسےٰ علیہ السّلام شراب پیا کرتے تھے" اور پھر احتیاطی پہلو رکھتے ہوئے عیسائی مسلمات کی بھی یہ توجیہ کردی۔ کہ" شائد کسی پرانی بیماری کی وجہ سے یا پرانی عادت کی وجہ سے" تو عیسائیوں کو غصہ آنے کی بجائے ان نیم عیسائی مسلمانوں کو غصہ آگیا۔ حالانکہ عیسائی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ مسیح نے شراب پی اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ انجیلی تعلیم کے رو سے شراب پینے کی اجازت ہے۔

انجیل کے رُو سے شراب نوشی کی اجازت

چنانچہ پولوس کہتا ہے" آئندہ کو صرف پانی ہی نہ پیا کر۔ بلکہ اپنے معدے اور اکثر کمزور رہنے کی وجہ سے ذرا سی مے بھی کام میں لایا کر" (۱۔ تمطاؤس ۵/۲۳)

پھر حضرت مسیح کا خود شراب پینا متی ۲۶/۲۹ سے ثابت ہے۔ جہاں اپنے حواریوں سے فرماتے ہیں کہ" میں تم سے کہتا ہوں۔ کہ انگور کا یہ شیرہ پھر کبھی نہ پیونگا۔ اس دن تک کہ تمہارے ساتھ اپنے باپ کی بادشاہت میں نیا نہ پیوں" (انگریزی تراجم میں شیرۂ انگور کی بجائے" وائن" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے) اور معجزہ کے طور پر شراب بنانا اور دوسروں کو پلانا۔ یوحنا ۲/۱۱ سے ثابت ہے۔ جو پہلی شراب سے زیادہ عمدہ اور نشہ آور تھی۔ پس جبکہ عیسائیوں کے نزدیک یہ امر مسلم ہے۔ کہ یسوع مسیح شراب پیا کرتے تھے تو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا عیسوی معتقدات کی بناء پر ہی عیسائیوں کے ایک اعتقاد کو دہرا دینا قابل اعتراض امر کیونکر ہو گیا۔

یہ امر بھی یاد رکھنا چاہئے۔ کہ عیسائیوں کے مسلمات کی بناء پر حضرت مسیح کے متعلق یہ کہنا کہ وہ شراب نوشی کیا کرتے تھے۔ کوئی نئی بات نہیں۔ بلکہ علماء اہلسنت والجماعت بھی اس طریق کو اختیار کر چکے ہیں۔ چنانچہ مولوی رحمت اللہ صاحب مرحوم مہاجر مکی نے اپنی کتاب ازالۃ الاوہام میں تحریر فرمایا ہے۔

"جناب مسیح اقرار میفرمایند کہ یحییٰ نہ نان میخورد نہ شراب مے آشامید ند و آنجناب (حضرت مسیح) شراب ہم مے نوشید ند و یحییٰ در بیابان مے ماندند" (صفحہ ۳۴۷)

پھر لکھتے ہیں:۔

"آیا (مسیح و حواریاں) نمے دانستند کہ ریاضت و روزہ محمود است چنانکہ یحییٰ و

شاگردان او بعمل مے آوردند۔ پس چرا دوام ایام خود را بے ریاضتی بسر مے بردند و دائم حریص اکل و شرب شراب بودند" (صفحہ ۳۴۷)

یعنی آیا مسیح اور ان کے حواری یہ نہیں جانتے تھے۔ کہ عبادت اور روزہ اچھی چیز ہے۔ چنانچہ حضرت یحییٰ اور ان کے شاگرد ہمیشہ ان احکام پر عمل کرتے۔ پھر مسیح اور ان کے حواری کیوں بغیر عبادت کے اپنی زندگی بسر کرتے۔ اور ہمیشہ کھانے اور شراب پینے کے حریص رہتے۔

جو جواب ان علماء کی تحریرات کا دیا جا سکتا ہے۔ وہی جواب ہماری طرف سے سیّد حبیب سمجھ لیں۔

یسوع مسیح کا چال چلن

توہین مسیح کے ثبوت میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی دوسری تحریر مکتوبات احمدیہ جلد ۳ صفحہ ۲۳ و ۲۴ سے یہ پیش کی گئی ہے۔ کہ

"مسیح کا چال چلن کیا تھا۔ ایک کھاؤ پیو شرابی۔ نہ زاہد نہ عابد نہ حق کا پرستار متکبر۔ خود بین۔ خدائی کا دعوےٰ کرنے والا"

مگر سیّد حبیب کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ بھی عیسائیوں کو ملزم و ساکت اور لاجواب کرنے کے لئے الزامی رنگ میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے الفاظ کہے ہیں۔ نہ کہ عیسےٰ نبی اللہ کی ہتک کرنے کے لئے۔ چنانچہ اس کا ثبوت یہ ہے۔ کہ یہ عبارت اس خط کی ہے۔ جو آپ نے پادری" فتح مسیح" کو لکھا۔ اس کی ابتداء میں ہی آپ نے تحریر فرما دیا تھا۔

" امید کہ پادری صاحبان اس کو غور سے پڑھیں۔ اور اس کے الفاظ سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ کیونکہ یہ تمام پیرایہ میاں فتح مسیح کے سخت الفاظ اور نہایت ناپاک گالیوں کا نتیجہ ہے۔ تاہم ہمیں حضرت مسیح علیہ السّلام کی شانِ مقدس کا بہرحال لحاظ ہے۔ اور صرف فتح مسیح کے سخت الفاظ کے عوض میں ایک فرضی مسیح کا بالمقابل ذکر کیا گیا ہے۔ اور وہ بھی سخت مجبوری سے کیونکہ اس نادان نے بہت ہی شدت سے گالیاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نکالی ہیں۔ اور ہمارا دل دکھایا ہے" (مکتوبات احمدیہ جلد سوم صفحہ ۱۴۰)

یہ الفاظ اس خط کے ابتداء میں مرقوم ہیں۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے پادری فتح مسیح کو لکھا۔ پھر اس خط کے دوران میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے لکھا۔ کہ مسیح

کا چال چلن کیا تھا۔ ایک کھاؤ۔ پیو۔ شرابی۔ نہ زاہد نہ عابد نہ حق کا پرستار۔ متکبر خود بین خدائی کا دعوےٰ کرنے والا۔" پس آپ کے فرمودہ کے مطابق یہ الفاظ مسیح ناصری کے متعلق نہیں ہیں۔ بلکہ اس فرضی مسیح کے متعلق ہیں۔ جسے عیسائی پیش کرتے ہیں۔ اور جسے "خدائی کا دعوےٰ کرنے والا" قرار دیتے ہیں۔

"مسیح" سے مراد "فرضی مسیح" ہے

سید حبیب اگر کسی لفظ کی آڑ لے سکتے۔ اور یہ کہہ سکتے تھے۔ کہ یہ الفاظ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے ہی متعلق ہیں۔ تو وہ لفظ "مسیح" ہے۔ اور اگرچہ اس کے بعد "خدائی کا دعوےٰ کرنے والا" کے الفاظ صاف تبلا دیتے ہیں۔ کہ عیسےٰ نبی اللہ ان الفاظ سے مراد نہیں۔ بلکہ وہی یسوع مراد ہے جس کے متعلق عیسائی کہتے ہیں۔ کہ اس نے خدائی کا دعوےٰ کیا۔ مگر پھر بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس شبہ کا ازالہ کر دیا۔ اور صاف صاف فرما دیا۔ کہ "مسیح" سے مراد فرضی مسیح ہے نہ کہ حقیقی۔ چنانچہ اس خط میں بھی لکھا۔ کہ:۔

"صرف فتح مسیح کے سخت الفاظ کے عوض میں ایک فرضی مسیح کا بالمقابل ذکر کیا گیا ہے۔" (مکتوبات احمدیہ جلد ۳ صـ۱۴)

پھر لکھتے ہیں:۔

"یقیناً جو کچھ تم جناب مقدس نبوی کی نسبت بُرا کہو گے۔ وہی تمہارے فرضی مسیح کو کہا جائے گا۔" (نور القرآن ۲ صـ۱۳)

اسی طرح لکھتے ہیں:۔

"ہم نے اپنے کلام میں ہر جگہ عیسائیوں کا فرضی مسیح مراد لیا ہے۔ اور خدا تعالےٰ کا ایک عاجز بندہ عیسےٰ بن مریم جو نبی تھا۔ جس کا ذکر قرآن میں ہے۔ وہ ہمارے درشت مخاطبات میں ہرگز مراد نہیں۔" (تبلیغ رسالت جلد چہارم صـ۶۵ و ۶۶)

کھاؤ پیو کہنا نادان یہودیوں کے اعتراضات ہیں

اس اصولی جواب کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک جامع تحریر اس اعتراض کا نہایت عمدگی سے رد کر دیتی ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت مسیح کو خدا تعالےٰ نے ایک ایسا طرابی تعلیم عطا کیا تھا جس سے بدبخت یہودی یہ خیال کرتے تھے۔ کہ وہ توریت کو چھوڑتا ہے۔ اور الحاد کی راہ سے اس کے

معنے اور کرتا ہے۔ اور یہ کہتے تھے۔ کہ اس شخص میں تقوےٰ اور پرہیزگاری نہیں۔ کھاؤ پیو اور شرابیوں اور بدچلنوں کے ساتھ کھاتا پیتا اور ان سے اختلاط کرتا ہے۔ اور اجنبی عورتوں سے باتیں کرتا ہے۔ چنانچہ نادان یہودیوں کے یہ اعتراضات آج تک ہیں۔" (تریاق القلوب حاشیہ در حاشیہ صـ۱۴۲ و ۱۴۳ مطبوعہ ۱۸۹۹ء)

اس تحریر سے یہ ثابت ہے۔ کہ مسیح ناصری کے متعلق یہ کہنا کہ وہ کھاؤ پیو اور شرابی ہے "بدبخت" اور "نادان" یہودیوں کے اعتراضات ہیں۔ جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عیسائیوں پر حجت قائم کرنے کے لئے نقل کر دیا۔ ورنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود اس کے قائل نہ تھے۔ بلکہ آپ تو فرماتے ہیں:۔

"جب ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم دنیا میں آئے۔ اور خدا تعالےٰ کی طرف سے مبعوث ہوئے۔ تو آپ نے حضرت مسیح کا دامن ہر ایک الزام سے پاک کر دکھلایا۔" (تریاق القلوب ؍)

پھر فرماتے ہیں:۔

"ایک شریر یہودی اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔ کہ ایک مرتبہ ایک بیگانہ عورت پر آپ (یعنی مسیح ناصری) عاشق ہو گئے تھے۔ لیکن جو بات دشمن کے منہ سے نکلے وہ قابل اعتبار نہیں۔ آپ خدا کے مقبول اور پیارے تھے۔ خبیث ہیں وہ لوگ جو آپ پر یہ تہمتیں لگاتے ہیں۔" (اعجاز احمدی صـ۲۵)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام جبکہ ایک طرف اس اصل کے قائل ہیں۔ کہ "جو بات دشمن کے منہ سے نکلے وہ قابل اعتبار نہیں۔" اور دوسری طرف کھاؤ پیو اور شرابی ہونے کا الزام لگایا یہود کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ آپ حضرت مسیح ناصری کی ذات کو ان اتہامات سے بالکل مبرا تصور کرتے ہیں۔ ہاں عیسائیوں پر حجت پوری کرنے اور ان کا منہ بند کرنے کے لئے انجیلی حوالجات کے رُو سے آپ نے جو کچھ لکھا۔ وہ بروئے انجیل بالکل درست ہے۔ حضرت مسیح خود کہتے ہیں۔

"ابن آدم کھاتا پیتا آیا۔ اور وہ کہتے ہیں۔ دیکھو کھاؤ اور شرابی آدمی محصول لینے والوں اور گنہگاروں کا یار۔ مگر حکمت اپنے کاموں سے راست ثابت ہوئی۔" (متی ۱۱/۱۹)

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مخالفین کی تردید کن الفاظ میں کی

سید حبیب نے اسی ضمن میں ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے۔ کہا۔

"حضرت خاتم النبیین رحمۃ للعالمین کے زمانہ میں بھی عیسائی اور موسائی لوگ حضرت عیسےٰ کے مصلوب ہونے پر ایمان رکھتے تھے لیکن صاحبُ قاب قوسین او ادنیٰ" نے ان کے معتقدات کی تردید نہایت مہذب الفاظ میں کی جس کا شاہد قرآن ہے۔ حضور سرورِ کائنات نے حضرت عیسےٰ کی شان کو نہایت اعلےٰ الفاظ میں بیان کیا۔ اور اُن کی مادر محترمہ کی عصمت کی شہادت دی۔ قرآن پاک میں بھی ان کا ذکر فخر و مباہات سے موجود ہے لیکن مرزا صاحب نے موصوفہ قرآن و حدیث کی شان میں رکیک الفاظ استعمال کئے" (صفحہ ۱۵۴)

اس اعتراض کا ایک جواب تو یہ ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام اور بانیٔ اسلام پر اس قدر گندے اور ناپاک اعتراضات نہیں کئے جاتے تھے جتنے اس زمانہ میں کئے گئے۔ آج دجالی فتنہ اپنے شباب پر ہے۔ اور کفر اپنے تمام ہتھیاروں سمیت اسلام پر حملہ آور ہو رہا ہے پس آج رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق چونکہ کفر متحدہ طور پر اسلام پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ اس لئے ضروری تھا۔ کہ اس کی مدافعت بھی زیادہ زور سے کی جاتی۔

دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ اس طریق مدافعت کا جواز قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ اس میں مشرکین مکہ کے معبودوں کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا ایک حصہ یہ ہے۔ کہ انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم (انبیاء ع ۷) ضعف الطالب والمطلوب (حج ع ۱۰) اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون (النحل ع ۲) ان یدعون الا شیطانا مریدا (نساء ع ۱۸) انہن اضللن کثیرا من الناس (ابراہیم ع ۶) یعنی اے مشرکو تم اور تمہارے معبود جہنم میں جائینگے۔ ان بتوں کے پوجنے والے بھی کمزور ہیں۔ اور یہ خود بھی بے بس۔ یہ سب مردہ ہیں۔ نہ کہ زندہ۔ اور نہیں جانتے۔ کہ کب اٹھائے جائینگے۔ یہ لوگ صرف شیطان سرکش کو پکارتے ہیں۔ اور ان بتوں نے بہتوں کو گمراہ کر دیا۔ کیا ان آیات میں بتوں کے نقائص بیان نہیں کئے گئے۔ اگر کئے گئے ہیں۔ تو کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ کہ مذہب

باطلہ کے معبودوں پر اعتراض کرتے وقت ان کے نقائص بیان کرنا خلافِ تہذیب ہے تاریخی طور پر یہ امر ثابت ہے۔ کہ جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بتوں کے خلاف تقاریر کا سلسلہ شروع کیا۔ تو قریش اس سے مشتعل ہو کر ابو طالب کے پاس جمع ہوئے اور ان سے کہا۔ کہ اب معاملہ حد کو پہونچ گیا۔ ہمیں رجس۔ پلید۔ شر البریہ۔ سفہاء اور شیطان کی ذریت کہا جاتا ہمارے معبودوں کو جہنم کا ایندھن قرار دیا جاتا۔ اور ہمارے بزرگوں کو لایعقل کہکر پکارا جاتا ہے۔ اس لئے اب ہم بالکل صبر نہیں کر سکتے۔ اور اگر تم اس کی حمایت سے دستبردار نہیں ہو سکتے۔ تو پھر ہم تم سب کا مقابلہ کرینگے۔ یہاں تک کہ دونوں فریق میں سے ایک ہلاک ہو جائے گا۔ ابو طالب نے اس وقت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بلایا۔ اور ان سے کہا۔ کہ اے میرے بھتیجے اب تیری دشنام دہی سے تیری قوم مشتعل ہو گئی۔ اور قریب ہے۔ کہ تجھے اور مجھکو ہلاک کر دیں۔ تو نے ان کے عقلمندوں کو سفیہہ قرار دیا۔ ان کے بزرگوں کو شر البریہ کہا۔ اور ان کے قابل تعظیم معبودوں کا نام ہیزم جہنم اور وقود النار رکھا۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں۔ کہ اس کام سے باز آجا۔ ورنہ میں تمام قوم کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس وقت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا۔ وہ آج تک تاریخ کے اوراق میں سنہری حروف میں محفوظ ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ چچا یہ دشنام دہی نہیں۔ بلکہ نفس الامر کا بیان ہے۔ اور یہی تو وہ کام ہے جس کے لئے میں مبعوث کیا گیا۔ خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند بھی لا کر دیدیں۔ تب بھی میں اپنے فرائض سے باز نہیں رہونگا۔ اور اپنے کام میں لگا رہونگا۔ یہاں تک کہ خدا اُسے پورا کر دے۔ یا میں اسی کوشش میں ہلاک ہو جاؤں۔ پس سید حبیب بتائیں۔ کہ کیا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بتوں کے خلاف جہاد کا جو سلسلہ شروع کیا۔ اور جن الفاظ میں ان معبودانِ باطلہ کی حقیقت ظاہر فرمائی۔ وہ ظاہر بینوں کی نگاہ میں مفروضہ تہذیب کے خلاف نہ تھے۔ خود مولوی ثناء اللہ صاحب بھی اقرار کرتے ہیں۔ کہ مشرکین مکہ کو "قرآن کی ہدایت سے سخت نفرت تھی۔ بار بار یہی کہتے تھے۔ کہ اس قرآن کو بدل ڈال۔ کوئی اور کتاب ہمارے پاس لا۔ یہ تو اچھا نہیں۔ ہمارے معبودوں کو بُرا کہتا ہے" (تفسیر ثنائی جلد ۱ صفحہ ۱۴۴)

پس جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے زمانہ میں معبودانِ باطلہ کی قلعی کھولی۔ اور اظہارِ حقیقت کے لئے ایسے الفاظ بھی کہے۔ جو مشرکینِ مکہ کو ناگوار گذرے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام پر اسی جرم میں کہ آپ نے اس "یسوع مسیح" کی انجیلی حیثیت بیان کی۔ جس کے متعلق دُنیا میں شور مچایا جاتا ہے۔ کہ وہ خدا اور ابن خدا ہے۔ کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اگر حضرت مسیح موعودؑ کے طریق خطاب پر اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ تو مخالفین کو سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ یہی اعتراض رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی وارد ہو سکتا ہے۔ کیونکہ آپ نے بھی اُن کے معبودوں کو ہیزم جہنم۔ شر البریہ۔ اور کیا کچھ کہا۔ مگر جس طرح وہ نفس الامر کا بیان ہے۔ نہ کہ دشنام دہی اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا خطاب بھی دشنام دہی نہیں۔ بلکہ حقائق و واقعات کا علانیہ اظہار ہے۔

اربابًا من دُون اللہ کے عیُوب

قرآن کریم کی ایک اور آیت بھی اس مضمون کو حل کرتی ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابًا من دون اللہ والمسیح ابن مریم (توبہ ع) یعنی ان یہود و نصارےٰ نے اپنے رہبانوں اور احبار کو خدا کے سوا رب بنا رکھا ہے پھر اسی جگہ فرمایا۔ ان کثیرًا من الاحبار والرھبان لیاکلون من اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ۔ یعنی بہت سے احبار اور رہبان لوگوں کے اموال باطل طور پر کھاتے اور صراط مستقیم سے لوگوں کو روکتے ہیں۔ گویا بتا دیا۔ کہ وہ ہستیاں جنہیں "اربابًا من دون اللہ" قرار دیا جاتا ہو۔ اصلاح خلق کے لئے ان کے نقائص بیان کرنے میں نہ صرف یہ کہ کوئی حرج نہیں۔ بلکہ لبا اوقات ان کے نقائص بیان کرنے ضروری ہو جاتے ہیں۔ تاکہ مخلوقِ خدا کو راہِ راست پر آنے میں آسانی ہو۔ پس اس صورت میں نکتہ چینی قابل اعتراض امر نہیں۔ بلکہ دین کی ایک خدمت اور مخلوقِ خدا کی اصلاح کی ایک شاندار کوشش تصور ہوگی یہی چیز ہے۔ جس کے ماتحت حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے نصاریٰ کے مسلمات کی بناء پر عیسائیوں کے فرضی معبود کی خبر لی۔ اور دُنیا کو بتا یا۔ کہ صداقت کس طرف ہے۔ آپ خود فرماتے ہیں:۔

"ہمارے علماء جو اس جگہ لا تسبّوا کی آیت پیش کرتے ہیں۔ میں حیران ہوں۔ کہ اس آیت کو ہمارے مقصد اور مدعا سے کیا تعلق ہے۔ اس آیت کریمہ میں تو صرف دشنام دہی سے منع فرمایا گیا ہے۔ نہ یہ کہ اظہار حق سے روکا گیا ہو۔ اگر نادان مخالف حق کی مرارت اور تلخی کو دیکھ کر دشنام دہی کی صُورت میں اس کو سمجھ لیوے۔ اور پھر مشتعل ہو کر گالیاں دینی شروع کرے۔ تو کیا اس سے امر معروف کا دروازہ بند کر دینا چاہیئے۔ کیا اس قسم کی گالیاں پہلے کفار نے کبھی نہیں دیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حق کی تائید کے لئے صرف الفاظ سخت ہی استعمال نہیں فرمائے۔ بلکہ بت پرستوں کے ان بتوں کو جو ان کی نظر میں خدائی کا منصب رکھتے تھے۔ اپنے ہاتھ سے توڑا بھی ہے۔ اسلام نے مداہنہ کو کب جائز رکھا۔ اور ایسا حکم قرآن شریف کے کس مقام میں موجود ہے۔ بلکہ اللہ جلشانہ مداہنہ کی ممانعت میں صاف فرماتا ہے۔ کہ جو لوگ اپنے باپوں یا اپنی ماؤں کے ساتھ بھی ان کی کفر کی حالت میں مداہنہ کا برتاؤ کریں۔ وہ بھی ان جیسے ہی بے ایمان ہیں۔" (ازالہ اوہام صلا۲۲)

حضرت مسیح موعودؑ پر سخت کلامی کا اعتراض

سیّد حبیب نے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے۔ کہ:۔

"مرزا صاحب نے اپنے منکروں کو ایسی گالیاں دی ہیں۔ جو ازلس دلآزار ہیں۔" (صلا۵۴)

اس کے بعد انہوں نے ایک دشمنِ احمدیت کی کتاب سے بغیر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی کسی کتاب کا حوالہ دیئے ایک فہرست نقل کی ہے۔ جو بقول ان کے "مرزا صاحب کی گالیوں کی فہرست" ہے۔ اور صفحہ ۱۶۱ پر ایک نظم حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی طرف منسوب کر دی ہے۔ جس کا مطلع یہ ہے ؎

اک سگِ دیوانہ لدھیانہ میں ہے آج کل وُہ خرشترخانہ میں ہے

اور لکھا ہے "ایسی نظمیں متعدد ہیں۔ مگر میں صرف چند اشعار پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔"

افسوسناک جسارت

اس اعتراض کا تفصیلی جواب دینے سے پیشتر میں اس امر پر اظہارِ افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ جن دنوں "سیاست" میں احمدیت کے خلاف سلسلۂ مضامین شروع تھا۔ سیّد حبیب نے یہی نظم جس کا مطلع اُوپر بیان کیا جا چکا۔ حضرت مسیح موعود علیہ

الصلوٰۃ والسّلام کی سخت کلامی کے ثبوت میں درج اخبار کی تھی۔ ہم نے اُسی وقت سید حبیب کو توجہ دلائی۔ کہ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی نظم نہیں۔ پس اس نظم کے روسے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام پر ان کا اعتراض کرنا بالکل نادرست امر ہے۔ ہمارا خیال تھا۔ کہ مضامین کو کتابی صورت میں لاتے وقت سید حبیب اپنی اس فروگذاشت کا ازالہ کر دینگے۔ مگر ہمیں تعجب اور افسوس ہے۔ کہ اُنہوں نے یہ جانتے ہوئے کہ احمدی کہتے ہیں۔ یہ حضرت مسیح موعود کی نظم نہیں۔ پھر بھی اس نظم کو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی طرف منسوب کرتے ہوئے اپنی کتاب میں درج کر دیا۔ اور حاشیہ پر صرف اتنا لکھدیا۔ کہ "قادیانی دوست کہتے ہیں۔ کہ یہ نظم مرزا صاحب کی نہیں۔ خواہ مخواہ ان سے منسوب کی جاتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب"۔

جب "قادیانی دوست" بالفاظ ان کے یہ کہتے ہیں۔ کہ یہ نظم حضرت مرزا صاحب کی نہیں۔ خواہ مخواہ ان کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ تو کیا سید حبیب کا فرض نہ تھا۔ کہ وُہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی طرف اس نظم کو منسوب کرنے سے احتراز کرتے۔ اور اگر بالفرض انہیں درج کرنے پر اصرار تھا۔ تو کیا ان کا دوسرا فرض یہ نہ تھا۔ کہ وُہ اس نظم کا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی کسی کتاب سے ثبوت بہم پہونچاتے۔ مگر انہوں نے ان دونوں امور میں سے ایک امر کو بھی اختیار نہیں کیا۔ اور باوجود توجہ دلانے کے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی طرف اس نظم کو منسوب کرکے افسوسناک جسارت کا ثبوت دیا۔ لیکن ہمیں امید کرنی چاہیئے۔ کہ اگر انہوں نے اب تک اپنی اس غلط فہمی کا ازالہ نہیں کیا۔ تو وہ آئندہ کے لئے ہی نصیحت حاصل کرینگے۔

فرسُودہ اعتراض

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام پر سخت کلامی کا جو اعتراض کیا گیا ہے۔ اس کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ گالی وہ چیز ہے۔ جس سے اظہار غضب مطلوب ہوتا ہے۔ اور گالی میں جو الفاظ کہے جاتے ہیں۔ ان کی حقیقت مخاطب میں نہیں پائی جاتی۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی ایسے شخص کی نسبت جس نے اس کا مالی نقصان کیا ہو۔ غصے میں کہدے۔ کہ تو سؤر یا کتا ہے۔ تو وہ اظہار غضب و دشنام دہی ہوگا۔ کیونکہ سؤر اور کتے کے الفاظ میں جو حقیقت پنہاں ہے۔ وہ ایسی نہیں۔ کہ جو اس شخص میں پائی جائے۔ جس نے اس کے

مال کا نقصان کر دیا۔ لیکن اگر جو الفاظ استعمال کئے گئے ہوں۔ وہ مجازاً یا وصفاً اس حقیقت کو بیان کرتے ہوں۔ جو مخاطب میں۔ پائی جاتی ہو۔ تو وہ گالی نہیں۔ بلکہ اظہارِ حقیقت ہوگا۔ مجازاً کی مثال ایسی ہی ہے۔ جیسے مسیح ناصری نے کہا "اے سانپو اے افعی کے بچو۔ (متی ۲۳)" ہر شخص جانتا ہے۔ کہ سانپ کا کام ڈسنا ہوتا ہے۔ پس درحقیقت ان الفاظ میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ تم وہ ہو۔ کہ ہمیشہ انبیاء پر نیش زنی کرتے رہے ہو۔ اور وُہ بھی بلاوجہ۔ جس طرح سانپ بلاوجہ ڈستا ہے پس یہ گالی نہیں۔ بلکہ اظہار حقیقت ہے۔ اور مجاز کو اس لئے استعمال کیا گیا۔ کہ وہ حقیقت کو زیادہ مؤثر پیرایہ میں انسان کے ذہن نشین کر دیتا ہے۔ اس قسم کے الفاظ قرآن کریم میں بھی استعمال کئے گئے ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے بھی استعمال کئے۔ مگر انہیں گالی نہیں بلکہ اظہار حقیقت کہا جائے گا۔ کیا اس میں شبہ کی کوئی گنجائش ہے۔ کہ وہ مخالف مولوی جن کا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اپنی کتب میں ذکر کیا اور جنہیں مخاطب کیا گیا۔ انہوں نے ظلم اور تعدی سے اس شخص کا مقابلہ کیا۔ جسے خدا نے دُنیا کی اصلاح کے لئے بھیجا۔ پس اس سے بڑھکر اور کیا بدی ہوسکتی ہے۔ کہ تیرہ سو سال امّت محمدیہ جس شخص کی آمد کے لئے چشم براہ رہی۔ اسی کا مقابلہ کیا جائے۔ اور اسی کو بد سے بدتر قرار دیا جائے۔ قرآن کریم اس امر کو بیان کرتا ہے۔ کہ نبی دنیا میں اسی وقت آتا ہے۔ جب دُنیا فساد اور بدکاری سے بھر جاتی ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض انہی الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ کہ ظھر الفساد فی البر والبحر۔ یعنی ہر قوم کے لوگ بدکار ہوگئے۔ پس جو نبی بھی دُنیا میں آئے گا۔ وہ اس امر کا اظہار کرنے کے لئے مجبور ہوگا۔ کہ دنیا بدکار ہوگئی۔ اور اگر وہ اس امر کا اعلان نہ کرے۔ کہ دُنیا بدکار ہوگئی۔ اور مجھے خدا نے اصلاح عالم کے لئے بھیجا۔ تو یہ فعل اس کے سارے دعوے کو باطل کرنے والا ہوگا۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے جو کچھ تحریر فرمایا۔ وہ اظہار حقیقت ہے نہ کہ گالی۔ احادیث میں بصراحت ذکر آتا ہے۔ کہ آخری زمانہ کی یہ علامت ہے۔ کہ اس وقت کے علماء روئے زمین پر بدترین مخلوق ہونگے۔ پس اگر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام اس امر کا اظہار نہ کرتے کہ علماء بدترین خلائق ہیں۔ تو وہ اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا دعوے کس طرح کرتے۔

تمام استعدادوں کو برمحل استعمال کرنیکا نام خُلق ہے۔

پھر اخلاق اللہ تعالےٰ کی عطا کردہ استعدادوں کو برمحل استعمال کرنے کا نام ہے نہ ہر جگہ نرمی اخلاق فاضلہ میں شمار کی جا سکتی ہے۔ نہ ہر جگہ سختی۔ نہ ہر جگہ عفو کام آسکتا ہے۔ نہ ہر جگہ انتقام۔ بلکہ نرمی اور سختی۔ عفو اور حلم اپنے اپنے مقام پر برمحل استعمال ہونے کے بعد اخلاق فاضلہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص سختی کی جگہ نرمی کرتا ہے۔ یا نرمی کی جگہ سختی۔ تو وہ ہرگز صحیح معنوں میں بااخلاق نہیں کہلا سکتا۔ یا تو وہ بزدل اور بے غیرت کہلائیگا۔ یا ظالم اور جابر تصور کیا جائے گا۔ پس کامل الاخلاق وہی ہوگا۔ جو برمحل نرمی اور باموقعہ سختی سے کام لے۔ انبیاء علیہم السّلام بے شک صاحب اخلاق کریمہ ہوتے ہیں۔ مگر انہی معنوں میں۔ کہ وہ نرمی کی جگہ نرمی اور سختی کی جگہ سختی کرتے اور اپنی ہر استعداد کو برمحل اور صحیح طور پر استعمال کرتے ہیں۔

جج کی حیثیت

پھر یہ بات بھی نظر انداز نہیں کرنی چاہئے۔ کہ نبی اہل دُنیا کے سامنے ایک جج کی حیثیت میں پیش ہوتا ہے۔ اور مسیح موعودؑ کو تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی حکم و عدل قرار دیا۔ پس جس طرح جج کا فرض ہوتا ہے۔ کہ مجرموں پر فرد جرم لگائے۔ اور انہیں بتائے۔ کہ تم ان افعال قبیحہ کے مرتکب ہوئے ہو۔ اور اس کا ایسا کرنا خیرخواہی اور بنی نوع کی بہبودی کے لئے ہوتا ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کا بھی جج کی حیثیت میں فرض ہوتا ہے۔ کہ وہ ہر مجرم کے جرم بیان کریں۔ تاکہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ان پر نازل ہونے والی سزا ظلم نہ قرار پائے۔ کوئی مجسٹریٹ یہ نہیں کہا کرتا۔ کہ اے دیانتدار اور شریف الطبع آدمی میں تجھے چھ ماہ کے لئے قید کرتا ہوں۔ بلکہ وہ کہتا ہے۔ کہ تم چور ہو۔ اور تمہاری چوری ثابت ہوگئی۔ پس میں تمہیں چھ ماہ قید کی سزا دیتا ہوں۔ اسی طرح انبیاء علیہم السّلام بھی اگر حقیقت حال کا اظہار کریں۔ اور اپنی جج کی حیثیت کے ماتحت روحانی مجرموں کے اندرونی سیاہیوں کو خلق خدا کے سامنے نمایاں کریں تو وہ بد اخلاقی نہیں۔ بلکہ اظہار حقیقت ہوگا۔ اور اگر اسے بداخلاقی کہا جائیگا۔ تو وہ ایسا ہی ہوگا۔ جیسا کہ ایک مشفق ڈاکٹر کے نشتر اور اسکے اپریشن کو ظلم اور بے رحمی سے تعبیر کیا جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام اسی حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"میں سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ میں نے ایک لفظ بھی ایسا استعمال نہیں کیا۔ جس کو دشنام دہی کہا جائے۔ بڑے دھوکے کی بات یہ ہے۔ کہ اکثر لوگ دشنام دہی اور بیانِ واقعہ کو ایک ہی صُورت میں سمجھ لیتے ہیں۔ اور ان دونوں مختلف مفہوموں میں فرق کرنا نہیں جانتے۔ بلکہ ایسی ہر ایک بات کو جو دراصل ایک واقعی امر کا اظہار ہو۔ اور اپنے محل پر چسپاں ہو۔ محض اس کی کسی قدر مرارت کی وجہ سے جو حق گوئی کے لازم حال ہوا کرتی ہے۔ دشنام دہی تصور کر لیتے ہیں۔ حالانکہ دشنام اور سب اور شتم فقط اس مفہوم کا نام ہے۔ جو خلاف واقعہ اور دروغ کے طور پر محض آزار رسانی کی غرض سے استعمال کیا جائے۔ اور اگر ہر یک سخت اور آزاردہ تقریر کو محض بوجہ اس کی مرارت اور تلخی اور ایذارسانی کے دشنام کے مفہوم میں داخل کر سکتے ہیں۔ تو پھر اقرار کرنا پڑے گا۔ کہ سارا قرآن شریف گالیوں سے پُر ہے۔ کیونکہ جو کچھ بتوں کی ذلت اور بت پرستوں کی حقارت اور ان کے بارے میں لعنت ملامت کے سخت الفاظ قرآن شریف میں استعمال کئے گئے ہیں۔ یہ ہرگز ایسے نہیں ہیں۔ جن کے سننے سے بُت پرستوں کے دل خوش ہوئے ہوں۔ بلکہ بلاشبہ ان الفاظ نے ان کے غصہ کی حالت کی بہت تحریک کی ہوگی۔ کیا خدا تعالےٰ کا کفار مکہ کو مخاطب کر کے یہ فرمانا کہ انکم و ما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم۔ معترض کے من گھڑت قاعدہ کے موافق گالی میں داخل نہیں ہے۔ کیا خدا تعالےٰ کا قرآن شریف میں کفار کو شرالبریّہ قرار دینا اور تمام رذیل اور پلید مخلوقات سے انہیں بدتر ظاہر کرنا یہ معترض کے خیال کے رُو سے دشنام دہی میں داخل نہیں ہوگا۔ کیا خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں واغلظ علیھم نہیں فرمایا۔ کیا مومنوں کی علامات میں اشدّاء علی الکفار نہیں رکھا گیا" (ازالہ اوہام صفحہ ۱۳-۱۴)

پھر فرماتے ہیں:۔

"دشنام دہی اور چیز ہے۔ اور بیان واقعہ کا گو وُہ کیسا ہی تلخ اور سخت ہو۔ دوسری شے ہے۔ ہر ایک محقق اور حق گو کا یہ فرض ہوتا ہے۔ کہ سچی بات کو پورے پورے طور پر مخالف گم گشتہ کے کانوں تک پہونچا دیوے۔ پھر اگر وہ سچ کو سنکر افروختہ ہو۔ تو ہوا کرے"

(ازالہ اوہام صفحہ ۲)

سعد اللہ لدھیانوی کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"میں نے اس کی بدزبانی پر بہت صبر کیا۔ اور اپنے تئیں روکا کیا۔ لیکن جب وُہ حد سے گذر گیا۔ اور اس کے اندرونی گند کا پل ٹوٹ گیا۔ تب میں نے نیک نیتی سے اس کے حق میں وہ الفاظ استعمال کئے۔ جو محل پر چسپاں تھے۔ اگرچہ وہ الفاظ کسی قدر سخت ہیں۔ مگر وہ دشنام دہی کی قسم میں سے نہیں ہیں۔ بلکہ واقعات کے مطابق ہیں اور عین ضرورت کے وقت لکھے گئے ہیں۔ ہر ایک نبی حلیم تھا۔ مگر ان سب کو واقعات کے متعلق ایسے الفاظ اپنے دشمنوں کی نسبت استعمال کرنے پڑے ہیں۔ چنانچہ انجیل میں کس قدر نرم تعلیم کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ تاہم انہی انجیلوں میں فقیہوں۔ فریسیوں اور یہودیوں کے علماء کی نسبت یہ الفاظ بھی موجود ہیں۔ کہ وہ مکار ہیں۔ فریبی ہیں۔ مفسد ہیں۔ سانپوں کے بچے ہیں۔ بھیڑیئے ہیں۔ اور ناپاک طبع اور خراب اندرون ہیں۔ اور کنجریاں ان سے پہلے بہشت میں جائیں گی۔ ایسا ہی قرآن شریف میں زنیم وغیرہ الفاظ موجود ہیں۔ پس اس سے ظاہر ہے۔ کہ جو لفظ محل پر چسپاں ہو۔ وُہ دشنام دہی میں داخل نہیں۔ اور کسی نبی نے سخت گوئی میں سبقت نہیں کی۔ بلکہ جس وقت بد طینت کافروں کی بدگوئی انتہا تک پہنچ گئی تب خدا کے اذن سے یا اس کی وحی سے وہ الفاظ انہوں نے استعمال کئے۔"

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۲ و ۲۱)

بیان مافوق کی تصدیق کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ چند حوالجات درج کر دیئے جائیں

انجیل کے سخت الفاظ

انجیل میں حضرت مسیح نے یہود کو جن الفاظ سے مخاطب فرمایا۔ وُہ یہ ہیں:۔

اے ریاکار فقیہو اور فریسیو۔ (متی ۲۳/۱۳)۔ اے احمقو اور اندھو (متی ۲۳/۱۷) اے اندھے راہ بتانے والو (متی ۲۳/۱۶) اے ملعونو (متی ۲۵/۴۱) اے سانپو اے افعی کے بچو (متی ۲۳/۳۳) اے بدکارو (لوقا ۱۳/۲۷) اے نادانو (لوقا ۲۴/۲۵) اے سانپ کے بچو (متی ۱۲/۳۴) تم بڑے گمراہ ہو (مرقس ۱۲/۲۷) تم اپنے باپ ابلیس سے ہو۔ (یوحنا ۸/۴۴) برے اور زناکار لوگ (متی ۱۲/۳۹) شیطان (متی ۱۶/۲۳) کتے اور سؤر (متی ۷/۶ و ۱۵/۲۶) لومڑی (لوقا ۱۳/۳۲)

قرآن مجید کے سخت الفاظ

قرآن مجید میں مخالفین کے متعلق حسب ذیل الفاظ مذکور ہیں:۔

بندر۔ القردۃ (مائدہ ع ۹) سؤر۔ الخنازیر (مائدہ ع ۹) گدھے۔ حمرٌ (المدثر ع ۲) بہرے۔ گونگے۔ اندھے۔ صمٌ بکمٌ عمیٌ (البقرہ ع ۲) حیوانات سے بدتر۔ شر الدواب (انفال ع ۴)، ذلیل۔ مہین (القلم ع ۱)، نکتہ چین۔ ھمّاز (القلم ع ۱) چغلخور۔ مشّاءٍ بنمیم (القلم ع ۱) بھلائی سے محروم۔ منّاعٍ للخیر (القلم ع ۱) حد سے بڑھنے والا۔ معتدٍ (القلم ع ۱) فاسق۔ فاجر۔ اثیم (القلم ع ۱) سرکش۔ عتلّ (القلم ع ۱) حرامزادہ زنیم (القلم ع ۱) ناپاک۔ نجس (توبہ ع ۴) مجسم گند۔ رجسٌ (توبہ ع ۱۲) سب مخلوق سے بدتر۔ شر البریّہ (البیّنہ) کتّا۔ فمثلہ کمثل الکلب (اعراف ع ۲۳) شیطان کے مرید عبد الطاغوت (مائدہ ع ۹) شیطان کے دوست۔ اولیاء الشیطان (پ ۵ ع ۶) حرام مال کھانے والے۔ لیأکلون اموال الناس بالباطل (التوبہ ع ۵) خبیث۔ الخبیثات للخبیثین (النور ع ۳) جاہل۔ ایھا الجاھلون (الزمر ع ۶)

احادیث کے سخت الفاظ

احادیث میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "تکون فی امتی فزعۃ فیصیر الناس الی علماءھم فاذاھم قردۃ و خنازیر (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۹۰) یعنی میری امت میں ایک نہایت ہولناک اور گھبرا دینے والا حادثہ ہوگا۔ تب لوگ اپنے علماء کے پاس جائینگے۔ مگر انہیں بندروں اور سؤروں کی صُورت میں پائیں گے۔ یعنی جیسے بندر دوسرے کی بغیر سوچے سمجھے تقلید کرتا ہے۔ اسی طرح زمانہ کے علماء متقدمین کی اندھا دھند تقلید کرنے کی وجہ سے اپنی عقول اور قوت فکریہ کو معطل کر چکے ہونگے۔ اور پھر اخلاقی لحاظ سے اس قدر پست ہونگے۔ کہ گویا وُہ سؤر ہونگے اسی طرح احادیث میں مسیح موعودؑ کا ایک کام یقتل الخنزیر قرار دے کر بعض لوگوں کو سؤر صفت قرار دے دیا۔

پھر ایک حدیث یہ بھی آتی ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من تعزّی بعزاء الجاھلیۃ فاعضوہ بھن ابیہ ولا تکنوا (مشکوٰۃ کتاب الآداب۔ باب المفاخرۃ والعصبیہ صفحہ ۳۵۶)

مخالفین کو چاہئے۔ کہ اس حدیث کا ترجمہ اپنے مولویوں سے پوچھیں۔ اور بتائیں کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ ان کے معیار کے مطابق کیسے ہیں؟

اسی طرح بخاری میں آتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں جب قریش مکہ کا سفیر عروہ بن مسعود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح حدیبیہ کی شرائط طے کر رہا تھا۔ تو اس کے صرف اتنا کہنے پر کہ اے محمدؐ اگر ذرا بھی تیز لڑائی ہوئی۔ تو یہ مسلمان آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا۔ امصص ببظر اللات۔ (بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد جلد ۲ نیز زاد المعاد جلد اول ص۲۷۵) یعنی جا۔ لات کی شرمگاہ چوستا رہ "یہ عرب میں نہایت سخت گالی سمجھی جاتی تھی۔" (تجرید بخاری مترجم اردو شائع کردہ مولوی فیروز الدین اینڈ سنز لاہور جلد ۲ ص۱۳)

اظہار واقعہ کا نام گالی نہیں ہوتا

غرض قرآن مجید۔ احادیث اور کتب سابقہ کے حوالوں سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہونچا ہوا ہے۔ کہ اظہار واقعہ کا نام گالی نہیں ہوتا۔ خواہ الحق مرٌ کے ماتحت اس میں کسی قدر تلخی اور مرارت پائی جائے۔ اس کے ثبوت میں محدثین کی ایک شہادت بھی درج کی جاتی ہے۔ مسلم میں آتا ہے۔ جناب عفان کہتے ہیں۔ کنا عند اسمٰعیل بن علیۃ فحدث رجل عن رجل فقلتُ ان ھذا لیس بثبتٍ قال فقال الرجل اغتبتہٗ فقال اسماعیل ما اغتابہ ولکنہٗ حکم انہ لیس بثبتٍ (جلد اول مطبوعہ مصر ص۱۶)

یعنی ہم اسماعیل بن علیۃ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ ایک شخص نے کسی سے روایت بیان کی۔ میں نے کہا کہ وہ شخص تو ثقہ نہیں۔ اس آدمی نے کہا۔ تو نے اس کی غیبت کی ہے۔ امام صاحب نے فرمایا۔ یہ غیبت نہیں۔ بلکہ اس نے تو یہ حکم لگایا ہے کہ وہ شخص قابل اعتبار نہیں۔ پس جس طرح حکم لگانے اور غیبت کرنے میں فرق ہوتا ہے۔ اسی طرح انبیاء و مرسلین کی ضرورت حقہ پر سختی امر واقعہ کا اظہار ہوتا ہے نہ کہ دشنام دہی۔ مگر اس پر مزید امر یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس قسم کا اظہار واقعہ بھی بطور دفاع کیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"تمام مخالفوں کی نسبت میرا یہی دستور رہا ہے۔ کوئی ثابت نہیں کر سکتا۔ کہ میں نے کسی مخالف کی نسبت اس کی بدگوئی سے پہلے خود بدزبانی میں سبقت کی ہو۔ مولوی محمد حسین بٹالوی نے جب جرأت کے ساتھ زبان کھول کر میرا نام دجال رکھا۔ اور میرے

پر فتوائے کفر لکھوا کر صدہا پنجاب و ہندوستان کے مولویوں سے مجھے گالیاں دلوائیں اور مجھے یہود و نصاریٰ سے بدتر قرار دیا۔ اور میرا نام کذاب۔ مفسد۔ دجال مفتری مکار ٹھگ۔ فاسق فاجر خائن رکھا۔ تب خدا نے میرے دل میں ڈالا۔ کہ صحت نیت کے ساتھ ان تحریروں کی مدافعت کروں۔ میں نفسانی جوش سے کسی کا دشمن نہیں۔ اور میں چاہتا ہوں۔ کہ ہر ایک سے بھلائی کروں۔ مگر جب کوئی حد سے بڑھ جائے تو میں کیا کروں۔ میرا انصاف خدا کے پاس ہے۔ ان سب مولوی لوگوں نے مجھے دکھ دیا۔ اور حد سے زیادہ دکھ دیا۔ اور ہر ایک بات میں ہنسی اور ٹھٹھا کا نشانہ بنایا۔ پس میں بجز اس کے کیا کہوں۔ کہ یاحسرۃً علی العباد ما یأتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزءون۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۲۱)

کتاب البریہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ بات بھی میں تسلیم کرتا ہوں۔ کہ مخالفوں کے مقابل پر تحریری مباحثات میں کسی قدر میرے الفاظ میں سختی استعمال میں آئی تھی۔ لیکن وہ ابتدائی طور پر سختی نہیں ہے۔ بلکہ وہ تمام تحریریں نہایت سخت حملوں کے جواب میں لکھی گئی ہیں۔ مخالفوں کے الفاظ ایسے سخت اور دشنام دہی کے رنگ میں تھے۔ جن کے مقابل پر کسی قدر سختی مصلحت تھی۔" (ص۱۰)

اس سے صریح طور پر ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دشمنوں کے حق میں بعض برمحل الفاظ جو استعمال فرمائے ہیں۔ وہ بطور دفاع لکھے ہیں۔ اور انہی لوگوں کے متعلق لکھے ہیں۔ جو بدگوئی میں بڑھ گئے۔ اور جنہوں نے گندہ دہنی کو اپنا پیشہ بنا لیا۔ پس ایسے لوگوں کی اصل حقیقت ظاہر کرنا قرآن مجید کے معیار کے مطابق دشنام دہی ہرگز نہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں

سید حبیب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب "ضرورۃ الامام" سے یہ فقرہ نقل کرنے کے بعد کہ: "یہ نہایت قابل شرم بات ہے۔ کہ ایک شخص خدا کا دوست کہلا کر پھر اخلاق رذیلہ میں گرفتار ہو۔ اور درشت بات کا ذرہ بھی متحمل نہ ہو سکے۔" (ص۸) لکھا ہے "مرزا صاحب کے اس کلام کا تقاضا تو یہ تھا۔ کہ وہ اپنے مخالفین کی بدگوئی کے مقابلہ

میں کلام نرم سے کام لیتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ مخالفین کو انہوں نے بے نقط گالیاں دی ہیں۔" (ص۱۵۵)

مگر معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے بذاتِ خود "ضرورۃ الامام" کو دیکھنے کی تکلیف گوارا نہیں کی۔ اگر دیکھ لیتے۔ تو اس اعتراض کا انہیں اسی جگہ جواب نظر آجاتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں:۔

"اخلاقی قوت سے یہ مراد نہیں۔ کہ ہر جگہ وہ خواہ نخواہ نرمی کرتا ہے۔ کیونکہ یہ تو اخلاقی حکمت کے اصول کے برخلاف ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے۔ کہ جس طرح تنگ ظرف آدمی دشمن اور بے ادب کی باتوں سے جلکر اور کباب ہو کر جلد مزاج میں تغیر پیدا کر لیتے ہیں۔ اور ان کے چہرے پر اس عذاب الیم کے جس کا نام غضب ہے۔ نہایت مکروہ طور پر آثار ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اور طیش و اشتعال کی باتیں بے اختیار اور بے محل منہ سے نکلتی چلی جاتی ہیں۔ یہ حالت اہل اخلاق میں نہیں ہوتی۔ ہاں وقت اور محل کی مصلحت سے کبھی معالجہ کے طور پر سخت الفاظ بھی استعمال کر لیتے ہیں۔" (ضرورت الامام ص۷)

امید ہے۔ سید حبیب یہ سمجھ گئے ہونگے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "ضرورت الامام" میں جو کچھ لکھا۔ آپ کا عمل اسی کے مطابق رہا۔ قول و فعل میں اختلاف کا اعتراض جو ان کی طرف سے کیا گیا ہے۔ بالکل باطل ہے۔

علماء سوء کی طرفداری

سیّد حبیب نے اپنی کتاب کے ص۱۵۸ تا ص۱۶۰ پر بغیر حوالہ جات دیئے وُہ درشت الفاظ نقل کئے ہیں۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی طرف منسُوب کئے جاتے ہیں۔ اور لکھا ہے۔ کہ "آپ نے اپنے وقت کے مولویوں کو بعض اوقات اشتعال کے بعد اور اکثر اوقات بلا اشتعال ایسی گالیاں دی ہیں۔ کہ العظمۃ للہ۔" (ص۱۵۷)

"وقت کے مولوی" جن کی تائید کے لئے سید حبیب بے چین ہو گئے ہیں۔ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو جو کچھ کہا۔ غالبًا سیّد حبیب اسے نظر انداز کر گئے ہیں۔ مگر انہیں معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ "وقت کے مولویوں" کو اچھا کہنا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ کے مطابق بالکل ناجائز ہے۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ علماء ھم شر من تحت ادیم السماء (مشکوٰۃ کتاب العلم ص۳۸) یعنی آخری زمانہ

کے علماء روئے زمین کی بدترین ہستیوں سے بھی بدتر ہونگے۔ پس اگر آج زمین پر ایسے لوگ آباد ہیں۔ جنہیں بے ایمان۔ بدبخت اور جھوٹا وغیرہ کہا جا سکتا ہے۔ تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ شر ھم وہ "علماء" ان لوگوں سے بھی بدتر ہونگے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے ان علماء کو جو کچھ کہا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی لفظ میں انہیں اس سے بہت زیادہ برا کہدیا۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے سخت الفاظ جو علماء کے متعلق استعمال ہوئے۔ بجز اس حدیث کا نرم ترجمہ ہونے کے اور کچھ نہیں۔

پھر سید حبیب کو "علماء" کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے درشت الفاظ تو نظر آ گئے۔ مگر کیوں ان علماء کی وُہ گالیاں انہیں نظر نہ آئیں۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو انہوں نے دیں۔ کیا یہ افسوسناک حرکت نہیں۔ کہ فرقۂ علماء کو مظلوم کہا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ ظالم ہے۔ اور اسے اچھا کہا جاتا ہے، حالانکہ وہ برا ہے۔ یہ علماء ہی ہیں۔ جنہوں نے ظلم و تعدّی کی بناء پر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو وہ کچھ کہا۔ کہ کوئی شریف و نجیب النسان انہیں اپنی زبان پر بھی لانے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا مگر یہ عالم کہلانے والے گندی سے گندی گالیاں دے کر اور بد سے بدتر الفاظ آپ کے متعلق استعمال کر کے پھر بھی شریف و نجیب رہے۔ ان کی شان "عالمانہ" بدستور قائم رہی۔ مگر جب خدا کے مرسل اور اس کے مسیح موعود نے ان کی پردہ دری کی۔ اور بتایا۔ کہ یہ علماء ہی ہیں۔ جو مسلمانوں کی تباہ حالی اور بربادی کے ذمہ دار ہیں۔ تو سید حبیب ایسے لوگ بڑے جوش سے یہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ کہ علما کی توہین ہو گئی۔ حالانکہ یہ علماء کہلانے کے مستحق ہی نہیں۔ ہاں۔ شر من تحت ادیم السماء علماء کہلانے کے ضرور مستحق ہیں۔

ان کہلانے والے علماء نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو جو کچھ کہا۔ اس کا پتہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی تصنیف "کتاب البریّہ" اور اخبار فاروق مؤرخہ ۱۴ جنوری ۳۲ء کے مطالعہ سے لگ سکتا ہے۔

سید حبیب اگر علماء کے اس سیاہ نامہ پر نظر ڈالیں گے۔ تو ان کے لئے بجز اپنے اعتراض کو واپس لینے کے اور کوئی چارہ نہیں رہے گا۔

چودھویں صدی کے علماء کی نسبت متقدمین کے اقوال

پھر زمانۂ حال کے علماء کی نسبت امت محمدیہ کے بزرگ جو کچھ کہہ چکے ہیں۔ وہ بھی کچھ کم نہیں

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں

"اگر نمونۂ یہود خواہی کہ بینی علماء سو کہ طالب دنیا باشند" (الفوز الکبیر صا)

یعنی اگر تم یہودیوں کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہو۔ تو ان کفرباز مولویوں کو دیکھ لو۔ جو دنیا کی ہوا و ہوس میں مبتلا ہیں۔

نواب صدیق حسن خان صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"اب اسلام کا صرف نام قرآن کا فقط نقش باقی رہ گیا ہے۔ مسجدیں ظاہر میں تو آباد ہیں لیکن ہدایت سے بالکل ویران ہیں۔ علماء اس امت کے بدتر ان کے ہیں۔ جو نیچے آسمان کے ہیں۔ انہیں سے فتنے نکلتے ہیں۔ انہیں کے اندر پھر کر جاتے ہیں"۔ (اقتراب الساعۃ ص۱۲)

پھر لکھا ہے "یہ بڑے بڑے فقیہہ یہ بڑے بڑے مدرس یہ بڑے بڑے درویش جو ڈھکا دینداری خدا پرستی کا بجا رہے ہیں۔ رد حق۔ تائید باطل تقالید مذہب تقلید مشرب ہیں مخدوم عوام کالانعام ہیں۔ سچ پوچھو۔ تو دراصل پیٹ کے بندے نفس کے مرید ابلیس کے شاگرد ہیں"۔ (اقتراب الساعۃ ص۸)

اخبار "اہلحدیث" امرتسر لکھتا ہے۔

"حضرت علی سے ایک حدیث مروی ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ لوگوں پر عنقریب ایسا زمانہ آئیگا۔ کہ اسلام کا نام رہ جائے گا۔ اور قرآن کا رسم خط اس وقت کے مولوی آسمان کے تلے بدترین مخلوق ہونگے۔ سارا فتنہ و فساد انہی کی وجہ سے ہوگا۔ ہم دیکھ رہے ہیں۔ کہ آجکل وہی زمانہ آگیا ہے"۔ (۲۵ر اپریل سنہ ۳ ص۵ کالم اول)

پھر لکھا ہے "افسوس ہے ان مولویوں پر جن کو ہم ہادی راہبر ورثۃ الانبیاء سمجھتے ہیں۔ ان میں یہ نفسانیت یہ شیطنت بھری ہوئی ہے۔ تو پھر شیطان کو کس لئے بُرا بھلا کہنا چاہئے"۔ (اہلحدیث ۷ر نومبر سنہ ۱۱ ص۳)

اسی طرح لکھا: "مولوی اب طالب دنیائے جیفہ ہو گئے وارث علم پیمبر کا پتہ لگتا نہیں" (اہلحدیث ۱۳ر مئی سنہ ۱۲ء)

یہ بھی لکھا۔ کہ: "آجکل کے تھرڈ کلاس کے مولوی جو ذرہ ذرہ بات پر عدم جواز اقتدا

کا فتوے دے دیا کرتے ہیں۔ سو ان کی بابت بہت عرصہ ہوا فیصلہ ہو چکا ہے۔ ھل افسد الناس الا الملوک وعلماء سوءٍ ورھبانھا۔ (اہلحدیث ۷ر جون سنہ ۱۲) یعنی بادشاہوں علماء سوء اور رہبانوں کے سوا اور کسی چیز نے لوگوں کو برباد نہیں کیا۔

پس علماء کی حالت زبوں کے متعلق صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہی نہیں لکھا۔ بلکہ آج دنیا پکار پکار کر اس حقیقت کا اظہار کر رہی ہے۔ کہ علماء کی حالت بگڑ گئی اور روحانیت عنقا ہو گئی۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے علماء سوء کو مدافعت کے رنگ میں جو کچھ کہا۔ وہ اظہار واقعہ کے طور پر درست کہا۔

نیک علماء کا استثناء

سید حبیب نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ

"اگر ایسا کرنے (یعنی سخت الفاظ لکھنے) کے لئے ان کے پاس کوئی عذر تھا بھی۔ تو ان لوگوں کو کوسنے کے لئے ان کی طرف سے کیا عذر پیش کیا جا سکتا ہے۔ جنھوں نے مرزا صاحب کو برا بھلا نہیں کہا"۔ (ص۱۵۵)

ہمارا جواب یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کبھی ایسے لوگوں کو نہیں کوسا۔ جنھوں نے شریفانہ رویہ اختیار کیا۔ اور گالی گلوچ سے اجتناب کیا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

۱۔ "لیس کلامنا ھذا فی اخیارھم بل فی اشرارھم" (الہدیٰ ص۶۸)

یعنی ہمارا یہ کلام شریر علماء کے متعلق ہے۔ نیک علماء اس سے مستثنےٰ ہیں۔

۲۔ نعوذ باللہ من ھتک العلماء الصالحین وقدح الشرفاء المھذبین سواءً کانوا من المسلمین او المسیحیین او الاٰریہ (لجۃ النور ص۶۷)

یعنی ہم صالح علماء کی ہتک کرنے اور مہذب شرفاء کے متعلق طعنہ زنی کرنے سے اللہ تعالےٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ خواہ اس قسم کے شریف الطبع لوگ مسلمانوں میں سے ہوں یا مسیحیوں یا آریوں میں سے

۳۔ پھر فرماتے ہیں:۔

"ایسے لوگ جو مولوی کہلاتے ہیں۔ انصار دین کے دشمن اور یہودیوں کے قدم پر چل رہے ہیں۔ مگر ہمارا یہ قول کلی نہیں ہے۔ راستباز علماء اس سے باہر ہیں۔

صرف خائن مولویوں کی نسبت یہ لکھا گیا ہے۔ ہر ایک مسلمان کو دعا کرنی چاہئے۔ کہ خدا تعالےٰ جلد اسلام کو ان خائن مولویوں کے وجود سے رہائی بخشے۔ کیونکہ اسلام پر اب نازک وقت ہے۔ اور یہ نادان دوست اسلام پر ٹھٹھا اور ہنسی کرانا چاہتے ہیں۔" (اشتہار ۱۷ ار دسمبر ۱۸۹۲ء بعنوان قیامت کی نشانی ملحقہ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۹)

۴۔ "ایام الصلح" میں لکھتے ہیں :۔

"ہماری اس کتاب اور دوسری کتابوں میں کوئی لفظ یا کوئی اشارہ ایسے معزز لوگوں کی طرف نہیں ہے۔ جو بدزبانی اور کمینگی کے طریق کو اختیار نہیں کرتے۔" (ٹائیٹل پیج صفحہ ۲)

پس سید حبیب کا یہ بے جا خدشہ ہے۔ کہ گویا ان لوگوں کے متعلق بھی حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی طرف سے سخت الفاظ استعمال کئے گئے۔ جنہوں نے بدزبانی کا طریق اختیار نہیں کیا۔

بعض مخالفین کو "ولد الحرام" کیوں کہا گیا

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام پر سخت کلامی کا جو اعتراض کیا جاتا ہے۔ اس کا اصولی جواب اگرچہ دیا جا چکا ہے۔ مگر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس مثال پر بھی کسی قدر روشنی ڈالدی جائے۔ جو سید حبیب نے اپنے اس اعتراض کے ثبوت میں "انوار الاسلام" سے پیش کی۔ اس کتاب میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام پیشگوئی متعلقہ آتھم پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"جو شخص اس صاف فیصلہ کے برخلاف شرارت اور عناد کی راہ سے بکواس کریگا اور اپنی شرارت سے بار بار کہیگا۔ کہ عیسائیوں کی فتح ہوئی۔ اور کچھ شرم اور حیا کو کام نہیں لائیگا۔ اور بغیر اس کے جو ہمارے اس فیصلہ کا انصاف کی رُو سے جواب دے۔ انکار اور زبان درازی سے باز نہیں آئے گا۔ اور ہماری فتح کا قائل نہیں ہوگا۔ تو صاف سمجھا جائیگا۔ کہ اس کو ولد الحرام بننے کا شوق ہے۔ اور حلال زادہ نہیں۔" (صفحہ ۳۰)

سید حبیب کا اعتراض یہ ہے۔ کہ کیوں ایسے شخص کے متعلق جو پیشگوئی متعلقہ آتھم کی صداقت کا قائل نہ ہو۔ یہ کہا گیا ہے۔ کہ "اس کو ولد الحرام بننے کا شوق ہے۔ اور حلال زادہ نہیں

انبیاء کی اولاد میں سے وہی ہوتا ہے جو پاکباز ہو

معلوم ہونا چاہئے۔ کہ قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انبیاء کی اولاد سے عام طور پر ان کی رُوحانی اولاد مراد ہوتی ہے۔ اور جو کوئی بھی رسول کا سچا متبع ہو۔ وہ اس رسول کی اولاد قرار پاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی بدعمل ہو۔ اور اس طریق کو چھوڑ دے۔ جس پر نبی یا رسُول چلانا چاہتا ہو۔ تو باوجود ظاہری اولاد میں سے ہونے کے اس کی اولاد میں سے نہیں کہا جا سکتا۔ قرآن مجید میں آتا ہے جب حضرت نوح علیہ السّلام کا بیٹا غرق ہونے لگا۔ تو حضرت نوح کے اس سوال پر کہ ان ابنی من اھلی یعنی میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے۔ اور میرے اہل کے بچانے کے متعلق تیرا وعدہ ہے۔ خدا تعالےٰ نے فرمایا۔ انہ لیس من اھلک انہ عملٌ غیر صالح (ہُود رکوع ۴) یعنی یہ تیرے اہل میں سے نہیں۔ کیونکہ بدعمل ہے۔ پس گو ظاہری طور پر وُہ حضرت نوح علیہ السّلام کا بیٹا تھا۔ لیکن خدا نے بوجہ بداعمال ہونے کے اس کو نوح کا بیٹا نہ مانا۔ اسی طرح قرآن شریف میں لکھا ہے۔ ازواجہ امھاتھم یعنی نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔ حالانکہ وہ ظاہری طور پر تو مومنوں کی مائیں نہیں۔ صرف روحانی طور پر مائیں ہیں۔ نیز جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہماری مائیں ٹھہریں۔ تو خود رسول ہمارا باپ ہوا۔ اس سے ثابت ہوا۔ کہ سب مومن رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہیں۔ خواہ ظاہری اولاد میں سے ہوں یا نہ ہوں لیکن بمطابق انہ لیس من اھلک۔ اگر ایک سید نعوذ باللہ اسلام کو چھوڑ کر عیسائی مذہب اختیار کرلے۔ تو کیا وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اولاد کہلا سکتا ہے۔ کبھی نہیں۔ حالانکہ وہ ظاہری طور پر آپ کی اولاد سے ہی ہے۔ اسی طرح اگر ایک ہندو کلمہ پڑھکر اسلام میں داخل ہو جائے۔ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی کامل متابعت کرے۔ تو وہ آپ کی اولاد میں داخل ہو جائیگا۔ حالانکہ ظاہری طور پر وُہ آپ کی اولاد میں سے نہیں۔ پس قرآن شریعت کا یہ فتویٰ ہے۔ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے آپ کی روحانی اولاد مراد ہے۔ اور اگر کوئی مسلمان کہلا کر اسلام کی توہین پر خوش ہو۔ اور اللہ اور رسول کے مخالفوں کی

ہاں میں ہاں ملائے۔ تو وہ آپ کی اولاد میں سے کٹ جائیگا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وھبنا لہٗ اسحٰق ویعقوب وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتاب (عنکبوت ع۳) یعنی ہم نے اس کی ذریت میں انعام نبوت رکھدیا۔ پھر بطور تشریح فرمایا۔ ومن ذریتہ داؤد وسلیمان وایوب ویوسف وموسیٰ وھارون وکذالک نجزی المحسنین۔ وزکریا ویحیٰ وعیسیٰ والیاس کلٌ من الصالحین۔ واسمٰعیل والیسع ویونس ولوطا وکلاً فضلنا علی العالمین ومن آبائھم وذریاتھم واخوانھم واجتبیناھم وھدیناھم الیٰ صراط مستقیم (انعام ع) اب سوال یہ ہے۔ کہ کیا اس نعمت سے حضرت ابراہیم کی تمام ذریت مستفیض ہوئی۔ یا بعض باوجود ان پر ذریت کا لفظ اطلاق پانے کے ذریت میں شمار نہ ہوئے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے کہا۔ انی جاعلک للناس اماما۔ تو انہوں نے کہا۔ ومن ذریتی۔ تو خدا تعالےٰ نے فرمایا۔ لاینال عھدی الظلمین (بقرہ ع۱۵) یعنی ظالم اس سے مستثنےٰ ہونگے۔ پس ظالموں کو باوجود ظاہری ذریت میں سے ہونے کے ذریت میں سے الگ کردیا گیا۔ اور ان سے وہ سلوک نہ کیا گیا۔ جس کا وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتاب میں وعدہ کیا گیا تھا۔ اس تشریح سے ظاہر ہے۔ کہ نبی کی اولاد میں سے وہی شخص کہلا سکتا ہے۔ جو نبی کا کامل متبع اور اس کے تمام احکام و اوامر پر چلنے والا ہو۔ لیکن اگر کوئی ایسا نہ ہو۔ تو وہ اولاد میں شمار ہونے کے قابل نہیں ہوتا۔ امت محمدیہ کے رسُول چونکہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لئے لازمی طور پر وہی مسلمان رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے قرار دیا جاسکتا ہے۔ جو اسلام کا عاشق۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا متبع دشمنانِ اسلام کا مخالف اور خدا تعالےٰ کی محبت کے نشہ میں چوُر ہو۔ اور اگر کوئی ایسا نہیں ہے۔ تو وہ اولاد رسُول میں سے نہیں۔ اور اسے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے۔ کہ تمہارے کام حلال زادوں کے سے نہیں۔ یعنی اگر تم رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے۔ صحیح معنوں میں آپ کی اولاد میں سے ہوتے۔ تو تم اپنے روحانی باپ حضرت محمدؐ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین کبھی نہ کرتے۔ تم اس کے لائے ہوئے

دین پر ہنسی اور تمسخر نہ اڑاتے۔ تم اسلام کے مقابلہ میں غیر مذاہب والوں کو فتحمند قرار نہ دیتے۔ مگر جب تم یہ سب کچھ دیکھتے۔ بلکہ کرتے ہو۔ تو تم ولدالحلال کہلانے کے بھی قابل نہیں۔

اسلام کے مقابلہ میں عیسائیت کو فتحیاب قرار دینے والے

انوارالاسلام میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے انہی معنوں میں یہ تحریر فرمایا ہے۔ کہ "جو شخص اس صاف فیصلہ کے برخلاف شرارت اور عناد کی راہ سے بکواس کریگا اور اپنی شرارت سے بار بار کہیگا۔ کہ عیسائیوں کی فتح ہوئی۔ اور کچھ شرم اور حیا کو کام نہیں لائیگا۔ اور بغیر اس کے جو ہمارے اس فیصلہ کا انصاف کی رُو سے جواب دے انکار اور زبان درازی سے باز نہیں آئیگا اور ہماری فتح کا قائل نہیں ہوگا۔ تو صاف سمجھا جائیگا۔ کہ اس کو ولدالحرام بننے کا شوق ہے۔ اور حلال زادہ نہیں۔" (صفہ ۳۰)

گویا وُہ شخص جو مسلمان کہلا کر اسلام کے مقابلہ میں عیسائیت کو فتحیاب قرار دیتا ہے۔ اور زبان درازی سے باز نہیں آتا۔ اور شرارت سے بار بار یہی کہتا ہے۔ کہ عیسائیوں کی فتح ہوئی۔ اس کے متعلق یہی سمجھا جاسکتا ہے۔ کہ اس کو "ولدالحرام بننے کا شوق" ہے۔ یعنی چاہتا ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذریت سے کٹ جائے۔ اور ثابت کردے۔ کہ وہ "حلال زادہ نہیں"۔ کیونکہ اس نے اپنے روحانی باپ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر اپنے آپ کو کسی اور کی طرف منسوب کر لیا۔

میں اس امر کی مزید تشریح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات سے ہی کرنی چاہتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:-

"بعض نام کے مسلمان جن کو نیم عیسائی کہنا چاہیئے۔ اس بات پر بہت خوش ہوئے۔ کہ عبداللہ آتھم پندرہ ماہ تک نہیں مرسکا۔ اور مارے خوشی کے صبر نہ کرسکے۔ آخر اشتہار نکالے۔ اور اپنی عادت کے موافق بہت کچھ ان میں گند بکا۔ اور اس ذاتی بخل کی وجہ سے جو میرے ساتھ تھا۔ اسلام پر بھی حملہ کیا۔ کیونکہ میرے مباحثات اسلام کی تائید میں تھے۔ نہ میرے مسیح موعود ہونے کی بحث میں۔ غایت درجہ میں ان کے خیال میں کافر تھا۔ یا شیطان تھا۔ یا دجال تھا لیکن بحث تو

جناب رسول اللہ صلعم کی صداقت اور قرآن کریم کی فضیلت کے بارہ میں تھی۔ اور صادق کاذب کی یہ تشریح لکھی گئی ہے۔ کہ جو شخص سچے دل سے حضرت خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہے۔ اور قرآن کریم کو اللہ تعالے کا کلام سمجھتا ہے وہ صادق ہے۔ اور جو حضرت مسیح کو خدا جانتا ہے۔ اور حضرت خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے انکاری ہے۔ وہ کاذب ہے۔ اسی فیصلہ کے لئے الہام پیش کیا گیا تھا لیکن ہمیں آہ کھینچکر کہنا پڑا۔ کہ مخالف مولویوں نے مجھے دروغگو ثابت کرنے کے لئے اللہ اور رسول کی عزت کا ذرہ خیال نہ کیا۔ اور میرا مغلوب ہونا اس بحث میں تسلیم کر لیا۔ اور اس صریح نتیجہ سے کچھ بھی نہ ڈرے۔ جو مغلوب ہونے کی حالت میں فریق مخالف کے ہاتھ میں آتا ہے۔ اور جب میاں ثناء اللہ وسعد اللہ و عبد الحق وغیرہ نے عیسائیوں کا غالب ہونا مان لیا۔ تو پھر کیوں یہ لوگ اپنے اشتہاروں میں عیسائیوں کے حال پر افسوس کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے اسلام کی تکذیب کیلئے یہ حجت قرار دی۔ جبکہ بحث اسلام اور عیسائیت کے صدق وکذب کی تھی۔ نہ میرے کسی خاص عقیدہ کی۔ تو نعوذ باللہ اگر میں مغلوب ہوں۔ تو پھر دشمن کے لئے حق پیدا ہو گیا۔ کہ اپنی عیسائیت کے صدق کا دعویٰ کرے امور بحث پر نظر چاہیئے۔ نہ مباحث پر مثلاً اگر ہماری طرف سے ایک بھنگی یا چمار جو دین سے بالکل الگ ہے۔ اسلامی حمایت میں عیسائیوں کے ساتھ مباہلہ کرے۔ تو پھر بھی یہ ممکن نہ ہوگا۔ کہ عیسائی فتحیاب ہوں۔ اور خدا تعالےٰ اس کا بھنگی یا چمار ہونا نہیں دیکھے گا۔ بلکہ اپنے دین کی عزت محفوظ رکھ لیگا۔ اور کبھی اسلام کو سبکی نہیں دکھلائیگا۔

تمہیں معلوم ہوگا۔ کہ بعض کافر اور بت پرست آنحضرت صلعم سے عہد صلح کر کے دوسرے کافروں کے ساتھ لڑتے تھے۔ اور چونکہ اس حالت میں مؤید اسلام تھے۔ تو دشمنوں پر فتح پاتے تھے۔ سو فرض کرو۔ کہ میں تمہاری نظر میں سب کافروں سے بدتر ہوں۔ اور دوسرے کافر تو خالدین فیہا ابدا کے جہنم میں سزا پائینگے اور میری سزا تمہاری نظر میں اس سے بھی بڑھکر ہے۔ کیونکہ تم نے میرا نام نہ صرف کافر بلکہ اکفر رکھا۔ مگر تاہم سوچنے کا مقام تھا۔ کہ امور بحث میں ان باتوں کا کچھ بھی

دخل نہ تھا۔ جن کی وجہ سے مجھکو آپ لوگ کافر اور اکفر اور دجّال کہتے ہیں۔ بلکہ زیر بحث وہی باتیں تھیں۔ جن کے لئے ہریک مسلمان کو غیرت کرنی چاہیئے۔ اور پھر طرفہ تر یہ کہ مجھکو مغلوب اور عیسائیوں کو غالب بتلاتے ہیں۔" (انوار الاسلام صفحہ ۲۳-۲۴)

پھر فرماتے ہیں:-

"اگرچہ بعض مسلمان جو منافق طبع ہیں۔ پادریوں کے ساتھ اس سے پہلے بھی مداہنہ کے ساتھ پیش آتے رہے ہیں۔ مگر جواب مولویوں اور ان کے ناقص العقل چیلوں نے ان پادری دجالوں کی ہاں کے ساتھ ہاں ملائی۔ اور ان کو فتحیاب قرار دیا۔ اور ان کی خوشی کے ساتھ خوشی منائی۔ اور شوخی اور چالاکی سے صدہا اشتہار لکھے۔ اور اہل حق پر لعنتیں بھیجیں۔ اور ان لعنتوں سے نصاریٰ کو خوش کیا۔ اور نصاریٰ کو غالب قرار دیا۔ اس کی نظیر تیرہ سو برس میں کسی صدی میں نہیں پائی جاتی پس یہ اسی پیشگوئی کا ظہور ہے۔ کہ جو حدیثوں میں آیا ہے کہ ستر ہزار مسلمان کہلانے والے دجّال کے ساتھ مل جائیں گے۔" (صفحہ ۴۸)

حضرت مسیح موعود نے کن لوگوں کے متعلق کہا۔ کہ وہ حلال زادہ نہیں

اس سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے انہی لوگوں کے متعلق یہ کہا۔ کہ وہ حلال زادہ نہیں۔ جو "نیم عیسائی" تھے۔ جنہوں نے "اسلام پر حملہ" کیا۔ عیسائیوں کو "فتحیاب" قرار دیا۔ ان کی خوشی کے ساتھ خوشی منائی"۔ "اہل حق پر لعنتیں" بھیجیں اور "اللہ اور رسول کی عزت کا ذرہ خیال نہ کیا"۔ حالانکہ "زیر بحث وہی باتیں تھیں۔ جن کے لئے ہریک مسلمان کو غیرت کرنی چاہیئے"۔

پھر فرماتے ہیں:-

"میاں عبد الحق غزنوی ہو۔ یا میاں ثناء اللہ یا سعد اللہ یا غلام رسول یا کوئی اور ہو۔ خوب یاد رکھیں۔ کہ مسلمان کہلا کر بے وجہ عیسائیوں کو غالب قرار دینا اور سراسر ظلم کے راہ سے ان کا نام فتحیاب رکھنا یہ حلال زادوں کا کام نہیں۔ چاہیئے۔ کہ اب بھی سمجھ جائیں۔ اور یقیناً اور غور کر کے دیکھ لیں۔ کہ اس بحث میں عیسائی مغلوب ہوئے ہیں۔" (صفحہ ۲۴)

اشتہار انعامی تین ہزار روپیہ میں بعض اعتراضات متعلقہ پیشگوئی آتھم کا جواب

دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "یوں ہی اسلامی بحث پر مخالفانہ حملہ کرنا اور زبان سے مسلمان کہلانا کسی ولد الحلال کا کام نہیں۔"

غرض ولد الحلال ہونے کی نفی ایسے ہی لوگوں سے کی گئی ہے۔ جو مسلمان کہلا کر بلا وجہ عیسائیوں کو غالب قرار دیں۔ اسلامی بحث پر مخالفانہ حملہ کریں۔ اور زبان سے مسلمان کہلاتے پھریں۔

مخالفین کا غلط استنباط

لیکن افسوس کہ مخالف لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس قسم کے الفاظ سے کہ وہ حلال زادہ نہیں۔ یہ نتیجہ نکال لیتے ہیں۔ کہ آپ نے ایسے شخص کو زنا سے پیدا شدہ شخص قرار دیا۔ حالانکہ ان الفاظ کا قطعاً یہ مفہوم نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعض تحریرات میں قبل ازیں درج کر چکا ہوں۔ اب بعض اور درج کر دیتا ہوں۔ جن میں آپ نے اس لفظ کی تشریح کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"اگر یہ دعوےٰ کرو۔ کہ عبد اللہ آتھم نے ایک ذرہ حق کی طرف رجوع نہیں کیا۔ اور نہ ڈرا۔ تو اس وہم کی بیخکنی کیلئے یہ سیدھا اور صاف معیار ہے۔ کہ ہم عبد اللہ آتھم کو دو ہزار روپیہ نقد دیتے ہیں۔ وہ تین مرتبہ قسم کھا کر یہ اقرار کر دے کہ میں نے ایک ذرہ بھی اسلام کی طرف رجوع نہیں کیا۔ اور نہ اسلامی پیشگوئی کی عظمت میرے دل میں سمائی۔ بلکہ برابر سخت دل اور دشمنِ اسلام رہا۔ اور مسیح کو برابر خدا ہی کہتا رہا۔ پھر اگر ہم اسی وقت بلا توقف دو ہزار روپیہ نہ دیں۔ تو ہم پر لعنت اور ہم جھوٹے اور ہمارا الہام جھوٹا۔ اور اگر عبد اللہ آتھم قسم نہ کھائے۔ یا قسم کی سزا میعاد کے اندر نہ دیکھ لے۔ تو ہم سچے اور ہمارا الہام سچا۔ پھر بھی اگر کوئی تحکم سے ہماری تکذیب کرے۔ اور اس معیار کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اور ناحق سچائی پر پردہ ڈالنا چاہے۔ تو بیشک وہ ولد الحلال اور نیک ذات نہیں ہوگا۔ کہ خواہ نخواہ حق سے روگردان ہوتا ہے۔ اور اپنی شیطنت سے کوشش کرتا ہے۔ کہ سچے جھوٹے ہو جائیں۔" (صفحہ ۲۹)

اس جگہ ولد الحلال کا مترادف لفظ "نیکذات" لکھکر بتا دیا گیا ہے۔ کہ ولد الحرام سے شریر الطبع لوگ مراد ہیں۔ جو بلا وجہ اسلام کو مورد اعتراضات بنانے پر خوش ہوتے

ہیں۔ پھر آپ نے "ولد الحرام" کی ساتھ ہی یہ تشریح کر دی۔ کہ وہ "خواہ نخواہ حق سے روگردان ہوتا ہے۔ اور اپنی شیطنت سے کوشش کرتا ہے۔ کہ سچے جھوٹے ہو جائیں۔" گویا اس لفظ سے زنا سے پیدا ہونے والا شخص مراد نہیں۔ بلکہ وہ ہے۔ جو حق سے روگردان ہوتا اور اپنی شیطنت سے سچوں کو جھوٹا قرار دیتا ہے۔

حرامزادہ کی نشانی

پھر فرماتے ہیں:۔

"حلال زادہ بننے کے لئے واجب یہ تھا۔ کہ اگر وہ مجھے جھوٹا جانتا ہے۔ اور عیسائیوں کو غالب اور فتحیاب قرار دیتا ہے۔ تو میری اس حجت کو واقعی طور پر رفع کرے۔ جو میں نے پیش کی ہے پس اس پر کھانا پینا حرام ہے۔ اگر وہ اس اشتہار کو پڑھے۔ اور مسٹر عبد اللہ آتھم کے پاس نہ جائے۔ اور اگر خدا تعالےٰ کے خوف سے نہیں۔ تو اس گندے لقب کے خوف سے بہت زور لگاوے۔ کہ تا وہ کلمات مذکورہ کا اقرار کر دے۔ اور تین ہزار روپیہ لے لے۔ اور یہ کارروائی کر دکھاوے۔ پھر اگر عبد اللہ آتھم میعاد قرار دادہ سے بچ جائے۔ تو بیشک تمام دُنیا میں مشہور کر دے۔ کہ عیسائیوں کی فتح ہوئی۔ ورنہ حرامزادہ کی یہی نشانی ہے۔ کہ سیدھی راہ اختیار نہ کرے۔ اور ظلم اور ناانصافی کی راہوں سے پیار کرتا رہے۔" (صفحہ ۳۱-۳۳)

اس جگہ صاف الفاظ میں بتا دیا گیا ہے۔ کہ "حرامزادہ" سے وہی شخص مراد ہے۔ جو "سیدھی راہ" اختیار نہ کرے۔ یعنی مسلمان کہلا کر اسلام کو غالب قرار نہ دے۔ اور عیسائیوں کو "غالب اور فتحمند" سمجھتا رہے۔

اسی طرح لکھتے ہیں:۔

"اگر اب بھی کوئی مولوی مخالف جو اپنی بدبختی سے عیسائی مذہب کا مددگار ہے۔ یا کوئی عیسائی یا ہندو یا آریہ یا کیسوں والا سکھ ہماری فتح نمایاں کا قائل نہ ہو تو اس کے لئے طریق یہ ہے۔ کہ مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب کو قسم مقدم الذکر کے کھانے پر آمادہ کرے۔ اور ہزار روپیہ نقد ان کو دلا دے۔ جس کے دینے میں ہم ان کی حلف کے بعد ایک منٹ کی توقف کا بھی وعدہ نہیں کرتے۔ اور اگر ایسا نہ کرے۔ اور محض اوباشوں اور بازاری بدمعاشوں کی طرح ٹھٹھا ہنسی کرتا پھرے۔ تو سمجھا جائیگا۔ کہ وہ شریف نہیں۔ بلکہ

اس کی فطرت میں خلل ہے۔" (ص۳۰ ضمیمہ انوار الاسلام)

"یہ نہایت صفائی کا فیصلہ ہے۔ اور کسی حلال زادہ کا کام نہیں۔ جو بغیر رعایت اس فیصلہ کے ہم کو جھوٹا اور شکست خوردہ قرار دے۔ یا بازاروں میں ٹھٹھا یا ہنسی کرتا پھرے اور بغلیں بجاتا پھرے۔" (ایضاً)

اس جگہ بھی ولد الحرام کی یہ تشریح کی گئی ہے۔ کہ وہ شخص جو "بدبختی سے عیسائی مذہب کا مددگار" بنتا اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے پیش کردہ طریقِ فیصلہ پر عمل نہیں کرتا اور اوباشوں اور بازاری بدمعاشوں کی طرح ہنسی ٹھٹھا کرتا پھرتا ہے۔ سمجھا جائیگا۔ کہ وہ شریف نہیں بلکہ اس کی "فطرت میں خلل" ہے۔

پھر لکھتے ہیں۔

"اب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ہمارے مخالفوں میں سے کون بلا توقف اس فیصلہ کے لئے سعی کرتا ہے۔ اور کون ولد الحرام بننے پر راضی ہوتا ہے۔" (انوار الاسلام ص۳۷)

معلوم ہوا۔ کہ اگر کوئی مخالف اس فیصلہ کے لئے سعی کریگا۔ تو وہ ولد الحرام نہیں کہلائیگا۔ پس یہ ایک نسبتی امر ٹھہرا۔ نہ کہ حقیقی۔

غرض معترضین کو یہ اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ان بدزبان مخالفین کو جنہوں نے پیشگوئی متعلقہ آتھم کے ضمن میں عیسائیت کو غالب اور اسلام کو مغلوب قرار دیا۔ اس رنگ میں ولد الحرام قرار نہیں دیا۔ کہ وہ زنا سے پیدا شدہ ہیں۔ بلکہ "اس طور سے اور اس شرط سے بد اصل اور ولد الحرام قرار دیا ہے۔ کہ نہ تو وہ اس خلافِ حق کلمہ سے منہ بند کریں۔ کہ اسلام اور عیسائیت کی بحث میں عیسائیوں کی فتح ہوئی اور نہ مسٹر آتھم صاحب کو قسم کھانے پر آمادہ کریں۔" (حاشیہ اشتہار انعامی دو ہزار روپیہ)

مسلمان کہلا کر عیسائیوں کا حامی بننے والا لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ کا مصداق ہے

اور اس میں کیا شبہ ہے۔ کہ وہ شخص جو مسلمان کہلا کر عیسائیوں کا حامی بنتا۔ قرآن مجید کا متبع بنکر دشمنانِ اسلام کی ہاں میں ہاں ملاتا۔ اور اوباشوں اور بازاری آدمیوں کی طرح ہنسی اور تمسخر میں صبح و مسا مشغول رہتا ہے۔ وہ کسی صورت میں بھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں شمار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس نے اپنے آپ کو کسی اور کی طرف منسوب

کرلیا۔ پس بمطابق انه ليس من اهلك وہ ولد الحلال یعنی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانی نسل میں سے نہیں۔ بلکہ ذریت شیطان میں سے ہے۔ جیسا کہ مسیح ناصری نے بھی یہود سے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔ کہ تم ابراہیم کی نسل سے ہو۔ تو بھی میرے قتل کی کوشش میں ہو۔ کیونکہ میرا کلام تمہارے دل میں جگہ نہیں کرتا۔ میں نے جو اپنے باپ کے ہاں دیکھا ہے وہ کہتا ہوں۔ اور تم نے جو اپنے باپ سے سنا ہے۔ وہ کرتے ہو۔ انہوں نے جواب میں اس سے کہا۔ کہ ہمارا باپ تو ابراہیم ہے۔ یسوع نے ان سے کہا۔ اگر تم ابراہیم کے فرزند ہوتے تو ابراہیم کے سے کام کرتے۔ لیکن اب تم مجھ جیسے شخص کے قتل کی کوشش میں ہو۔ جس نے تم کو وہی حق بات بتائی۔ جو خدا سے سُنی۔ ابراہیم نے تو یہ نہیں کیا تھا۔ تم اپنے باپ کے سے کام کرتے ہو۔ انہوں نے اس سے کہا۔ ہم حرام سے پیدا نہیں ہوئے۔ ہمارا ایک باپ ہے۔ یعنی خدا۔ یسوع نے ان سے کہا۔ اگر خدا تمہارا باپ ہوتا۔ تو تم مجھ سے محبت رکھتے اس لئے کہ میں خدا میں سے نکلا اور آیا ہوں۔ کیونکہ میں آپ سے نہیں آیا۔ بلکہ اسی نے مجھے بھیجا ہے۔ تم میری باتیں کیوں نہیں سمجھتے۔ اس لئے کہ میرا کلام سُن نہیں سکتے۔ تم اپنے باپ ابلیس سے ہو۔ اور اپنے باپ کی خواہشوں کو پورا کرنا چاہتے ہو۔" (یوحنا ۸ باب ۳۹ تا ۴۴)

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ

متقدمین نے بھی اس طریق کو اختیار کیا ہے۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ من شهد عليها بالزنا فهو ولد الزنا (کتاب الوصیۃ ص۳۱ مطبوعہ حیدر آباد) یعنی جو شخص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی تہمت لگاتا ہے وہ خود ولد الزنا ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ اس جگہ ولد الزنا سے وہی شخص مراد ہے۔ جو بدطینت بدخو اور برائی میں حد سے بڑھ جانے والا ہو۔ نہ کہ زنا کی اولاد۔

علامہ رازی کی شہادت

علامہ رازی فرماتے ہیں۔ کہ:۔

"ان النطفة اذا خبثت خبث الولد" (تفسیر کبیر جلد ۵ ص۱۵۸) یعنی شرارتوں پر اصرار خباثتِ اصل کی دلیل ہوتا ہے۔

پس اسی رنگ میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے ان لوگوں کی شرارت کو جنہوں نے

اوباشوں کا طریق اختیار کیا۔ انکی خباثت اصل کی دلیل قرار دی۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ان کی بدطینتی کی بناء پر انہیں ولد الحرام قرار دے دیا۔

حضرت مسیح موعودؑ کو معاذ اللہ "زنیم" کہنے والے

دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عمومیت کے رنگ میں مخالفین کو ولد الحرام قرار نہیں دیا۔ بلکہ بعض خاص لوگوں کو اس میں مخاطب کیا ہے۔ اور ولد الحرام انہیں اس لئے کہا۔ کہ ان لوگوں نے اپنی شیطنت اور خباثت کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق یہی الفاظ استعمال کئے تھے۔ چنانچہ چند مخالفین کی تحریرات درج ذیل ہیں۔

(۱) "آتھم عیسائی کے مذہب میں تو قسم کھانا منع ہے۔ تو شاید اس نئے عیسائی پلید کے مذہب میں بھی قسم کھانا منع ہے۔ مرزا جو حیلہ سازیاں اور روبہ بازیاں کر رہا ہے۔ یہ سوائے مرزا کسی نیک اصل اور حلال زادہ کا کام نہیں ہے" (سوط ربانی بر سر دجال کادیانی)

(۲) "اے بے ایمانی کا پیالہ پینے والے مرزا۔ تو بڑا بے ایمان ہے۔ تیرے سے تو کسی چوہڑے کو بھی ہدایت نصیب نہیں ہوئی۔ واہ رے تیرے تفنن۔ اور تو ایسا بدذات ہے۔ اگر تو زنیم نہ ہوتا۔ تو تیرے منہ سے یہ کفر کبھی نہ نکلتا" (محمد علی بھوپڑی اشتہار سیف القہار ص۲)

(۳) "مرزا صاحب مباہلے کے لئے مسجد شاہی کے منارے پر چلیں۔ اور وہاں سے شیخ طہرانی کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر زمین پر بیباکانہ کود پڑیں۔ جھوٹے کو خدا ہلاک کریگا اور صادق کو بچائیگا۔ اگر یہ سچے مسیح موعود ہیں تو ضرور خدا اپنے مسیح کی مدد کرے گا۔ جو مسیح ابن مریم کو زمین سے آسمان تک لے گیا ہے۔ کیا وہ اس مسیح ابن نامعلوم کو مسجد کے منارے سے زمین تک سلامت نہیں لا سکتا" (ص۳ اشتہار حقائق الحق از شیعان لاہور۔ منقول از اخبار فاروق مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۳۲ء)

(۴) "گر دیر میں پکڑے گا تو پکڑے گا سخت۔
کیا تو نے نہیں سنا کہ رسی ہے دراز"

(اشتہار النصیحۃ سعد اللہ لدھیانوی ص منقول از اخبار فاروق ایضاً)

اسی طرح مولوی عبد المجید دہلوی نے ایک اشتہار ۱۹ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو "گریز ثانی شدہ قادیانی" کی سرخی سے شائع کرتے ہوئے اس میں یہ عبارت لکھی "ہم آخر میں نصیحۃ

چند آیتیں مرزا جی کے اتباع (مریدوں) کو سناتے ہیں۔ اگر دل ہے تو سمجھیں گے۔ یقین ہے تو قبول کرینگے۔

قال تعالیٰ ولا تطع کل حلاف مھین ھماز مشاء بنمیم مناع للخیر معتد اثیم عتل بعد ذالک زنیم الایۃ" (منقول از اخبار فاروق ۱۲ دسمبر ۱۹۳۱ء ص۲ کالم ۳)

چونکہ خدا تعالےٰ کے انبیاء دنیا کے لئے بمنزلہ آئینہ ہوتے ہیں۔ اور جب کوئی شخص انہیں برا بھلا کہتا ہے۔ تو درحقیقت وہ اپنی ہی گندی فطرت کا اظہار کر رہا ہوتا ہے۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہی کے الفاظ ان پر لوٹا دیئے۔ اور اسی رنگ میں انہیں بد اصل کہدیا۔ جس رنگ میں قرآن مجید نے بعض مخالفین اسلام کو "زنیم" کہا ہے

غلط حوالے

تیسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات میں بعض ایسے حوالے ہیں۔ جو تلاش کرنے پر بھی دستیاب نہیں ہو سکتے۔ مگر پیشتر اس کے کہ ان حوالہ جات کے متعلق کوئی بحث کی جائے۔ جنہیں سید حبیب نے پیش کیا ہے یہ کہدینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ گو یہ صحیح ہے۔ کہ "ہر صاحب قلم کا فرض ہے۔ کہ وہ حوالہ دیتے ہوئے انتہائی احتیاط سے کام لے" مگر چونکہ انسان سہو و نسیان سے پاک نہیں۔ اس لئے ہو سکتا ہے۔ کہ بعض دفعہ حوالہ دینے میں کوئی غلطی کر جائے میں اس کی مثال میں خود سید حبیب کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۶۱ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف ایک نظم منسوب کی ہے۔ جس کے متعلق ہمارا دعوے ہے۔ کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نہیں۔ سید حبیب کو بتایا گیا تھا۔ کہ اسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا ان کی غلطی ہے مگر کتابی صورت میں مضامین لانے پر انہوں نے پھر اس نظم کو حضرت مسیح موعود کی طرف منسوب کر دیا۔ پس وہ بتلائیں۔ کہ کیا انہوں نے اس ضمن میں اس فرض کو ادا کیا جو "ہر صاحب قلم" کا انہوں نے قرار دیا ہے۔ اور کیا "اخلاق تہذیب۔ دیانت تحریر اور شرافت" کا انہوں نے پاس کیا۔ اسی طرح "تحریک قادیان" کے صفحہ ۱۲۹ پر حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک پیشگوئی بیان

کی گئی۔ اور اسے شہادۃ القرآن صفحہ ۸۰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ مگر نہ تو شہادۃ القرآن میں اس کا کوئی ذکر ہے۔ اور نہ کسی اور کتاب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم و مغفور کی وفات کے متعلق کوئی پیشگوئی کی۔ پھر کیا سید حبیب اپنے اس فعل کو بھی "اخلاق تہذیب۔ دیانت تحریر اور شرافت" کے خلاف قرار دینگے؟

متقدمین کی حوالجات دینے میں لغزشیں

اصل بات یہ ہے۔ کہ انسان خواہ کس قدر محتاط ہو۔ چونکہ سہو و نسیان بشریت کا خاصہ ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے۔ کہ کسی موقعہ پر اس سے حوالہ دینے میں غلطی سرزد ہو جائے میں اس کی مثال میں بعض متقدمین کی بھی مثالیں پیش کرتا ہوں۔

ا۔ علامہ سعدالدین تفتازانی۔ ملا خسرو اور ملا عبدالحکیم تینوں نے حدیث یکثر لکم الاحادیث بعدی کے متعلق لکھا ہے۔ کہ یہ بخاری میں ہے۔ (توضیح شرح تلویح جلد ا صفحہ ۲۶۱) حالانکہ یہ حدیث بخاری میں نہیں۔

ب۔ موضوعات کبیر صفحہ ۳۷ پر لکھا ہے۔ خیر السودان ثلاثة لقمان وبلال ومهجع مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رواہ البخاری فی صحیحہ عن واثلة بن الاسقع مرفوعاً کذا ذکرہ ابن الربیع۔ لکن قول البخاری سهو قلم اما من الناقل او من المصنف فان الحدیث لیس فی البخاری۔

یعنی یہ حدیث کہ سوڈان کے بہترین آدمی تین ہیں۔ لقمان۔ بلال اور مہجع۔ اس کے متعلق علامہ ابن ربیع کا قول ہے۔ کہ یہ بخاری میں ہے۔ مگر ملا علی قاری لکھتے ہیں۔ کہ یہ کہنا یا تو مصنف کا سہو ہے یا کتابت کی غلطی۔ کیونکہ یہ حدیث بخاری میں نہیں ہے۔

ج:۔ امام بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات میں لکھا ہے۔ کہ کیف انتم اذا نزل عیسے ابن مریم فیکم من السماء و امامکم منکم رواہ البخاری۔ کہ بخاری میں یہ آتا ہے۔ کہ کیف انتم اذا نزل عیسے ابن مریم فیکم من السماء۔ حالانکہ بخاری میں "من السماء" کا لفظ قطعاً موجود نہیں۔ یہ مثالیں اس امر کا ثبوت ہیں۔ کہ محتاط انسان بھی بعض دفعہ حوالہ دینے میں غلطی کر سکتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام بھی چونکہ بشر ہوتے ہیں۔ اس لئے ان سے بھی اس قسم کی غلطی

کا صدور ممکن ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

انما انا بشر مثلکم اخطی و اصیب (نبراس شرح الشرح لعقائد نسفی صفحہ ۳۹۲)

یعنی میں چونکہ تمہاری طرح بشر ہوں۔ اس لئے مجھ سے بھی خطا و صواب دونوں کا صدور ممکن ہے۔ اسی بناء پر آپ نے ایک دفعہ جبکہ فرض نماز آپ نے چار رکعت کی بجائے دو رکعت پڑھادی۔ اور ایک شخص ذوالیدین نامی نے دریافت کیا۔ کہ انسیت ام قصرت۔ یعنی کیا آپ بھول گئے یا نماز قصر کر کے حضور نے پڑھی ہے۔ فرمایا۔ کہ لم انس ولم تقصر (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب من یکبر فی سجدتی السهو جلد ا صفحہ ۱۶۱)

یعنی نہ تو میں بھولا ہوں۔ اور نہ نماز قصر کی گئی۔ حالانکہ آپ یقینی طور پر بھولے تھے اسی لئے جب باقی صحابہؓ نے ذوالیدین کی تصدیق کی۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے باقی دو رکعتیں بھی پڑھا دیں۔ اور بعد میں سجدۂ سہو کیا۔

میرا اس تحریر سے مدعا یہ ہے۔ کہ اصولی طور پر حوالہ میں غلطی ہو جانا کوئی ایسا امر نہیں جس کے متعلق یہ کہا جا سکے۔ کہ یہ "کسی صاحب دیانت انسان کی شان کے شایان نہیں"۔ اگر اس اصل کو تسلیم کر لیا گیا۔ تو سید حبیب کو علامہ سعدالدین ملا خسرو۔ ملا عبدالحکیم۔ امام بیہقی اور علامہ ابن ربیع سب کو "صاحب دیانت" انسانوں کی فہرست سے خارج کرنا پڑے گا۔ بلکہ خود اپنے آپ کو بھی وہ "صاحب دیانت" انسانوں میں بمشکل شمار کر سکیں گے۔ پھر انبیاء کے متعلق جب یہ مسلمہ اصل ہے۔ کہ وہ بھی بشر ہوتے ہیں اور ان سے بھی خطا و صواب کا صدور ممکن ہے۔ تو اگر کوئی نبی خصوصًا ایسا نبی جو قلم کے زمانہ میں مبعوث ہوا ہو۔ کوئی حوالہ دیتے وقت بشری کمزوری کے ماتحت صحیح اندراج نہ کرے۔ تو یہ امر اس کی نبوت کے منافی کیونکر ہو سکتا ہے۔

نادرست حوالوں کے متعلق الزامی جواب

الزامی جواب یہ ہے کہ:۔

ا۔ قرآن کریم میں حضرت عیسے علیہ السلام کے متعلق آتا ہے۔ انہوں نے اپنی قوم کو بشارت دیتے ہوئے کہا۔ کہ میرے بعد ایک رسول مبعوث ہوگا۔ اسمہ احمد (سورہ صف) جس کا نام احمد ہوگا۔ بتایا جائے۔ کہ حضرت عیسے علیہ السلام کا یہ قول انجیل میں کس جگہ درج ہے۔

ب: اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ النبی الامی الذی یجدونہٗ مکتوبًا عندھم فی التوراۃ والانجیل۔ (سورۂ اعراف) یعنی محمد صلے اللہ علیہ وسلم جو "امی نبی" ہیں ان کا تورات و انجیل میں ذکر موجود ہے۔ کیا کوئی شخص موجودہ تورات و انجیل سے اس "امی نبی" فداہ روحی کی بعثت کا ذکر نکال سکتا ہے؟

ج:۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ فیھا کتبٌ قیمۃ (البینۃ ع۱) یعنی اس میں تمام گذشتہ آسمانی کتابیں جمع کر دی گئی ہیں۔ اس کی صداقت کے لئے کیا توراۃ۔ انجیل اور دیگر صحف انبیاء اپنی اصل عبارت میں قرآن کریم سے دکھلائے جا سکتے ہیں؟

د۔ سورۃ الاعلےٰ کے آخر میں آتا ہے۔ ان ھذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراھیم وموسیٰ۔ یعنی اس میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ ابراہیم اور موسےٰ کے صحیفوں میں بھی ہے۔ کیا کوئی شخص ہے جو یہ سورۃ بلفظہٖ حضرت ابراہیم اور حضرت موسےٰ علیہم السّلام کے صحیفوں میں سے دکھلا سکے۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ اس جگہ بھی جھوٹ یا تحریف کا الزام عائد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ قرآن نے جن امور کو کتب سابقہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ گو وہ امور قرآنی الفاظ میں کتب سابقہ میں نہیں پائے جاتے۔ مگر چونکہ ان کا مفہوم ان میں پایا جاتا ہے اس لئے یہ تحریف نہیں۔ بلکہ اپنے الفاظ میں کسی کے مطلب کو ادا کرنا کہلائے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ مفہوم ادا کرتے وقت الفاظ میں اختلاف کا واقعہ ہو جانا کوئی قابل اعتراض امر نہیں۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السّلام پر مخالفین احمدیت حوالجات کے ضمن میں جس قدر اعتراضات کرتے ہیں۔ اگر ان اعتراضات کے کرتے وقت وہ ان دو امور کو ملحوظ رکھ لیا کریں۔ یعنی اول یہ کہ انسان بشریت کے لحاظ سے کبھی غلطی بھی کر سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ بعض دفعہ بجائے اصل الفاظ نقل کرنے کے دوسرے کا مفہوم اپنے الفاظ میں ادا کر دیتا ہے۔ اور اس سے لفظی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ جو قابل اعتراض امر نہیں۔ تو میں سمجھتا ہوں۔ وہ اپنے ہر اعتراض کا جواب خود ہی سمجھ جائیں۔

ان تمہیدی سطور کے بعد میں مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ ان حوالجات کا پتہ لگایا جائے جنہیں سید حبیب تلاش کرنے کے باوجود ناکام رہے ہیں۔

حضرت مجدد صاحب سرہندی کے ایک مکتوب کا حوالہ

پہلا امر یہ پیش کیا گیا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے "حقیقۃ الوحی" میں لکھا ہے "مجدد صاحب سرہندی نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے۔ کہ اگرچہ اس امت کے بعض افراد مکالمہ و مخاطبۂ الہیہ سے مخصوص ہیں۔ اور قیامت تک مخصوص رہیں گے۔ لیکن جس شخص کو بکثرت اس مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف کیا جائے۔ اور بکثرت امور غیبیہ اس پر ظاہر کئے جائیں۔ وہ نبی کہلاتا ہے۔" (صفحہ ۳۹۰)

سید حبیب کا اعتراض یہ ہے۔ کہ "حضرت مجدد صاحب سرہندی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے ایسے اشخاص کے لئے اس طرح کبھی لفظ نبی استعمال نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے لفظ محدث لکھا ہے۔ مرزا صاحب نے خود دعوےٰ کیا۔ کہ ایسے محدث نبی ہوتے ہیں۔ اور اس غرض سے حضرت سرہندی کی تحریر کو بدل دیا۔" (تحریک قادیان صفحہ ۱۶۳)

سید حبیب نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ ازالۂ اوہام صفحہ ۹۱۵ اور تحفۂ بغداد صفحہ ۲۱ پر بھی حضرت مرزا صاحب نے یہی کچھ لکھا۔ اور حضرت مجدد صاحب سرہندی کی تحریر میں تحریف کا ارتکاب کیا۔

ازالۂ اوہام اور تحفۂ بغداد میں مکتوب کے اصل الفاظ درج ہیں

میں سمجھتا ہوں۔ چونکہ سید حبیب نے بذات خود ازالۂ اوہام اور تحفۂ بغداد نہیں دیکھا اس لئے انہوں نے کہیں سے بلا سوچے سمجھے یہ نقل کر دیا۔ کہ تحفۂ بغداد اور ازالۂ اوہام میں بھی وہی کچھ بیان کیا گیا ہے۔ جو حقیقۃ الوحی میں آپ نے بیان کیا۔ حالانکہ ازالۂ اوہام صفحہ ۹۱۴ اور ۹۱۵ نیز حاشیہ تحفۂ بغداد صفحہ ۲۱ پر حضرت مجدد صاحب کے مکتوب کے اصل الفاظ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے نقل فرمائے ہیں۔

صرف حقیقۃ الوحی کی عبارت جو کہ اوپر درج ہو چکی۔ ظاہر بین نگاہوں میں قابل اعتراض سمجھی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر حقیقت پر غور کیا جائے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اس میں بھی جو کچھ لکھا۔ وہ صحیح اور درست ہے۔ اور وہی مجدد صاحب سرہندی کا مذہب ہے۔

حقیقۃ الوحی میں بجائے الفاظ درج کرنیکے مفہوم بیان کیا گیا ہے

واقعہ یہ ہے۔ کہ حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۳۹۰ پر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے مجدد صاحب

سرہندی کی طرف جس امر کو منسوب کیا۔ اس کے پڑھنے سے صاف طور پر یہ امر مستنبط ہوتا ہے۔ کہ آپ نے اپنے الفاظ میں حضرت مجدد صاحب کے ایک مفہوم کو ادا کیا ہے۔ یعنی وہ عبارت بجنسہٖ مجدد صاحب سرہندی کے کسی مکتوب سے منقول نہیں۔ بلکہ ایک مفہوم ہے۔ جو حضرت اقدس نے اپنے الفاظ میں ادا کیا۔ پس جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اس عبارت میں مجدد صاحب کے اصل الفاظ درج نہیں کئے۔ بلکہ مفہوم ادا کیا ہے۔ تو یہ ضروری نہ رہا۔ کہ اس کے عین مطابق حضرت مجدد صاحب سرہندی کے کسی مکتوب میں عبارت بھی درج ہو۔ بلکہ اگر حضرت مجدد صاحب کے ایک یا زیادہ مکتوبات سے وہ مفہوم اخذ ہو جائے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے بیان کیا۔ تو حضرت مسیح موعودؑ کی تحریر صحیح ثابت ہو جائے گی۔

خدا تعالیٰ کے ہمکلام ہونے کے تین رنگ

میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے اس قول کی سچائی ثابت کرنے کے لئے جو آپ نے حضرت مجدد صاحب سرہندی کی طرف منسوب کیا۔ پھر قارئین کرام کی توجہ اسی مکتوب کی طرف منعطف کرانی چاہتا ہوں۔ جو آپ نے ازالۂ اوہام اور تحفۂ بغداد میں درج فرمایا۔ اور جس کے الفاظ یہ ہیں کہ:-

"اعلم ایها الاخ الصدیق ان کلامهٗ سبحانه مع البشر قد یکون شفاهاً وذالك الافراد من الانبیاء علیهم الصلوٰة والتسلیمات وقد یکون ذالك لبعض الکمل من متابعیهم بالتبعیة والوراثة ایضاً واذا کثر هذا القسم من الکلام مع واحد منهم سمّی محدثاً" (مکتوبات امام ربانی جلد ثانی ص۹۹ مکتوب پنجاه ویکم بخواجہ محمدؒ صدیق)

یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنے بشر کے ساتھ کلام کرنا (۱) کبھی تو آمنے سامنے اور ہمکلامی کے رنگ میں ہوتا ہے۔ اور یہ لوگ جن سے بالمشافہ گفتگو ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انبیاء کہلاتے ہیں۔

(۲) کبھی یہ ہمکلامی کا مرتبہ ان لوگوں کو ملتا ہے۔ جو انبیاء کے کامل متبعین میں سے ہوتے ہیں۔

(۳)۔ یہ کامل متبعین اگرچہ سب ہی درجہ بدرجہ اپنی استعدادوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کے کلام سے حصہ پاتے ہیں لیکن ان کامل متبعین میں سے جس سے بکثرت

مکالمہ و مخاطبۂ الٰہیہ ہو۔ وہ محدّث کہلاتا ہے۔

اس مکتوب میں حضرت مجدد صاحب الف ثانی نے تین قسم کے گروہوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک تو وہ گروہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے بالمشافہ ہمکلام ہوتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے انبیاء۔ یہ سب سے اعلیٰ گروہ ہے۔ ایک وہ گروہ ہے۔ جو انبیاء کے کامل متبعین میں سے ہوتا ہے۔ انہیں انبیاء کی پیروی کی برکت سے اپنی استعدادوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کے کلام سے حصہ ملتا ہے۔ یہ بمقابل اعلیٰ طبقہ کے ادنیٰ طبقہ ہے مگر ان دونوں طبقوں کے درمیان ایک اور طبقہ ہے۔ جو اگرچہ کامل متبعین میں ہی داخل ہے مگر چونکہ اپنے دائرہ میں اس سے بکثرت مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اپنے دائرہ کے کامل متبعین سے ممتاز ہو جاتا اور محدث کہلاتا ہے۔

نبوّت، محدثیّت اور صالحیّت کے مقامات کا ذکر

پس درحقیقت حضرت مجدد صاحب الف ثانی نے اس میں نبوت۔ محدثیت اور صالحیّت کے تین مقامات کا ذکر کیا ہے۔ اور بتایا ہے۔ کہ انبیا علیہم السّلام سے سب سے زیادہ مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ ہوتا ہے۔ صالحین سے سب سے کم مکالمہ ہوتا ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان محدثیت کا مقام ہے یعنی صالحین اور کامل متبعین میں سے جو شخص بلحاظ مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ فائق ہو جائے۔ اور اپنے دائرہ کے لوگوں کے لحاظ سے اس سے بکثرت مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ شروع ہو جائے وہ محدث کہلاتا ہے۔

مکتوب کے فقرۂ اولیٰ کی طرف اشارہ

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے حقیقۃ الوحی میں جو یہ بیان فرمایا۔ "کہ مجدد صاحب سرہندی نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے۔ کہ اگرچہ اس امت کے بعض افراد مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ سے مخصوص ہیں۔ اور قیامت تک مخصوص رہینگے لیکن جس شخص کو بکثرت اس مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف کیا جائے۔ اور بکثرت امور غیبیہ اس پر ظاہر کئے جائیں۔ وہ نبی کہلاتا ہے۔" تو دراصل آپ نے مجدد صاحب سرہندی کے اسی مکتوب کی پہلی شق یا فقرۂ اولےٰ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ جب انبیاء کی متابعت سے مجدد صاحب سرہندی کے نزدیک محدث کثرت مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہو جاتا ہے۔ تو نبی تو بہر صورت ان کے نزدیک بدرجۂ اولےٰ اس

کثرت مکالمہ ومخاطبہ سے مشرف ہوگا پس آپ نے مجدد صاحب کی طرف جوامر منسوب کیا۔ وُہ غلط نہیں۔ بلکہ مجدد صاحب کا وہی مذہب ہے۔ جو آپ نے بیان کیا کیونکہ جب ایک طرف وہ یہ کہتے ہیں۔ کہ انبیاء سے اللہ تعالےٰ ہمکلام ہوتا ہے۔ دوسری طرف وہ یہ کہتے ہیں۔ کہ ان کے کامل متبعین سے بھی اللہ تعالےٰ ہمکلام ہوا کرتا ہے۔ اور تیسری طرف وہ یہ کہتے ہیں۔ کہ انبیاء کے کامل متبعین میں سے جس شخص کے ساتھ بکثرت مکالمہ ومخاطبہ شروع ہو جائے۔ وہ اپنے دائرہ میں ممتاز ہو کر محدث کہلاتا ہے۔ اور یہ کمال بھی اسے بالتبعیۃ والوراثۃ یعنی انبیاء کی پیروی سے حاصل ہوتا ہے۔ تو لازمًا وُہ شخص جو مطاع ہوگا۔ یعنی نبی اور رسول جس کی پیروی سے ایک شخص محدثیت کے مقام تک پہونچیگا۔ جس کی اطاعت سے اس نے بکثرت مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ کا شرف حاصل کیا ہوگا۔ وہ تو بہرحال بہت زیادہ کثرت کے ساتھ مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ کے ساتھ مشرف ہوگا۔ اور بہرحال اس پر سب سے زیادہ امور غیبیہ کا انکشاف کیا جائیگا۔ پس اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ مجدد صاحب کے نزدیک اگرچہ محدث بھی کثرت مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہوتا ہے۔ مگر اس کی کثرت بمقابلہ عام صالحین اور کامل متبعین کے ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں یہ کثرت نہیں۔ بلکہ قلت ہے۔ کیونکہ یہ کثرت تو انبیاء کی پیروی کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ پس جو کثرت انبیاء کی پیروی سے ایک شخص حاصل کرسکتا ہے۔ خیال کرنا چاہیئے۔ کہ وہی خوبی ایک نبی اور رسُول میں کس درجہ تک پائی جاتی ہوگی۔ غرض حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے حقیقۃ الوحی میں مجدد صاحب سرہندی کی طرف جو امر منسُوب کیا۔ وہ اصل الفاظ نہیں۔ بلکہ آپ کے ایک مکتوب سے استنباط کرتے ہوئے لکھے گئے ہیں۔ اور میں ثابت کرچکا ہوں کہ یہ مکتوب بالصراحت ظاہر کرتا ہے۔ کہ جس شخص کو بکثرت مکالمہ ومخاطبہ سے مشرف کیا جائے۔ اور بکثرت امور غیبیہ اس پر ظاہر کئے جائیں۔ وہ محدث نہیں۔ بلکہ نبی کہلاتا ہے۔ کیونکہ محدث پر جو اظہار غیب ہوتا ہے۔ یا محدث جس رنگ میں کثرت مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہوتا ہے۔ وہ کثرت ان لوگوں کے مقابلہ میں ہے۔ جو صالح ہیں۔ مگر انبیاء سے تو بہرحال محدث سے زیادہ مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ ہوتا ہے

کیونکہ جس کا متبع اللہ تعالےٰ سے بکثرت مکالمہ ومخاطبہ کا شرف حاصل کرلے۔ وُہ خود اس سے بہت زیادہ بلند مقام پر فائز ہوتا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حقیقۃ الوحی میں اسی مکتوب کی پہلی شق سے استنباط کرتے ہوئے مجدد صاحب سرہندی کا مذہب ایسے واضح اور لطیف طریق میں بیان کیا ہے کہ کوئی شخص اسے جھٹلانے پر قادر نہیں ہوسکتا۔

قرآن کریم کا بیان کردہ ایک واقعہ

اس مفہوم کو واضح کرنے کے لئے قرآن مجید کے ایک واقعہ کو بطور مثال پیش کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ سورۂ بقرہ میں سرداران بنی اسرائیل کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ کہ انہوں نے اپنے وقت کے نبی سے جہاد کی خواہش ظاہر کی۔ تو اس نے کہا۔ اگر جہاد فرض کیا گیا۔ تو کچھ بعید نہیں۔ کہ تم اس فرض کو ادا نہ کر سکو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ باوجود دعووں اور تعلّیوں کے جب جہاد فرض کیا گیا۔ تو ان میں سے سوائے قلیل التعداد افراد کے اکثر اپنے عہد سے منحرف ہوگئے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ فلما کتب علیھم القتال تولّوا الا قلیلاً منھم۔ یعنی جب ان پر جہاد فرض کیا گیا۔ تو قلیل افراد کے سوا باقی سب پھر گئے۔ اس جگہ ان لوگوں کو جو مجاہد تھے۔ قلیل کہا گیا ہے۔ کیونکہ کثیر ایسے تھے۔ جو جہاد کے لئے تیار نہ ہوئے۔ اس کے بعد طالوت اور ان کے ہمراہیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ فلما فصل طالوت بالجنود قال ان اللہ مبتلیکم بنھر فمن شرب منہ فلیس منی ومن لم یطعمہٗ فانہ منی۔ الا من اغترف غرفۃً بیدہٖ فشربوا منہ الّا قلیلاً منھم۔ یعنی جب طالوت اپنی فوج سمیت روانہ ہوئے۔ تو انہوں نے اپنے ہمراہیوں سے کہا۔ کہ راستہ میں ایک نہر آئیگی۔ خدا اس کے ذریعہ تمہارا امتحان لینا چاہتا ہے۔ پس جو شخص پانی پی لیگا۔ اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہ ہوگا۔ اور جو نہیں پیئے گا۔ وہ مجھ سے ہے۔ ہاں چلّو بھر پینے میں کوئی حرج نہ ہوگا۔ جب نہر پر لشکری پہونچے۔ تو قلیل التعداد افراد کے سوا باقی سب نے پانی پی لیا۔ اس جگہ ان لوگوں کو جنہوں نے پانی نہ پیا۔ قلیل کہا گیا ہے حالانکہ پہلے ان سب کو یعنی طالوت کے تمام ہمراہیوں کو قطع نظر اس سے کہ وہ نہر کو

پانی پینے والے تھے یا نہ پینے والے مجموعی طور پر قلیل کہا گیا تھا۔ ان الفاظ کی مشارکت مگر مفہوم کی مغائرت یہ امر ظاہر کرتی ہے۔ کہ پہلی جگہ جو قلیل کہا گیا۔ تو وُہ کثیر کے مقابل میں تھا۔ اور دوسری جگہ بھی گو قلیل کثیر کے مقابل میں ہی کہا گیا مگر وہ اپنے دائرہ کے کثیر افراد کے مقابلہ میں ہے۔ گویا دوسری جگہ کے قلیل سے اقل مراد ہے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ کثرت وقلت کا مفہوم ہمیشہ بدلتا رہتا ہے۔ اور ایک ہی چیز جو ایک وقت اپنے دائرہ میں قلیل ہوتی ہے۔ بمقابل اس سے ادنےٰ چیز کے کثیر ہو جاتی ہے۔ اور وہی چیز جو ایک صورت میں کثیر ہوتی ہے۔ جب اس سے اعلےٰ چیز اس کے سامنے آئے۔ تو قلیل ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کا کثیر حصہ پھر گیا۔ مگر قلیل نے اطاعت کی۔ تو یہی قلیل بعد میں کثیر قرار دیا گیا۔ جبکہ ان میں سے قلیلاً منہم کہکر بعض لوگ علیحدہ کر لئے گئے۔ اسی طرح بیشک ایک صورت میں طالوت کے ہمراہیوں کو کثیر کہا جا سکتا ہے۔ مگر بالمقابل افراد بنی اسرائیل انہیں قلیل کہا جائے گا۔ یہی صورت حضرت مجدد صاحب الف ثانی کے مکتوب پر بھی منطبق ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک محدث انبیاء کی متابعت سے کثرت مکالمہ ومخاطبہ سے مشرف ہوتا ہے۔ مگر یہ کثرت بمقابلہ صلحا و اولیاء ہے۔ نہ کہ انبیا علیہم السلام کے بالمقابل۔ اور انبیاء کو جو کثرت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بالمقابل محدثین کی کثرت کثرت نہیں بلکہ قلت ہے پس جب کہ انبیاء کی متابعت سے محدث کثرت مکالمہ ومخاطبہ سے مشرف ہو سکتا ہے۔ تو بہرحال یہ امر ظاہر ہوا۔ کہ نبی وہ ہوتا ہے۔ جس پر انتہائی کثرت کے ساتھ اظہار غیب ہو۔ اور انتہائی کثرت سے اس کے ساتھ مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ ہو۔ یہ نبی کی وُہ تعریف ہے۔ جو حضرت مجدد صاحب الف ثانی کے مکتوب سے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اخذ کی اور جس پر غور کرنے سے کوئی فہیم اور روشن دماغ انسان اس کی تصدیق کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ کا سلسلہ تاقیامت جاری ہے

اس جگہ یہ ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی تحریر کا ابتدائی حصّہ یہ تھا۔ کہ "اگرچہ اس امت کے بعض افراد مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ

سے مخصوص ہیں۔ اور قیامت تک مخصوص رہیں گے"۔ یہ مفہوم بھی اگرچہ حضرت مجدد صاحب کے اس مکتوب سے ظاہر ہو رہا ہے۔ جس میں آپ نے نبوت۔ محدثیت اور صالحیت کے مقامات کا ذکر کیا ہے۔ مگر ایک اور مکتوب میں بھی آپ نے صاف طور پر اس امر کا اعتراف کیا ہے۔ کہ "قیامت تک اس امت کے بعض افراد مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ سے مخصوص رہیں گے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:-

"نبوت عبارت از قرب الٰہی است"۔ "پس از قرب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتحیات کمل تابعان را ہم نصیب بودہ وعلوم ومعارف وکمالات آں مقام بطریق وراثت نیز نصیب تابعان باشد۔ . . . . . پس حصولِ کمالاتِ نبوت مر تابعان را بطریق تبعیت ووراثت بعد از بعثت خاتم الرسل علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والرسل الصلوٰۃ والتحیات منافیٔ خاتمیت او نیست علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام فلاتکن من الممترین"

(مکتوبات امام ربانی جلد اول صـ۴۳۲ مکتوب نمبر ۳۰۱)

یعنی نبوت سے مراد قرب الٰہی ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کے قرب سے ان کے کامل متبعین کو بھی حصّہ ملتا ہے۔ اور علوم ومعارف نیز مقامِ نبوت کے کمالات وراثت کے طور پر ان کی پیروی کرنے والوں کو ملتے رہتے ہیں۔ اور یہ کمالاتِ نبوت کا حصول بطریق تبعیت و وراثت پیروی کرنے والوں کے لئے خاتم الرسل کی بعثت کے بعد آپؐ کی خاتمیت کے منافی نہیں ہے۔ اس مکتوب کی عبارت سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حضرت مجدد صاحب کے نزدیک امت محمدؐیہ میں ایسے افراد ہمیشہ موجود رہیں گے۔ جو بطریق تبعیت و وراثت کمالاتِ نبوت اپنے اندر رکھتے ہونگے۔ اور چونکہ انبیاء کا خاصہ یہی ہے۔ کہ ان سے مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ ہوتا ہے۔ اس لئے ثابت ہوا۔ کہ آپ کے نزدیک امتِ محمدؐیہ میں ایسے افراد کا موجود رہنا نہایت ضروری ہے۔ جو مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ سے قیامت تک مخصوص رہیں۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر کا ایک ایک حرف سچائی پر مبنی ہے۔ اور آپ نے جو کچھ بیان کیا۔ وہی مجدد صاحب سرہندی نے اپنے مکتوبات میں تحریر فرمایا ہے۔

محدث نبی نہیں ہوتا

سیّد حبیب نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ:-

"مرزا صاحب نے خود دعوےٰ کیا۔ کہ ایسے محدث نبی ہوتے ہیں۔" (تحریک قادیان صفحہ ۱۶۳) حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ گو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اوائل میں محدثیت کو نبوتِ ناقصہ قرار دیا۔ مگر بعد میں خدا تعالےٰ نے آپ پر بالتصریح یہ امر کھول دیا کہ محدث میں صرف کمالاتِ نبوت پائے جاتے ہیں۔ بوجہ درجۂ کمال کو نہ پہونچنے کے اسے نبی نہیں کہا جا سکتا۔ ان کمالات کی وجہ سے گو ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ محدث میں بھی ایک قسم کی نبوت ہوتی ہے۔ یا محدث بھی ایک قسم کا نبی ہوتا ہے۔ مگر نفس نبوت کی بناء پر نہ اُسے نبی کہا جا سکتا ہے۔ اور نہ اس میں کسی نبوت کو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

پس محدث کو چونکہ انبیاء سے ایک مشابہت حاصل ہوتی ہے۔ اور وُہ بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعض کمالات کا مظہر ہوتا ہے۔ اس لئے بعض کمالاتِ نبوت اس کے اندر ضرور پائے جاتے ہیں۔ مگر ان کی بناء پر حقیقی معنوں میں اُسے نبی نہیں کہا جا سکتا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نہایت واضح الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اگر خدا تعالےٰ سے غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں رکھتا۔ تو پھر بتلاؤ کس نام سے اُسکو پکارا جائے۔ اگر کہو اس کا نام محدث رکھنا چاہئے۔ تو میں کہتا ہوں۔ کہ تحدیث کے معنے کسی لغت کی کتاب میں اظہارِ غیب نہیں ہے۔" (ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۳)

پس سید حبیب کا یہ کہنا بھی باطل ہے۔ کہ "مرزا صاحب نے خود دعوےٰ کیا۔ کہ ایسے محدث نبی ہوتے ہیں۔"

قرآن و صحف سابقہ میں طاعون کی پیشگوئی

دوسرا امر یہ پیش کیا گیا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے کشتی نوح میں جو یہ لکھا ہے۔ کہ:۔

"قرآن شریف میں بلکہ توریت کے بعض صحیفوں میں بھی یہ خبر موجود ہے۔ کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑیگی۔ بلکہ حضرت مسیح علیہ السّلام نے بھی انجیل میں یہ خبر دی ہے اور ممکن نہیں۔ کہ نبیوں کی پیشگوئیاں ٹل جائیں۔" (صفحہ ۵) صحیح نہیں۔ کیونکہ ان کی نظر

سے کوئی آیت کریمہ ایسی نہیں گذری۔ جس سے محولہ بالا قول کی تائید ہو۔ اور نہ دوسری کتب سماویہ میں سید حبیب کو طاعون کے بارے میں کوئی پیشگوئی نظر آئی۔

قرآن مجید میں طاعون کا ذکر

اس اعتراض کے جواب میں مَیں یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ قرآن شریف کی جن آیتوں میں یہ ذکر آتا ہے۔ کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑے گی۔ اُسے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے "نزول المسیح" میں درج فرماتے ہوئے شرح و بسط کے ساتھ اس کی تفسیر بھی کی ہے۔ میں قارئین کرام سے درخواست کرتا ہوں۔ کہ وُہ نزول المسیح صفحہ ۳۸ تا صفحہ ۴۲ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ ان کے معلومات میں انشاء اللہ بہت اضافہ ہو گا۔

لیکچر سیالکوٹ میں بھی فرماتے ہیں:۔

"طاعون کی خبر قرآن شریف میں صریح لفظوں میں موجود ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وان من قریۃ الا نحن مھلکوھا قبل یوم القیمۃ او معذبوھا عذابا شدیدا۔ یعنی قیامت سے کچھ دن پہلے بہت سخت مری پڑے گی۔ اور اس سے بعض دیہات تو بالکل نابود ہو جائینگے۔ اور بعض ایک حد تک عذاب اٹھا کر بچ رہیں گے۔ اور ایسا ہی ایک دوسری آیت میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ جب قرب قیامت ہوگا۔ ہم زمین میں سے ایک کیڑا نکالینگے۔ جو لوگوں کو کاٹیگا۔ اس لئے کہ انہوں نے ہمارے نشانوں کو قبول نہیں کیا۔ یہ دونوں آیتیں قرآن شریف میں موجود ہیں۔ اور یہ صریح طور پر طاعون کی نسبت پیشگوئی ہے۔ کیونکہ طاعون بھی ایک کیڑا ہے۔ اگرچہ پہلے طبیبوں نے اس کیڑے پر اطلاع نہیں پائی۔ لیکن خدا جو عالم الغیب ہے۔ وہ جانتا تھا۔ کہ طاعون کی جڑ اصل میں کیڑا ہی ہے۔ جو زمین میں سے نکلتا ہے۔ اس لئے اس کا نام اس نے دابۃ الارض رکھا یعنی زمین کا کیڑا۔" (صفحہ ۴۸ و ۴۹)

امید ہے۔ ان ہر دو اقتباسات کے مطالعہ سے سید حبیب کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ قرآن شریف کی وہ کونسی آیت ہے۔ جس میں مسیح موعودؑ کے زمانہ میں طاعون پھیلنے کا ذکر ہے۔ وُہ آیت یہی ہے۔ واذا وقع القول علیھم اخرجنا لھم دابۃً من الارض تکلمھم ان الناس کانوا بآیاتنا لا یوقنون (النمل ع ۶) یعنی لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے۔ جبکہ مسیح موعود کے ذریعہ اتمام حجت کرنے کے بعد انہیں زمینی کیڑوں کے ذریعہ مبتلائے طاعون کیا جائیگا۔ اور اس بات کی سزا دیجائیگی۔ کہ کیوں وہ ہمارے نشانات پر ایمان نہ لائے۔

تکلمھم کے معنے اس جگہ یقینی طور پر کاٹنے اور زخمی کرنے کے ہیں۔ جیسا کہ لغت میں لکھا ہے۔ کلّمہٗ تکلیمًا جرحہٗ۔ (المنجد) یعنی کلّمہٗ کے معنے ہیں۔ اس نے زخم لگایا۔ اسی طرح لکھا ہے کلّمہ کلمًا جرحہٗ یعنی کلم کے معنے بھی زخم لگانے کے ہیں۔ انہی معنوں کی تائید میں بخاری کی یہ حدیث بھی ہے۔ کہ کل کلم یکلمہ المسلم فی سبیل اللہ یکون یوم القیٰمۃ کھیئتہا۔ (بخاری کتاب الوضوء باب مایقع من النجاسات جلدا) یعنی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کسی مسلمان کو اللہ تعالےٰ کی راہ میں جو زخم لگے۔ قیامت کے دن وہ اسی حالت میں ہوگا پس تکلمھم کے معنے اس جگہ زخمی کرنے اور کاٹنے کے ہی ہیں۔ اور یہ تو ظاہر ہے۔ کہ انسان طاعونی کیڑوں سے کاٹے جانے کی وجہ سے ہی مبتلائے مرض ہوتا ہے۔

اگر کہا جائے۔ کہ قرآن مجید میں واضح طور پر "طاعون" کا لفظ لکھا ہونا چاہئے تھا۔ نہ کہ دابۃ الارض کا۔ تو یہ بہت بڑی کم فہمی ہوگی۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کا کلام استعارات سے پُر ہوتا ہے اور جس طرح رویاء اور کشوف میں حقائق کا اظہار وہ مختلف رنگوں میں کرتا ہے۔ اسی طرح اپنے کلام میں بھی جب حقائق کا اظہار کرتا ہے۔ تو عجیب در عجیب رنگ میں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام خود فرماتے ہیں "اس جسمانی عالم میں جو کچھ آسمان سے اتارا جاتا ہے اکثر ان میں استعارات و مجازات سے پُر ہوتے ہیں۔ عام طور پر جو ہر ایک فرد بشر کو کوئی نہ کوئی سچی خواب آجاتی ہے۔ جو نبوت کا چھیالیسواں حصّہ بیان کی گئی ہے۔ اس کے اجزاء پر بھی اگر نظر ڈال کر دیکھو۔ تو شاذ و نادر کوئی ایسی خواب ہوگی۔ جو استعارات اور مجازات سے بکلی خالی ہو" (ازالہ اوہام حاشیہ ص۶۳)

غبی اور کم فہم انسان ممکن ہے۔ ان گہرائیوں سے مطلع نہ ہو سکے۔ مگر اہل علم جانتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ کے کلام کا یہی طریق ہے۔ اسی لئے انبیاء علیہم السّلام کے متعلق پیشگوئیاں استعارات سے پُر ہوتی ہیں۔ بلکہ سید ولد آدم حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی تورات و انجیل میں پیشگوئی کرنے کے باوجود اور یہ فرمانے کے باوجود کہ یجدونہٗ مکتوبًا عندھم فی التوراۃ والانجیل (اعراف ع۱۹) یہ ذکر نہیں کیا گیا۔ کہ آپ فلاں شہر میں مبعوث ہونگے۔ یا فلاں گھر میں پیدا ہونگے۔ اسی طرح طاعون کی پیشگوئی کرتے ہوئے اللہ تعالےٰ نے دابۃ الارض کا لفظ استعمال کیا۔ نہ کہ طاعون کا۔ اگرچہ دابۃ الارض اپنے قرائن اور آیات کے سیاق و سباق کے لحاظ سے یقینی طور پر طاعونی کیڑا ثابت ہوتا ہے۔ اور کوئی اہل علم اس

سے اختلاف نہیں کر سکتا۔

بائیبل میں طاعون کا ذکر

دوسری بات حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ تحریر فرمائی ہے۔ کہ "توریت کے بعض صحیفوں میں بھی یہ خبر موجود ہے۔ کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑے گی" (کشتی نوح ص۵) حاشیہ پر "توریت کے بعض صحیفوں" کا حوالہ دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:۔

"مسیح موعود کے وقت میں طاعون کا پڑنا بائیبل کی ذیل کی کتابوں میں موجود ہے۔ ذکریا ۱۴/۱۲ انجیل متی ۲۴/۸ مکاشفات ۲۲/۸"

اس سے ظاہر ہے۔ کہ "توریت کے بعض صحیفوں" سے مراد آپ نے "بائیبل" لی ہے۔ اور بائیبل کے صحائف میں سے بھی آپ کا روئے سخن صرف ذکریا متی اور مکاشفات کی طرف ہے اگر سید حبیب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان پیش کردہ حوالجات کے مطابق بائیبل کو ایک مرتبہ دیکھ لیتے۔ تو ممکن تھا۔ اعتراض نہ کرتے۔ مگر جبکہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی کسی کتاب کو بذاتِ خود دیکھنے کی تکلیف ہی نہیں کی۔ بلکہ سنے سنائے اعتراضات اپنی کتاب میں درج کر دیئے۔ تو ان سے یہ توقع کب ہو سکتی تھی۔ کہ وہ سوچ سمجھ کر اعتراض کرتے۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ "ذکریا" میں جو بائیبل کا ایک صحیفہ ہے۔ اس امر کا صراحتًا ذکر آتا ہے۔ کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑے گی۔ چنانچہ الفاظ یہ ہیں۔

"یروشلم امن و امان سے بسیگی۔ اور وہ مری کہ جس سے خداوند ساری قوموں کو جو لڑنے کو یروشلم پر چڑھ آویں۔ مار یگا۔ سو یہ ہے" (۱۴/۱۲) یعنی وہ عذاب مری اور طاعون ہوگا۔ جس سے خدا تعالےٰ ان انسانوں کو ہلاک کرے گا۔ جو خدا کے گھر یروشلم کے خلاف لڑینگے۔ بائیبل کے اردو تراجم میں مرّی کا لفظ ہے۔ مگر انگریزی بائیبل میں "پلیگ" کا لفظ ہے۔ یہ شبہ دل میں پیدا نہیں کرنا چاہئے۔ کہ اس جگہ "یروشلم" کا ذکر آتا ہے۔ کیونکہ بالفاظ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام

"اس جگہ یروشلم سے مراد بیت المقدس نہیں ہے۔ بلکہ وہ مقام ہے۔ جس سے دین کے زندہ کرنے کے لئے الٰہی تعلیم کا چشمہ جوش مار یگا۔ اور وہ قادیان ہے۔ جو خدا تعالےٰ کی نظر میں دارالامان ہے۔ خدا تعالےٰ نے جیسا کہ اس اُمت کے خاتم الخلفاء کا نام مسیح رکھا ایسا

ہی اس کے خروج کی جگہ کا نام یروشلم رکھ دیا۔ اور اس کے مخالفوں کا نام یہود رکھدیا۔"
(حاشیہ نزول المسیح صفحہ ۱۴۲)

سابقہ نوشتوں میں بھی بتایا گیا تھا۔ کہ پرانے یروشلم کی بجائے ایک نیا یروشلم آباد ہوگا۔ چنانچہ مکاشفات میں آتا ہے۔

"پھر میں نے ایک نئے آسمان اور نئی زمین کو دیکھا۔ کیونکہ پہلا آسمان اور پہلی زمین جاتی رہی تھی۔ اور سمندر بھی نہ رہا۔ پھر میں نے شہر مقدس نئے یروشلم کو آسمان پر سے خدا کے پاس سے اترتے دیکھا۔ اور وہ اس دلہن کی مانند آراستہ تھا۔ جس نے اپنے شوہر کے لئے سنگار کیا ہو" (۲۱/۱-۲)

پس "ذکریا" میں یہ پیشگوئی بیان کی گئی تھی۔ کہ مسیح موعود کے زمانہ میں اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو عذاب طاعون سے ہلاک کرے گا۔ جو اس کے مقدس مقام کے خلاف لڑینگے اور اس کے مشن کو نابود کرنا چاہیں گے۔ واقعات نے ظاہر کر دیا۔ کہ یہ پیشگوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔

انجیل میں بھی طاعون کی خبر دی گئی تھی۔ جیسا کہ "متی" میں ذکر آتا ہے۔ مسیح ناصری سے ان کے حواریوں نے دریافت کیا۔ کہ آپ کی دوبارہ آمد کے کیا نشانات ہونگے۔ تو انہوں نے فرمایا:-

"قوم قوم پر اور بادشاہت بادشاہت پر چڑھ آئے گی۔ اور کال اور مری پڑیگی۔ اور جگہ جگہ بھونچال آئیں گے۔" (متی ۲۴/۷ پرانا ایڈیشن)

یہی حوالہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "کشتی نوح" میں درج فرمایا۔ مگر افسوس کہ عیسائیوں نے موجودہ اناجیل میں سے مری کا ذکر خارج کر دیا ہے۔ اگر کوئی دوست حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام کی صداقت معلوم کرنا چاہیں تو وہ کوئی پرانی انجیل لیکر دیکھیں اس میں صریح طور پر یہ پیشگوئی نظر آجائیگی۔ اب بھی اگرچہ "متی" سے یہ ذکر خارج کر دیا گیا ہے۔ مگر لوقا میں یہ الفاظ موجود ہے۔ کہ

"قوم پر قوم اور بادشاہت پر بادشاہت چڑھائی کرے گی۔ اور بڑے بڑے بھونچال آئینگے۔ اور جا بجا کال اور مری پڑے گی۔" (۲۱/۱۱)

"مکاشفات" میں بھی طاعون کا ذکر آتا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:-

"پھر میں نے مقدس میں سے کسی کو بڑی آواز سے ان ساتوں فرشتوں سے یہ کہتے سنا۔ کہ جاؤ خدا کے قہر کے ساتوں پیالوں کو زمین پر الٹ دو۔ پس پہلے نے جاکر اپنا پیالہ زمین پر الٹ دیا۔ اور جن آدمیوں پر اس حیوان کی چھاپ تھی۔ اور جو اس بت کی پرستش کرتے تھے۔ ان کے ایک برا اور تکلیف دینے والا ناسور پیدا ہوگیا۔" (۱۶/۲)

پرانی اناجیل میں "ناسور" کی بجائے "پھوڑا" لکھا ہوا ہے۔ اور یہ اسی طاعون کا نقشہ ہے۔ جو موجودہ زمانے میں ظاہر ہوئی۔

غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو کچھ لکھا۔ صحیح اور درست لکھا۔ مخالفین کے اعتراضات محض ان کے قصور فہم کا نتیجہ ہیں۔

قرآن میں قادیان کا نام

تیسرا امر یہ پیش کیا گیا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازالۂ اوہام میں لکھا ہے "تین شہروں کا نام اعزاز کے ساتھ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے۔ مکہ اور مدینہ اور قادیان" سید حبیب لکھتے ہیں: "مکۂ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے نام تو قرآن پاک میں بالصراحت موجود ہیں۔ لیکن قادیان کا نام میری نگاہ سے نہیں گذرا" (تحریک قادیان صفحہ ۱۶۴)

خدا ترسی اور انصاف پسندی کا تقاضا یہ تھا۔ کہ سید حبیب یہ اعتراض کرتے وقت ازالۂ اوہام کو خود پڑھکر دیکھتے۔ کہ وہاں کیا لکھا ہے۔ آیا وہی جو انہوں نے بیان کیا یا کچھ اور۔ اگر تحقیق کے طور پر ازالۂ اوہام کے محولہ بالا اقتباس پر وہ ایک نظر بھی ڈال لیتے۔ تو میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ وہ کبھی یہ کہنے کی جرأت نہ کرتے کہ "مرزا صاحب نے قرآن پاک کے متعلق وہ حوالہ دیا ہے۔ جو اس میں موجود نہیں" بلکہ ان کا دل ان لوگوں پر لعنت بھیجتا جو محض سلسلۂ احمدیہ کی مخالفت میں کذب بیانی ایسی ناپاک حرکت کے مرتکب ہوتے۔ اور اپنے اس فعل پر ذرہ بھی شرم محسوس نہیں کرتے۔

میں اس جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اصل الفاظ انکشاف حقیقت کے لئے درج کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں۔

"کشفی طور پر میں نے دیکھا۔ کہ میرے بھائی صاحب مرحوم میرزا غلام قادر میرے قریب بیٹھکر باواز بلند قرآن شریف پڑھ رہے ہیں۔ اور پڑھتے پڑھتے انہوں نے ان فقرات کو پڑھا۔ کہ انا انزلناہ قریباً من القادیان تو میں نے سنکر بہت تعجب کیا۔ کہ کیا قادیان

کا نام بھی قرآن شریف میں لکھا ہوا ہے۔ تب انہوں نے کہا۔ کہ یہ دیکھو لکھا ہوا ہے۔ تب میں نے نظر ڈال کر جو دیکھا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ فی الحقیقت قرآن شریف کے دائیں صفحہ میں شاید قریب نصف کے موقعہ پر یہی الہامی عبارت لکھی ہوئی موجود ہے۔ تب میں نے اپنے دل میں کہا۔ کہ ہاں واقعی طور پر قادیان کا نام قرآن شریف میں درج ہے۔ اور میں نے کہا۔ کہ تین شہروں کا نام اعزاز کے ساتھ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے۔ مکہ اور مدینہ اور قادیان۔ یہ کشف تھا۔ جو کئی سال ہوئے کہ مجھے دکھلایا گیا تھا۔" (ازالۂ اوہام حاشیہ صـ۷۷)

کشف کو حقیقت پر محمول نہیں کیا جا سکتا

اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے جو کچھ دیکھا۔ یا اپنی زبان سے کہا۔ وہ عالم ظاہر کا معاملہ نہیں۔ بلکہ عالم مثال کا ہے۔ آپ صاف فرماتے ہیں کہ "کشفی طور پر میں نے دیکھا۔" پھر لکھتے ہیں "یہ کشف تھا جو کئی سال ہوئے کہ مجھے دکھلایا گیا تھا۔" پھر کشفی حالت میں ہی جب آپ کو پتہ لگتا ہے۔ کہ قرآن مجید میں قادیان کا نام لکھا ہے۔ تو آپ "بہت تعجب" کرتے ہیں۔ کہ "کیا قادیان کا نام بھی قرآن شریف میں لکھا ہوا ہے۔" گویا کشفی حالت میں بھی آپ اس امر کو عجیب سمجھتے ہیں۔ کہ قرآن میں قادیان کا نام لکھا ہوا ہو۔ پس جبکہ یہ ایک کشف تھا۔ جو آپ کو دکھلایا گیا۔ اور جبکہ کشفی حالت میں بھی آپ نے قرآن مجید میں قادیان کا نام لکھے ہونے پر تعجب کا اظہار کیا۔ تو یہ کس طرح مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ ہمیں قرآن مجید سے قادیان کا نام دکھلایا جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام تو خود فرماتے ہیں:۔

"کسی کتاب حدیث یا قرآن شریف میں قادیان کا نام لکھا ہوا نہیں پایا جاتا۔ اور یہ الہام جو براہین احمدیہ میں بھی چھپ چکا ہے۔ بصراحت و بآواز بلند ظاہر کر رہا ہے کہ قادیان کا نام قرآن شریف میں یا احادیث نبویہ میں بطور پیشگوئی ضرور موجود ہے۔ اور چونکہ موجود نہیں۔ تو بجز اس کے اور کس طرف خیال کیا جا سکتا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے قادیان کا نام قرآن شریف یا احادیث نبویہ میں کسی اور پیرایہ میں ضرور لکھا ہوگا" (ازالۂ اوہام حاشیہ صـ۷۷) پس اس صورت میں مخالفین کا ہم سے یہ مطالبہ کرنا بالکل ناجائز ہے۔ کہ قرآن مجید میں قادیان کا صریح نام دکھایا جائے۔

البتہ معترضین کے نزدیک اگر کشف کو حقیقت پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ تب بے شک وہ یہ مطالبہ ہم سے کر سکتے ہیں۔ لیکن اس صورت میں وہ بتائیں کہ کیا وہ یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے نعوذ باللہ شریعت کی بے حرمتی کی۔ جبکہ عالم کشف میں آپ نے سونے کے کنگن پہنے۔ یا کیا کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ حضرت یوسف علیہ السّلام نے نعوذ باللہ شرک کا ارتکاب کیا۔ جبکہ انہوں نے رویاء میں سورج چاند اور گیارہ ستاروں سے اپنے آپ کو سجدہ کروایا۔ یا کوئی ہے جو توہین صحابہ کا نام لیکر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس کشف پر اعتراض کر دے۔ جس میں آپ نے جنگ احد کے شہداء کو گائیوں کی صورت میں دیکھا (مسلم باب الرویاء) یا کسی میں ہمت ہے۔ کہ وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس رویاء کو قابل اعتراض قرار دے۔ جس کا قرآن شریف میں یوں ذکر ہے۔ کہ اذ یریکھم اللہ فی منامك قلیلاً (انفال ع۵) یعنی خواب میں اللہ تعالےٰ نے جنگ بدر میں لڑنے والے کفار کو بہت تھوڑا کر کے دکھلایا۔ حالانکہ وہ مسلمانوں سے یقیناً بہت زیادہ تھے۔ کفار ۹۵۰ تھے اور مسلمان ۳۱۳

اگر کوئی شخص ان رویاء وکشوف کو قابل اعتراض قرار نہیں دے سکتا۔ بلکہ ہر امر کو خواب یا کشف قرار دیتے ہوئے یہی کہیگا۔ کہ یہ تعبیر طلب ہیں۔ تو کیوں مخالف اس سیدھے اور صاف طریق فیصلہ کو قبول نہیں کرتے اور کیوں یہ مطالبہ نہیں کرتے۔ کہ گو ظاہری الفاظ میں قرآن شریف میں قادیان کا نام لکھا ہوا نہ ہو۔ مگر کسی اور پیرایہ میں اس کا ذکر دکھلایا جائے۔ جیسا کہ امام قرطبی فرماتے ہیں:۔

ان من الاحکام ما یوخذ تفصیلہ من کتاب اللہ کالوضوء ومنھا ما یؤخذ تاصیلہ دون تفصیلہ کالصلوٰۃ ومنھا ما اصل اصلہ کدلالۃ الکتاب علی اصلیۃ السنۃ والاجماع وکذالك القیاس الصحیح فکل ما یقتبس من ھٰذہ الاصول تفصیلاً فھو ماخوذ من کتاب اللہ تاصیلاً (فتح الباری جلد ۱۳ صـ۲۴۷)

یعنی بعض احکام تو قرآن مجید سے تفصیلاً ماخوذ ہیں جیسے وضو۔ بعض صرف اصولاً ماخوذ ہیں جیسے نماز اور بعض ایسے ہیں۔ کہ جن کی اصلیت کتاب اللہ سے اخذ کی گئی ہے جیسا کہ سنت اجماع اور قیاس صحیح۔ ان ہر سہ طریق پر جو بات مستنبط ہوگی۔ وہ بلحاظ اصل قرآن مجید سے ہی ماخوذ ہوگی۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ جو بات بھی بذریعہ قیاس صحیح قرآن مجید

سے ماخوذ ہو۔ وہ "من کتاب اللہ" ہی شمار ہوگی۔

اگر مخالف اس بناء پر ہم سے یہ مطالبہ کریں۔ کہ قادیان کا نام قرآن شریف میں ہمیں کسی اور پیرایہ میں دکھلایا جائے۔ تو ہم اس مطالبہ میں انہیں حق بجانب قرار دے سکتے ہیں۔ لیکن غضب تو یہ ہے۔ کہ وہ الٹا راہ اختیار کرتے ہیں۔ اور اس طریق پر چلتے ہیں۔ جس پر چلنے سے خدا تعالےٰ کے مسلمہ راستباز انبیاء پر بھی اعتراض واقع ہو جاتا ہے۔

کچھ شک نہیں۔ جو قرآن شریف میں قادیان کا ذکر ہے۔

قادیان کا نام قرآن مجید میں جس پیرایہ میں لیا گیا ہے۔ اس کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"قریباً بیس برس ہوئے۔ کہ میں نے اپنی کتاب براہین احمدیہ میں خدا تعالےٰ کا یہ کلام جو میری زبان پر جاری کیا گیا لکھا تھا۔ یعنی یہ کہ انا انزلناہ قریباً من القادیان وبالحق انزلناہ وبالحق نزل صدق اللہ ورسولہٗ وکان امر اللہ مفعولاً۔ دیکھو براہین احمدیہ صفحہ ۴۹۸۔ یعنی ہم نے اس مسیح موعود کو قادیان میں اتارا ہے۔ اور وہ ضرورت حقہ کے ساتھ اتارا گیا۔ اور ضرورت حقہ کے ساتھ اترا۔ خدا نے قرآن میں اور رسول نے حدیث میں جو کچھ فرمایا تھا۔ وہ اس کے آنے سے پورا ہوا۔ اس الہام کے وقت جیسا کہ میں کئی دفعہ لکھ چکا ہوں۔ مجھے کشفی طور پر یہ بھی معلوم ہوا تھا۔ کہ یہ الہام قرآن شریف میں لکھا ہوا ہے۔ اور اس وقت عالم کشف میں میرے دل میں اس بات کا یقین تھا۔ کہ قرآن شریف میں تین شہروں کا ذکر ہے۔ یعنی مکہ اور مدینہ اور قادیان کا۔ اس بات کو قریباً بیس برس ہو گئے۔ جبکہ میں نے براہین احمدیہ میں لکھا تھا۔ اب اس رسالہ کی تحریر کے وقت میرے پر یہ منکشف ہوا۔ کہ جو کچھ براہین احمدیہ میں قادیان کے بارے میں کشفی طور پر میں نے لکھا۔ یعنی یہ کہ اس کا ذکر قرآن شریف میں موجود ہے۔ در حقیقت یہ صحیح بات ہے۔ کیونکہ یہ یقینی امر ہے۔ کہ قرآن شریف کی یہ آیت کہ سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہٗ۔ معراج مکانی اور زمانی دونوں پر مشتمل ہے۔ اور بغیر اس کے معراج ناقص رہتا ہے۔ پس جیسا کہ سیر مکانی کے لحاظ سے خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مسجد الحرام سے بیت المقدس تک پہونچا دیا تھا۔ ایسا ہی سیر زمانی کے لحاظ سے

آنجناب کو شوکت اسلام کے زمانہ سے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا۔ برکات اسلامی کے زمانہ تک جو مسیح موعودؑ کا زمانہ ہے۔ پہونچا دیا۔ پس اس پہلو کے رو سے جو اسلام کے انتہا زمانہ تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا سیر کشفی ہے۔ مسجد اقصےٰ سے مراد مسیح موعود کی مسجد ہے۔ جو قادیان میں واقع ہے۔ جس کی نسبت براہین احمدیہ میں خدا کا کلام یہ ہے۔ مبارکٌ ومبارکٌ وکل امرٍ مبارک یجعل فیہ۔ اور یہ مبارک کا لفظ جو بصیغہ مفعول اور فاعل واقعہ ہوا۔ قرآن شریف کی آیت بارکنا حولہٗ کے مطابق ہے۔ پس کچھ شک نہیں۔ جو قرآن شریف میں قادیان کا ذکر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہٗ۔ اس آیت کے ایک تو وہی معنے ہیں۔ جو علماء میں مشہور ہیں۔ یعنی یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مکانی معراج کا یہ بیان ہے۔ مگر کچھ شک نہیں۔ کہ اس کے سوا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک زمانی معراج بھی تھا۔ جس سے یہ غرض تھی۔ کہ تا آپ کی نظر کشفی کا کمال ظاہر ہو۔ اور نیز ثابت ہو۔ کہ مسیحی زمانہ کے برکات بھی در حقیقت آپ ہی کے برکات ہیں۔ جو آپ کی توجہ اور ہمت سے پیدا ہوئی ہیں۔ اسی وجہ سے مسیح ایک طور سے آپ ہی کا روپ ہے اور وہ معراج یعنی بلوغ نظر کشفی دُنیا کی انتہاء تک تھا۔ جو مسیح کے زمانہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس معراج میں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر فرما ہوئے وہ مسجد اقصےٰ یہی ہے۔ جو قادیان میں بجانب مشرق واقع ہے۔ جس کا نام خدا کے کلام نے مبارک رکھا ہے۔ یہ مسجد جسمانی طور پر مسیح موعود کے حکم سے بنائی گئی ہے۔ اور رُوحانی طور پر مسیح موعود کے برکات اور کمالات کی تصویر ہے۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بطور موہبت ہیں۔ اور جیسا کہ مسجد الحرام کی روحانیت حضرت آدمؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے کمالات ہیں۔ اور بیت المقدس کی روحانیت انبیاء بنی اسرائیل کے کمالات ہیں۔ ایسا ہی مسیح موعودؑ کی یہ مسجد اقصےٰ جس کا قرآن شریف میں ذکر ہے۔ اس کے رُوحانی کمالات کی تصویر ہے۔

پس اس تحقیق سے معلوم ہوا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی معراج میں زمانہ گذشتہ کی طرف صعود ہے۔ اور زمانہ آئندہ کی طرف نزول ہے۔ اور ماحصل اس معراج کا یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خیر الاولین والآخرین ہیں۔ معراج جو مسجد الحرام سے شروع ہوا

اس میں یہ اشارہ ہے۔ کہ صفی اللہ آدم کے تمام کمالات اور ابراہیم خلیل اللہ کے تمام کمالات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم میں موجود تھے۔ اور پھر اس جگہ سے قدم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مکانی سیر کے طور پر بیت المقدس کی طرف گیا۔ اور اس میں یہ اشارہ تھا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم میں تمام اسرائیلی نبیوں کے کمالات بھی موجود ہیں۔ اور پھر اس جگہ سے قدم آنجناب علیہ السلام زمانی سیر کے طور پر اس مسجد اقصٰے تک گیا۔ جو مسیح موعود کی مسجد ہے یعنی کشفی نظر اس آخری زمانہ تک جو مسیح موعود کا زمانہ کہلاتا ہے۔ پہونچ گئی۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا۔ کہ جو کچھ مسیح موعود کو دیا گیا۔ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات میں موجود ہے۔ اور پھر قدم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم آسمانی سیر کے طور پر اوپر کی طرف گیا۔ اور مرتبہ قاب قوسین کا پایا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مظہر صفات الٰہیہ اتم اور اکمل طور پر تھے۔ غرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اس قسم کا معراج یعنی مسجد الحرام سے مسجد اقصٰی تک جو زمانی مکانی دونوں رنگ کی سیر تھی۔ اور نیز خدا تعالےٰ کی طرف ایک سیر تھا۔ جو مکان اور زمان دونوں سے پاک تھا۔ اس جدید طرز کی معراج سے غرض یہ تھی۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خیر الاولین والآخرین ہیں۔ اور نیز خدا تعالےٰ کی طرف سیران کا اس نقطۂ ارتفاع پر ہے۔ کہ اس سے بڑھکر کسی انسان کو گنجائش نہیں۔ مگر اس حاشیہ میں ہماری صرف یہ غرض ہے۔ کہ جیسا کہ آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں کشفی طور پر لکھا گیا تھا۔ کہ قرآن شریف میں قادیان کا ذکر ہے۔ یہ کشف نہایت صحیح اور درست تھا۔ کیونکہ زمانی رنگ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا معراج اور مسجد اقصٰے کی طرف سیر مسجد الحرام سے شروع ہو کر یہ کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا۔ جب تک ایسی مسجد تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا سیر تسلیم نہ کیا جائے۔ جو باعتبار بعد زمانہ کے مسجد اقصٰے ہو۔ اور ظاہر ہے۔ کہ مسیح موعود کا وہ زمانہ ہے جو اسلامی سمندر کا بمقابلہ زمانۂ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دوسرا کنارہ ہے۔ ابتدا سیر کا جو مسجد الحرام سے بیان کیا گیا۔ اور انتہا سیر کا جو اس سے بہت دور مسجد تک مقرر کیا گیا جس کے ارد گرد کو برکت دی گئی۔ یہ برکت دینا اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ زمانہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم میں شوکت اسلام ظاہر کی گئی۔ اور حرام کیا گیا۔ کہ کفار کا دست تعدی اسلام کو مٹا دے۔ جیسا کہ آیت ومن دخلہٗ کان آمنا سے ظاہر ہے۔

لیکن زمانۂ مسیح موعود میں جس کا دوسرا نام مہدی بھی ہے۔ تمام قوموں پر اسلام کی برکتیں ثابت کی جائیں گی۔ اور دکھلایا جائے گا۔ کہ ایک اسلام ہی بابرکت مذہب ہے۔"

"غرض اس زمانہ کا نام جس میں ہم ہیں۔ زمان البرکات ہے لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ زمان التائیدات اور دفع الآفات تھا۔ اور اس زمانہ میں خدا تعالےٰ کا بھاری مقصد دفع شر تھا۔ چنانچہ خدا تعالےٰ نے اس زمانہ میں اسلام کو اپنے قوی ہاتھ سے دشمنوں سے بچایا۔ اور دشمنوں کو یوں ہانک دیا۔ جیسا کہ ایک مرد مضبوط اپنی لاٹھی سے کتوں کو ہانک دیتا ہے۔ پس چونکہ مسیح اور مہدی موعود کا زمانہ زمان البرکات تھا۔ اسی لئے خدا تعالےٰ نے اس کے حق میں فرمایا۔ بارکنا حولہٗ۔ یعنی مسیح موعود کی فرودگاہ کے ارد گرد جہاں نظر ڈالوگے۔ ہر طرف سے برکتیں نظر آئینگی۔ چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ زمین کیسی آباد ہوگئی۔ باغ کیسے بکثرت ہوگئے۔ نہریں کیسی بکثرت جاری ہوگئیں۔ تمدنی آرام کی چیزیں کیسی کثرت سے موجود ہوگئیں۔ پس یہ زمینی برکات ہیں۔ اور جیسے اس زمانہ میں زمینی اور آسمانی برکتیں بکثرت ظاہر ہوگئی ہیں۔ ایسا ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تائیدات کا بھی ایک دریا چل رہا تھا۔"

"خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا معراج تین قسم پر منقسم ہے۔ سیر مکانی اور سیر زمانی اور سیر لامکانی ولازمانی۔ سیر مکانی میں اشارہ ہے۔ طرف غلبہ اور فتوحات کے۔ یعنی یہ اشارہ کہ اسلامی ملک مکہ سے بیت المقدس تک پھیلے گا۔ اور سیر زمانی میں اشارہ ہے طرف تعلیمات اور تاثیرات کے۔ یعنی یہ کہ مسیح موعودؑ کا زمانہ بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تاثیرات سے تربیت یافتہ ہوگا۔ جیسا کہ قرآن میں فرمایا ہے۔ وآخرین منھم لمّا یلحقوا بھم۔ اور سیر لامکانی ولازمانی میں اشارہ ہے طرف اعلےٰ درجہ کے قرب اللہ اور مدانات کی جس پر دائرۂ امکان قرب کا ختم ہے۔ فافھم۔" (تبلیغ رسالت جلد نہم اشتہار چندۂ منارۃ المسیح ۲۸ مئی ۱۹۰۰ء)

مسجد اقصٰی سے مراد

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو تشریح فرمائی۔ اس پر زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں۔ خلاصہ یہ ہے۔ کہ قرآن شریف کے نصف میں مسجد الاقصٰے کے ایک معنی قادیان کے بھی ہیں۔ کیونکہ اقصٰے کے معنی زیادہ بعد والی کے ہیں اور بُعد یا زمانی ہوتا ہے۔ یا مکانی

سورۂ جمعہ میں رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی دو بعثتوں کا ذکر ہے۔ ایک امیین میں دوسری آخرین میں۔ آخرین والی بعثت زمانی طور پر بعثتِ قصوٰی ہے۔ اور اس بعثت والی مسجد یقیناً مسجدِ اقصٰی ہے۔ اور اس جگہ سے مبعوث ہونے والا اس پیشگوئی کا مصداق ہے۔ جس کو قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا۔ کہ جاء من اقصی المدینۃ رجل یسعی۔ قال یاقوم اتبعوا المرسلین (یٰسٓ ع۲) اور اس اقصی المدینہ (قادیان) سے آنے والے موعود کی مسجد مسجد اقصٰی ہے۔ جس کا قرآن مجید میں بھی ذکر آتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام خود تحریر فرماتے ہیں:۔

"مسجد اقصٰے سے مراد اس جگہ یروشلم کی مسجد نہیں ہے۔ بلکہ مسیح موعود کی مسجد ہے۔ جو باعتبار بُعد زمانہ کے خدا کے نزدیک مسجد اقصٰی ہے۔ اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ جس مسجد کی مسیح موعود بنا کرے۔ وہ اس لائق ہے۔ کہ اس کو مسجد اقصٰے کہا جائے جس کے معنے ہیں مسجد البعد۔ کیونکہ جبکہ مسیح موعود کا وجود اسلام کے لئے ایک انتہائی دیوار ہے اور مقرر ہے۔ کہ وہ آخری زمانہ میں اور بعید تر حصّۂ دُنیا میں آسمانی برکات کے ساتھ نازل ہوگا۔ اس لئے ہر ایک مسلمان کو یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ مسیح موعود کی مسجد مسجد اقصٰے ہے کیونکہ اسلامی زمانہ کا خط ممتد جو ہے۔ اس کے انتہائی نقطہ پر مسیح موعود کا وجود ہے۔ لہٰذا مسیح موعود کی مسجد پہلے زمانہ سے جو صدر اسلام ہے۔ بہت ہی بعید ہے۔ سو اس وجہ سے مسجد اقصٰے کہلانے کے لائق ہے۔ اور اس مسجد اقصٰی کا منارہ اس لائق ہے۔ کہ تمام میناروں سے اُونچا ہو۔" (اشتہار چندہ منارۃ المسیح حاشیہ)

پس جبکہ مسیح موعود کی مسجد اقصٰی کا قرآن مجید میں ذکر آگیا۔ تو آپ نے کشف میں جو کچھ کہا۔ وہ صحیح ثابت ہوا۔

حضرت مسیح موعودؑ پر نسخِ جہاد کا الزام

سید حبیب نے اپنے مضمون کی قسط بست وہفتم میں مسئلہ جہاد پر بحث کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام پر یہ نہایت ہی ناروا الزام لگایا ہے۔ کہ آپ نے مبعوث ہو کر قرآن مجید کی ان آیات کو منسُوخ قرار دیا۔ جن میں مسلمانوں کو جہاد کی تلقین کی گئی ہے مگر تعجب کہ مسئلہ زیر بحث کو کافی طول دینے کے باوجود حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی ایک تحریر بھی ایسی درج نہیں کی گئی۔ جس میں ذکر ہو۔ کہ میں آج سے قرآن مجید کی ان آیات

کو منسُوخ قرار دیتا ہوں۔ جن میں مسئلہ جہاد کا ذکر آتا ہے (لیکچر سیالکوٹ) کا سید حبیب نے ذکر کیا ہے۔ مگر اس میں کہیں آیاتِ جہاد کی تنسیخ کا اعلان نہیں۔ یہ اس قدر غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے۔ جسے دیکھ کر بے حد قلق ہوتا۔ اور یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب وہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی طرف ایک اتنا بڑا امر منسوب کر رہے تھے کہ جسے سُنکر انسان انگشت بدنداں ہو جاتا ہے۔ تو کیا ان کا فرض نہیں تھا۔ کہ وُہ اپنی پوزیشن کا خیال رکھتے۔ اور دعوے کے ضمن میں دلائل بھی پیش کرتے۔ مگر افسوس انہوں نے اس اہم پہلو کو نظر انداز کر کے محض ان سنی سنائی باتوں پر اعتراضات کا طومار کھڑا کر دیا۔ جو مخالفوں کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں۔ اور جن میں سے بالعموم ننانوے فیصدی غلط ہُوا کرتی ہیں۔

قرآنِ مجید کی کوئی آیت منسُوخ نہیں

سیّد حبیب کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ جماعت احمدیہ آج دنیا میں وہ اکیلی جماعت ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی تعلیم کے زیر اثر اس امر کی قائل ہے۔ کہ قرآن مجید کا ایک ایک حرف قابل عمل ہے۔ نہ آج سے تیرہ سو سال پہلے کسی زمانہ میں وُہ منسوخ ہوا۔ اور نہ قیامت تک منسوخ ہوگا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام اسی امر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں۔ کہ قرآن شریف خاتم کتب سماوی ہے۔ اور ایک شعشہ یا نقطہ اس کی شرائع اور حدود اور احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کم ہو سکتا ہے۔ اور اب کوئی ایسی وحی یا ایسا الہام منجانب اللہ نہیں ہو سکتا۔ جو احکام فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کی تبدیل یا تغییر کر سکتا ہو۔ اگر کوئی ایسا خیال کرے۔ تو وُہ ہمارے نزدیک جماعتِ مومنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے۔" (ازالہ اوہام صہ ۱۳۷)

"یہ خوب یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ نبوت تشریعی کا دروازہ بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بالکل مسدود ہے۔ اور قرآن مجید کے بعد اور کوئی کتاب نہیں۔ جو نئے احکام سکھائے۔ یا قرآن شریف کا حکم منسُوخ کرے۔ یا اس کی پیروی معطل کرے بلکہ اس کا عمل قیامت تک ہے۔" (الوصیت حاشیہ صہ ۱۲)

"خدا اس شخص کا دشمن ہے جو قرآن شریف کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہے۔ اور محمدی شریعت کے برخلاف چلتا ہے۔ اور اپنی شریعت چلانا چاہتا ہے۔" (چشمہ معرفت صـ۳۲۴ و صـ۳۲۵)

"من زاد علی هٰذه الشریعة مثقال ذرّة اونقص منها اوکفر بعقیدة اجماعیّة فعلیه لعنة الله والملٰئکة والناس اجمعین۔" (انجام آتھم صـ۱۴۴) یعنی جو شخص اس شریعت پر ایک ذرہ بھر بھی زیادتی کرے یا اس میں کمی کرے۔ یا کسی اجماعی عقیدے کا انکار کرے۔ اس پر خدا اور فرشتوں اور تمام دُنیا کے انسانوں کی لعنت ہے۔

"من خرج مثقال ذرة من القرآن فقد خرج من الایمان (مواہب الرحمٰن صـ۶۸) جس شخص نے ذرہ بھر بھی قرآن شریف سے روگردانی اختیار کی۔ وہ ایمان سے خارج ہو گیا۔

پھر "کشتی نوح" میں اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ جو شخص قرآن کے سات سو حکم میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے۔ وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے پر بند کرتا ہے حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں اور باقی سب اس کے ظل تھے۔ سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو۔ اور اس سے بہت ہی پیار کرو۔ ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو" (صـ۲۴)۔ پس جبکہ جماعت احمدیہ قرآن مجید میں نسخ کی قائل ہی نہیں۔ اور جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے قرآن مجید میں ترمیم و تنسیخ یا کمی بیشی کرنے والے کو ملعون قرار دیا ہے۔ تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ آپ خود ہی قرآن مجید کی ان آیات کو منسوخ قرار دیتے جن میں جہاد کا ذکر آتا ہے۔

مخالفین کا اپنا عقیدہ

اس کے برعکس کیا مخالفین نے کبھی غور کیا۔ کہ وہ خود کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے۔ کہ مہدیؑ موعود جب دنیا میں نزول فرمائینگے۔ تو کفار میں سے جو شخص مسلمان نہیں ہوگا۔ اُسے فوراً قتل کر دینگے۔ اور اگر وہ جزیہ دیکر امان چاہیگا۔ تو جزیہ بھی قبول نہیں کرینگے۔ چنانچہ وہابیوں کے سرکردہ نواب صدیق حسن خانصاحب نے الولید بن مسلم

کی روایت کی بناء پر صاف طور پر لکھا ہے۔

المهدیون ثلاثة مهدی الخیر عمر بن عبد العزیز ومهدی الدم و هو الذی یسکن علیه الدماء۔ ومهدی الدین وهو عیسٰی تسلم امته فی زمانه (حجج الکرامہ صـ۳۸۶) یعنی مسلمانوں کے نزدیک مہدی تین ہیں۔ ایک مہدی الخیر جو عمر بن عبد العزیز ہیں دوسرے مہدی الدم یعنی (خونی مہدی) جس کے زمانہ میں لوگوں کے خون بہائے جائینگے۔ اور تیسرے مہدی الدین جو مسیح علیہ السلام ہیں۔ اس خونی مہدی کے کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے نواب صاحب لکھتے ہیں:۔

اما مردم را بسبب کثرتِ مقتولین ہیچ فرحت بآں مال و دولت نباشد۔ چہ بسا خاندانہا و قبیلہ ہا باشد کہ از صد کس جز یکے نماند بعد ازیں حضرت امام بند و بست بلاد اسلام و سرانجام و انتظام و ادائے حقوقِ انام پردازند و ہر طرف عساکر و افواج ظفر امواج روانہ سازند۔ . . . . ولشکرے بر ہندوستان فرستند و فتح گردد و ملوکِ ہند را غل کردہ پیشِ او آرند و خزائن ایں کشور را زیور بیت المقدس سازند۔"

(حجج الکرامہ صـ۳۷۲) یعنی امام مہدی جن لوگوں میں روپیہ تقسیم کرینگے۔ انہیں بھی اس مال و دولت سے کوئی خوشی نہ ہوگی۔ کیونکہ مقتولین کی کثرت انہیں غمگین بنائے ہوئے ہوگی۔ اور اکثر خاندان و قبائل میں سے ننانوے فیصدی لوگ مہدی کے ہاتھوں قتل ہو چکے ہونگے۔ پھر امام مہدی بلاد اسلامیہ کے بند و بست اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کی طرف متوجہ ہونگے۔ اور ہر طرف اپنی کامیاب افواج روانہ کرینگے۔ اسی طرح ایک لشکر ہندوستان کی طرف بھیجیں گے۔ جو اس ملک کو فتح کرکے ہندوستان کے بادشاہوں کو پا بجولاں امام مہدی کے حضور حاضر کرے گا۔ اور اس ملک کے خزانوں کو بیت المقدس کا زیور بنایا جائے گا۔

اسی طرح لکھتے ہیں:۔

"جاری شود بر دست او ملاحم و برآرد کنوز و فتح کند مدائن مابین خافقین و آوردہ شوند بروئے او ملوک ہند غل در گردن کردہ۔" (حجج الکرامہ صـ۳۶۴) یعنی حضرت مہدی کے ہاتھ سے بہت سی لڑائیاں ہونگی۔ اور وہ مشرق و مغرب کے ممالک کو فتح کرینگے خزانوں پر قابو پائیں گے۔ اور بلاد ہند کے بادشاہوں کو ایسی حالت میں کہ ان کی گردنوں میں

طوق پڑے ہوئے ہونگے۔ لوگوں کے سامنے لائیں گے۔

اہل السنت والجماعت کی معتبر کتاب نبراس شرح العقائد النسفیہ میں تو یہاں تک لکھا ہے :۔" لا یقبل الجزیة من الکفار و یجبرھم علی الایمان فلا یبقیٰ علی الارض الا دین الاسلام " (ص۵۸۶) یعنی وہ کافروں سے جزیہ تک قبول نہیں کرینگے۔ بلکہ انہیں جبرًا اسلام میں داخل کرینگے۔ پس زمین پر اسلام کے سوا اور کوئی مذہب نہ رہے گا۔

یہ اعتقاد ہے۔ جو مسلمان رکھتے ہیں۔ حالانکہ اگر اسے درست تسلیم کر لیا جائے۔ تو قرآن مجید کی وہ تمام آیات منسوخ ہو جاتی ہیں۔ جن میں یہ ذکر ہے۔ کہ فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔ لا اکراہ فی الدین۔ ان جنحوا للسلم فاجنح لھا۔ اسی طرح اس آیت کی بھی منسوخی لازم آتی ہے۔ جس میں ذکر آتا ہے۔ کہ اگر کفار جزیہ دیں۔ تو ان سے قتال مت کرو۔ حتٰی یعطوا الجزیة عن ید وھم صاغرون۔ مگر مسلمان خود ایسا عقیدہ رکھتے ہوئے جو اسلام کو بدنام کرنے اور قرآن مجید کی بیسیوں آیات کو منسوخ قرار دینے والا ہے۔ الٹا ہم پر یہ الزام لگاتے ہیں۔ کہ گویا ہم نعوذ باللہ جہاد کے باب میں قرآن مجید کی آیتیں منسوخ سمجھتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسلمانوں کی اس حیرت انگیز ذہنیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

" یہ عیسیٰ مسیح اور مہدی صاحب کیسے ہونگے۔ جو آتے ہی لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دینگے۔ یہاں تک کہ کسی اہل کتاب سے بھی جزیہ قبول نہیں کرینگے۔ اور آیت حتٰی یعطوا الجزیة عن ید وھم صاغرون کو بھی منسوخ کر دینگے۔ یہ دین اسلام کے کیسے حامی ہونگے۔ کہ آتے ہی قرآن کی ان آیتوں کو بھی منسوخ کر دینگے۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی منسوخ نہیں ہوئیں "۔ (کشتی نوح ص۶۸)

اسی طرح اشعار میں فرماتے ہیں :۔

ایسا گماں کہ مہدیٔ خونی بھی آئے گا — اور کافروں کے قتل سے دیں کو بڑھائیگا

اے غافلو یہ باتیں سراسر دروغ ہیں — باطل ہیں بے ثبوت ہیں اور بے فروغ ہیں

اس سے جہاں مسلمانوں پر وہی الزام عائد ہوتا ہے۔ جو وہ ہم پر لگاتے ہیں۔ وہاں اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک قرآن مجید

کی کوئی آیت منسوخ نہیں۔ پس مخالفین کا یہ اعتراض کہ گویا ہم قرآن مجید کی آیات جہاد کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ اگر وہ غور کریں۔ تو انہیں پر عائد ہوتا ہے۔

جہاد کے غلط مفہوم کی تردید

حقیقت یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور جماعت احمدیہ پر یہ ایک بہتان عظیم ہے۔ جو تنسیخ جہاد کے باب میں عائد کیا جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک جہاد کے بغیر ایمان کبھی کامل نہیں ہو سکتا۔ اور تمام ضعف جو اسلام اور مسلمانوں کو پہونچا۔ وہ جہاد میں سستی کرنے کا نتیجہ تھا۔ پس ہم جہاد کے ہرگز منکر نہیں اور جھوٹا ہے وہ شخص جو کہتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تنسیخ جہاد کا اعلان کیا۔ جہاد اسلام کا ایک رکن ہے۔ جو کسی صورت میں بھی ترک نہیں کیا جا سکتا۔ مگر باوجود اس کے یہ بھی ایک حقیقت ہے۔ کہ مسلمانوں نے جہاد کا قطعًا غلط مفہوم سمجھ رکھا تھا۔ مسلمان اسلام کے نام پر خونریزی فساد۔ غداری۔ ڈاکہ زنی اور غارت گری کرنے کا نام جہاد رکھتے۔ وہ حرص طمع نفسانیت اور ذاتی فوائد کی خاطر دشمنان اسلام کے گلے کاٹنے کا نام جہاد رکھتے۔ وہ غازی کہلانے کے شوق میں بندوق اور پستول سے غیر مسلموں پر فائر کرنے کا نام جہاد رکھتے۔ اور طرفہ تر یہ کہ ان امور کو وہ اسلام اور بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے۔ کون دیانتدار اور حقیقی مومن ہے۔ جو اس قسم کے جہاد کو قابل نفرت اور لائق مذمت قرار نہیں دیگا۔ یقینًا ہر شخص اس قسم کے عقائد اور افعال کو اسلام کی توہین خیال کرے گا۔ کیونکہ انہی عاقبت نااندیش مسلمانوں کی وجہ سے دنیا اسلام کو ایک غیر مہذب مذہب خیال کرنے پر مجبور ہو رہی تھی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جہاں اور کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ وہاں اسلام کی یہ ایک عظیم الشان خدمت بھی آپ نے کی۔ کہ جہاد کا صحیح مفہوم لوگوں کے ذہن نشین کیا اور جہاد صغیر۔ جہاد کبیر۔ جہاد بالسیف اور جہاد بالقرآن سب کی حقیقت لوگوں پر واضح کر کے رکھ دی۔

جہاد کا لفظ وسیع معنوں پر مشتمل ہے

یاد رکھنا چاہئے۔ کہ جہاد کفار سے لڑائی کرنے کو نہیں کہا جاتا۔ بلکہ کسی کام میں اپنی انتہائی قوت خرچ کرنے اور پھر اس کے متعلق پوری پوری کوشش کرنے کو جہاد کہا جاتا ہے۔ اس کا مادہ جَہد اور جُہد ہے۔ جس کے معنی طاقت و قوت کے ہیں۔

کہاجاتا ہے۔ جاھد فی الامر۔ یعنی اس نے کام کرنے کی خوب کوشش کی۔ اور اپنی لیاقت وطاقت سے پورا کام لیا۔ اسی طرح کہاجاتا ہے۔ جاھد وتجاھد فی الامر۔ یعنی اس نے کوشش کی اور کوشش کرتے ہوئے اپنی تمام طاقت خرچ کر دی۔

چنانچہ علامہ قسطلانی اپنی کتاب ارشاد الساری فی شرح البخاری میں لکھتے ہیں۔ کہ ھو مشتق من الجَھد بفتح الجیم وھوالتعب والمشقة لمافیه من ارتکابھا اومن الجُھد بالضم وھوا لطاقة لان کل واحد منھما یذل طاقته فی دفع صاحبه وھو فی الاصطلاح قتال الکفار لنصرة الاسلام واعلاء کلمة الله (جلد پنجم ص ۳۱)

یعنی جہاد جَہد سے نکلا ہے۔ جس کے معنے محنت ومزدوری کے ہیں۔ یا جُہد سے مشتق ہے جس کے معنے زور وطاقت کے ہیں۔ ہاں اصطلاحی معنے اسلام کی تائید میں کفار سے جنگ کرنے کے بھی ہیں۔ لسان العرب جلد ۴ ص ۱۰۷ مطبوعہ مصر۔ تاج العروس جلد ۲ ص ۳۲۹ مطبوعہ مصر قاموس اور صحاح جوہری وغیرہ کتب لغات کے مطالعہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ جہاد کے لفظی اور قدیم معنے لڑائی کرنا نہیں۔ بلکہ حتی المقدور کوشش کرنا سعی کرنا۔ محنت کرنا مشقت کرنا۔ زور لگانا۔ اپنی قوت قابلیت باسعی وکوشش کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا۔ زورمحنت تندہی۔ غور وخوض۔ جوش جانفشانی سرگرمی شوق اور ہمت سے کسی کام میں مصروف ہونا اور جفاکشی یا غیر معمولی محنت کرنا جہاد کے معانی ہیں اسی لئے "سوانح احمدی" کتاب مؤلفہ منشی محمد جعفر صاحب تھانیسری میں لکھا ہے۔ کہ "جنگ کا نام جہاد نہیں ہے۔ جنگ کو قتال کہتے ہیں۔ اور وہ گاہے ماہے پیش آتی ہے اور جہاد کہ اعلاء کلمۃ اللہ میں کوشش کرنا ہے۔ مدتِ دراز تک باقی رہتا ہے۔ یہ صرف آپ کی غلط فہمی ہے۔ کہ قتال کا نام جہاد رکھا ہے۔ اور ان کوششوں کو جو واسطے اعلاء کلمۃ اللہ کے لوگ کر رہے ہیں۔ آپ بے فائدہ اور عبث قرار دیتے ہو" (ص ۱۴) پھر لکھا ہے "یہ بھی یاد رہے۔ کہ جہاد سے کچھ ملک گیری اور جنگ وجدل ہی مراد نہیں ہے۔ لفظِ جہاد کے معنی سعی اور کوشش کرنا ہے۔ سو حسب طاقت اور حوصلہ خود واسطے اعلاء کلمۃ اللہ اور اطفائے نائرہُ ادیانِ باطلہ اور ذلت کفار کی کوشش کرتے رہنا جہاد ہے۔ اور جہاد کے واسطے یہ بھی شرط نہیں ہے۔ کہ امام وقت برابر اور مثل سامان اعداء کے سامان جہاد کا مہیا کرے۔ ترقی دین اور اس کے سامان میں کوشش اور سعی حسب مقدور خود کرنا جہاد ہے" (ص ۱۵۲)

پس جہاد برائی اور معصیت کے خلاف حق وصداقت کی حمائت میں کوشش کرنے کو کہاجاتا ہے۔ اس کوشش میں شیطان کا مقابلہ۔ نفس امارہ کا مقابلہ۔ اصلاح نفس اور اصلاح خلق کے لئے کوشش۔ حق کی حمائت میں مالی قربانی کی کوشش۔ قلم سے حملۂ اعداء کی مدافعت کی کوشش سب شامل ہیں۔ اور ان تمام امور کو مجموعی یا انفرادی حیثیت میں سرانجام دینا جہاد سے تعبیر کیاجاتا ہے۔

علامہ قسطلانی اپنے نفس اور شیطان سے جہاد کرنے کو "اعظم الجہاد" قرار دیتے ہیں۔ (ارشاد الساری فی شرح البخاری جلد ۵ ص ۳۷)

الشیخ محمد امین الشہیر بابن عابدین نے رد المختار علی الدر المختار میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بھی داخل جہاد کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں "ھذا عام یشمل المجاھد بکل امرٍ بمعروفٍ ونھیٍ عن منکرٍ (جلد ۳ ص ۲۳۶) اور علامہ عبدالحق حقانی دہلوی آیت کریمہ یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین کی تفسیر میں لکھتے ہیں "اس زمانہ میں ملحدین کے ساتھ بحث ومناظرہ کرنا بھی جہاد ہے"۔ (تفسیر حقانی طبع ششم جلد چہارم ص ۲۱۲)

زمانۂ جاہلیت میں قتال کے معنوں میں لفظ جہاد کا استعمال نہیں پایا جاتا۔ قرآن مجید میں بھی جیسا کہ آگے چل کر ثابت کیا جائیگا۔ جہاد کا لفظ عام رکھا گیا ہے۔ اور جنگ کے لئے قتال کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ مگر چونکہ دشمنوں سے قتال میں بھی جدوجہد کی جاتی ہے۔ اس لئے دین کے لئے دفاعی طور پر قتال کرنے کو بھی مجازاً جہاد کہا جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام اسی امر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"جاننا چاہیئے۔ کہ جہاد کا لفظ جُہد کے لفظ سے مشتق ہے۔ جس کے معنے ہیں کوشش کرنا۔ اور پھر مجاز کے طور پر دینی لڑائیوں کے لئے بولا گیا"۔ (رسالہ گورنمنٹ انگریزی اور جہاد ص ۱)

امام راغب نے بھی جہاد کی تین قسمیں کی ہیں۔ یعنی دشمن ظاہری سے جہاد۔ شیطان سے جہاد۔ اپنے نفس سے جہاد۔ اور لکھا ہے۔ کہ جاھدوا فی اللہ حق جہادہٖ اور جاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ اور ان الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ میں ان تینوں قسموں کے جہاد کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ جاھدوا

اھواءکم کما تجاھدون اعداءکم۔ یعنی اپنی خواہشات نفسانیہ سے اسی طرح جہاد کیا کرو جس طرح تم اپنے دشمنوں سے جہاد کرتے ہو۔ یہ حدیث بھی درج کی ہے۔ کہ:۔ جاھدوا الکفار بایدیکم والسنتکم یعنی اپنے ہاتھوں اور زبانوں سے کفار کے ساتھ جہاد کرو۔ گویا خطبات، لیکچر اور تقاریر بھی جہاد میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے شامل کی ہیں۔ اور چونکہ موجودہ زمانہ میں انسان اپنے مافی الضمیر کو پریس کے ذریعہ دور دراز جگہ کے لوگوں تک بآسانی پہونچا سکتا۔ اور انہیں اپنی باتیں سُنا سکتا ہے۔ اس لئے قلمی جہاد بھی اس میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ (ملاحظہ ہو مفردات امام راغب برحاشیہ نہایہ لابن اثیر جلد اول صـ۱۱۷)

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس نے بھی لفظِ جہاد کو کئی معنوں میں استعمال کیا۔ چنانچہ اللہ تعالے جس جہاد کی طرف تمام روئے زمین کے مسلمانوں کو بلاتا ہے۔ وہ جہاد بالقرآن ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ فلا تطع الکافرین وجاھدھم بہ جہاداً کبیراً۔ (فرقان ع۵) یعنی کافروں کی بات مت مانو۔ اور اس قرآن کے ذریعہ ان سے بہت بڑا جہاد کرو۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جہاد بالقرآن جہاد کبیر ہے۔

علامہ فخرالدین رازی بھی اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں۔ کہ اما قولہ وجاھدھم بہ جہاداً کبیراً فقال بعضھم المراد بذل الجُھد فی الاداء والدعاء وقال بعضھم المراد القتال وقال آخرون کلاھما والاقرب الاول لان السورۃ مکیۃ والامر بالقتال ورد بعد الھجرۃ بزمان (جلد ۶ صـ۴۹) یعنی بعض لوگ جاھدھم بہ جہاداً کبیراً کے یہ معنی لیتے ہیں۔ کہ وعظ ونصیحت اور لوگوں کو تبلیغ حق کرنے کی کوشش کرو۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ اس کے معنے لڑائی کے ہیں۔ اور بعض دونوں معنے لیتے ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ صحیح پہلا قول ہے کیونکہ یہ سورت مکۂ معظمہ میں نازل ہوئی تھی۔ اور جنگ کرنے کا حکم اس سے مدت بعد ہجرت کے بعد دیا گیا۔

پھر فرماتا ہے۔ یا ایھا النبیّ جاھد الکفار والمنافقین (سورۃ تحریم) اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کر۔ اگر جہاد بالسیف ہی جہاد کہلانے کے قابل ہے۔ تو بتایا جائے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے منافقین کے خلاف کب تلوار اٹھائی؟ ہر شخص کہیگا۔ کہ اس جہاد سے مراد کفار کو وعظ ونصیحت کرنا۔ انہیں تبلیغ کرنا۔ ان کی خفیہ

چالوں سے بچنا اور ان کی مدافعت کرنا ہے۔ پس تبلیغ اور وعظ وتذکیر بھی جہاد میں شامل ہے۔ اسی طرح فرماتا ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (عنکبوت) یعنی وہ لوگ جو ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ ہم انہیں اپنی رضا کی راہوں اور کامیابی کے راستوں کا پتہ دیتے ہیں۔ اس جگہ شیطان کے مقابلہ اور حق کی اشاعت اور اللہ تعالے کے احکام پر مستعدی سے سرگرم عمل رہنے کو جہاد سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سورۂ فرقان اور سورۂ عنکبوت جن میں جہاد کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ مکی سورتیں ہیں۔ اور ہر شخص جانتا ہے۔ کہ مکہ میں تلوار سے جہاد کرنے کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ پس لازمًا اس جہاد سے وہی کچھ مراد ہے۔ جو بیان ہوا۔ اور مدنی سورتوں کا سیاق وسباق بھی جہاد کا الگ الگ مفہوم ظاہر کرتا ہے۔

احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جہاد کو کئی قسموں میں منقسم فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں

۱۔ افضل الجہاد من قال کلمۃ حقٍ عند سلطانٍ جائرٍ (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ والقضاء صـ۲۷۲) یعنی ظالم وجابر حاکم کے سامنے سچی بات کہنا بہترین جہاد ہے۔

۲۔ الجہاد بالحجۃ والبرھان جہاد اکبر بخلاف الجہاد بالسیف والسنان فانہ جہاد اصغر (روح البیان جلد ۱ صـ۱۹۰) یعنی حجت وبرہان کے رُو سے دشمنوں سے جہاد کرنا جہاد اکبر ہے۔ بخلاف جہاد بالسیف کے کہ وہ جہاد اصغر ہے۔

۳۔ ایک غزوہ سے رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے۔ تو آپ نے فرمایا۔ رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر (رد المختار علی الدر المختار جلد ۳ صـ۲۳۵) ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر یعنی اشاعت قرآن اور تبلیغ اسلام کی طرف واپس آئے ہیں۔

مولانا روم بھی اس حدیث کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

قد رجعنا من جہاد الاصغریم ٭ با نبی اندر جہاد اکبریم (مثنوی دفتر اوّل صـ۳۸)

۴۔ ایک دفعہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا۔ اور اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں اللہ تعالے کی راہ میں جہاد کرنے کی خواہش رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تیرے والدین زندہ ہیں۔ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ ففیھما فجاھد

(مشکوٰۃ کتاب الجہاد صفحہ ۲۸) یعنی ان دونوں کی خدمت کرنے کو ہی جہاد سمجھ۔

۵۔ بخاری کتاب الجہاد والسیر کے باب فضل الجہاد میں آتا ہے۔ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دفعہ عرض کیا۔ یارسول اللہ کیا ہم جہاد نہ کریں۔ آپ نے فرمایا۔ افضل الجہاد حج مبرور۔ یعنی بہترین جہاد تو حج مبرور ہے (جلد ۲ صفحہ ۹۳)

اس تحقیق سے ظاہر ہے۔ کہ جہاد کا مفہوم وہ نہیں۔ جو آجکل کے مسلمان سمجھے ہوئے ہیں۔ یعنی تلوار ہاتھ میں لی۔ اور دشمن کا سر کاٹ دیا۔ بلکہ جہاد کسی کام میں اپنی انتہائی قوت خرچ کرنے کو کہا جاتا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی جہاد ہے شیطان کا مقابلہ کرنا بھی جہاد ہے۔ خواہشات نفسانی کا مقابلہ کرنا بھی جہاد ہے۔ کفار کو تبلیغ کرنا بھی جہاد ہے۔ مخالفین اسلام کے اعتراضات کا جواب دینا بھی جہاد ہے۔ قرآن کریم کے ذریعہ لوگوں پر اتمام حجت کرنا بھی جہاد ہے۔ بلکہ قرآن مجید نے اسے جہادِ اکبر قرار دیا ہے منافقین کی مدافعت کرنا۔ ان کی چالوں سے بچنا اور انہیں وعظ و نصیحت کرنا بھی جہاد ہے۔ اللہ تعالےٰ کے احکام پر مستعدی سے سرگرم عمل رہنا بھی جہاد ہے۔ خوف کے مقام پر سچی بات کہنا بھی جہاد ہے۔ والدین کی خدمت کرنا بھی جہاد ہے۔ دلائل سے دشمن کو مغلوب کرنا بھی جہاد ہے۔ حج مبرور بھی جہاد ہے۔ اور دین کے لئے دفاعی طور پر قتال کرنا بھی مجازاً جہاد ہے۔ مگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے جہاد اصغر یعنے سب جہادوں سے چھوٹا قرار دیا ہے۔ کیونکہ یہ ہر وقت نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ خاص حالات کے پیدا ہونے پر کیا جاتا ہے۔ اور اگر حالات نہ پائے جائیں۔ تو جہاد بالسیف مسلمانوں پر فرض نہیں ہوتا۔

رسول کریمؐ کی زندگی میں جہاد بالقرآن اور جہاد بالسیف دونوں کا نمونہ

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم چونکہ دنیا کے لئے کامل نمونہ تھے۔ اس لئے آپ کی زندگی میں ہمیں جہاد بالقرآن اور جہاد بالسیف دونوں کا نمونہ نظر آتا ہے۔ مکی زندگی میں آپ نے جہاد بالقرآن کیا۔ اور مدنی زندگی میں مجبور کئے جانے پر دفاعی رنگ میں جہاد بالسیف کیا۔ اگر اکیلا جہاد بالسیف ہی جہاد قرار دیا جائے۔ تو نعوذ باللہ کہنا پڑیگا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مکی زندگی میں باوجود جہاد کا حکم ملنے کے کوئی جہاد نہیں کیا۔ حالانکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا کوئی وقت جہاد سے خالی نہ تھا۔

آپ نے دن کو بھی جہاد کیا۔ اور رات کو بھی۔ صبح کو بھی جہاد کیا۔ اور شام کو بھی آپ نے منصب نبوت پر فائز ہوتے ہی جاھدھم بہٖ جہاداً کبیرا کے مطابق قرآن کریم ہاتھ میں لیکر دشمنوں سے اس قدر جہاد کیا۔ کہ نہ آرام کی پرواہ کی نہ عزت کی۔ نہ مالی قربانی سے دریغ کیا نہ جانی سے۔ اور درحقیقت ہر نبی دنیا میں اسی لئے آیا کرتا ہے۔ کہ وہ دین کی اشاعت کرے۔ اور اللہ تعالےٰ کے احکام لوگوں کو کھول کھول کر سنا دئے۔ تلوار چلانا کسی نبی کی بعثت کی اصل غرض میں داخل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالےٰ خود فرماتا ہے۔ کتاب انزلناہ الیک لتخرج الناس من الظلمات الی النور یعنی ہم نے یہ قرآن تیری طرف اس لئے نازل کیا ہے۔ کہ تو لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لائے۔ حضرت موسےٰ علیہ السّلام کے متعلق فرماتا ہے۔ ولقد ارسلنا موسیٰ بآیاتنا ان اخرج قومک من الظلمات الی النور۔ یعنی ہم نے انہیں یہ حکم دے کر بھیجا۔ کہ اپنی قوم کو ظلمات سے نور کی طرف لا۔ غرض انبیاء کی بعثت کا مقصد چونکہ اصلاح خلق ہوتا ہے۔ اس لئے وہ آسمانی کتاب کے ساتھ جہاد کیا کرتے ہیں۔ اسی جہاد کا حکم اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیا۔ اور آپ نے کفار کی ایذا رسانیوں کے باوجود اپنے فرض کو حد تکمیل تک پہونچا دیا۔ اس جہاد بالقرآن کے لئے کسی زمانہ یا وقت کی تخصیص نہیں۔ بلکہ ہر حالت ہر وقت اور ہر گھڑی یہ جہاد مومن پر فرض ہوتا ہے۔ جس طرح امر بالمعروف نہی عن المنکر۔ شیطان کا مقابلہ۔ خواہشات نفسانی کا مقابلہ مالی قربانی۔ تبلیغ۔ اعتراضات کے جواب۔ منافقین کی مدافعت۔ سچی بات کہنا۔ والدین کی خدمت۔ یہ مختلف جہاد انسان ہر وقت کر سکتا بلکہ ہر وقت کرنے پر مجبور ہے۔ اسی طرح جہاد بالقرآن بھی ایسی چیز ہے۔ جو انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے مسلمانوں کا فرض ہے۔ اگر وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے غافل ہوتے ہیں۔ تو وہ اللہ تعالےٰ کے حکم سے روگردانی کرتے۔ اپنے آپ کو نقصان پہونچاتے بلکہ اپنی قوم کو بھی ہلاکت کے گڑھے میں گرانے کے ذمہ وار بنتے ہیں۔

جہاد بالسیف ہر وقت نہیں ہو سکتا

کہا جائیگا۔ کہ کیا جہاد بالسیف ہر وقت ضروری نہیں۔ میں کہوں گا۔ کہ ہرگز نہیں۔ اور درحقیقت یہی وہ غلطی تھی۔ جس کا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے بڑے شدومد سے ازالہ

کیا۔ اور بتایا۔ کہ تم جسے جہاد سمجھے بیٹھے ہو۔ آج خدا کی طرف سے وہ تم پر فرض نہیں تم جسے اپنی کم فہمی سے جہاد قرار دے رہے ہو۔ وہ اسلام کے خلاف عقیدہ ہے اس کا خیال بھی اپنے دل سے نکال دو۔

اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:۔

"آج سے انسانی جہاد جو تلوار سے کیا جاتا تھا۔ خدا کے حکم کے ساتھ بند کیا گیا۔ اب اس کے بعد جو شخص کافر پر تلوار اٹھاتا ہے۔ اور اپنا نام غازی رکھتا ہے۔ وہ اس رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے۔ جس نے آج سے تیرہ سو برس پہلے فرما دیا ہے۔ کہ مسیح موعود کے آنے پر تمام تلوار کے جہاد ختم ہو جائیں گے سو اب میرے ظہور کے بعد تلوار کا کوئی جہاد نہیں۔ ہماری طرف سے امان اور صلحکاری کا سفید جھنڈا بلند کیا گیا ہے۔ خدا تعالےٰ کی طرف دعوت کرنے کی ایک راہ نہیں۔ پس جس راہ پر نادان لوگ اعتراض کر چکے ہیں۔ خدا تعالےٰ کی حکمت اور مصلحت نہیں چاہتی۔ کہ اسی راہ کو پھر اختیار کیا جائے۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے۔ کہ جیسے جن نشانوں کی پہلے تکذیب ہو چکی۔ وہ ہمارے سید رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیئے گئے۔ لہٰذا مسیح موعود اپنی فوج کو اس ممنوع مقام سے پیچھے ہٹ جانے کا حکم دیتا ہے" (اشتہار چندہ منارۃ المسیح صـ۲)

غرض چونکہ عام مسلمان محض غازی بننے کے شوق میں دشمنانِ اسلام کا گلا کاٹنا جہاد سمجھتے تھے۔ اس لیے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے یہ لفظ استعمال کیا۔ اور فرمایا کہ اب اس جہاد کا خیال چھوڑ دو۔ جو تمہارے نزدیک جنگ اور قتال کا مفہوم لئے ہوئے ہے۔ یہ ممنوع مقام ہے۔ اور اس پر کھڑا ہونا مسیح موعود کی فوج کے لئے زیبا نہیں۔

جہاد بالسیف کب ضروری ہوتا ہے

جہاد بالسیف کے متعلق یہ امر سمجھ لینا بھی نہایت ضروری ہے۔ کہ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے جن حالات میں اس جہاد کا آغاز کیا۔ جب تک مسلمانوں پر پھر وہی حالات طاری نہ ہوں۔ اس وقت تک تلوار ہاتھ میں اٹھا کر دشمنوں کے گلے کاٹنا کسی صورت میں بھی مومن اور تقوےٰ شعار انسان کا کام نہیں۔ بلکہ جو شخص ان شرائط کا لحاظ کئے بغیر جو جہاد بالسیف کے لئے ضروری ہیں۔ کسی کافر پر تلوار اٹھاتا اور اسے

قتل کرتا ہے۔ وہ اسلام کا دشمن ہے۔ اسلام کے نزدیک یہ جہاد اس وقت تک جائز نہیں۔ جب تک کہ کوئی قوم یا حکومت مسلمانوں پر اس لئے تلوار نہ اٹھائے۔ کہ ان سے جبرًا ان کا مذہب چھڑایا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو قتال کی اجازت دیتے ہوئے سب سے پہلی آیت جو نازل فرمائی۔ اس میں بتایا۔ کہ اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر۔ الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حقٍ الا ان یقولوا ربنا اللہ (الح) یعنی مسلمانوں کو جنگ کی اس لئے اجازت دی جاتی ہے۔ کہ ان پر مسلسل ظلم کیا گیا۔ اور محض اس بات پر کہ وہ خدا تعالےٰ اور اس کے دین پر ایمان لائے۔ اپنے گھروں سے بے گھر کر دیئے گئے۔ یہ آیت تبلاتی ہے۔ کہ صحابہ کو جو جنگ کی اجازت دی گئی۔ وہ محض دفاعی تھی۔ جن کو اجازت دی گئی۔ وہ مظلوم تھے۔ اور انہیں بحالتِ مظلومی اپنے گھروں سے نکال دیا گیا تھا۔ اور جرم یہ تھا۔ کہ انہوں نے کہا۔ ہمارا رب اللہ ہے۔ گویا اختلاف عقائد اور اختلافِ دین کی بناء پر انہیں قتل کیا گیا۔ اور گھروں سے نکالا گیا۔ پس جہاد بالسیف کا حکم مختص الزمان والوقت ہے۔ ہمیشہ کے لئے نہیں۔ یعنی یہ جہاد اسی صورت میں کیا جا سکتا ہے۔ جب کوئی قوم مسلمانوں سے مذہبی بناء پر جنگ کرے۔ اور اس جنگ میں ابتداء کرے۔ پھر یہ حکم محض حریت ضمیر قائم کرنے کے لئے ہے۔ چنانچہ قاتلوا حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہٗ للہ میں بتایا گیا ہے۔ کہ یہ جہاد انتقامی یا کسی قوم کو برباد کرنے کی نیت سے نہ ہو۔ بلکہ مقصد یہ ہو۔ کہ خدا کے دین کے لئے لوگوں کو آزادئ ضمیر حاصل ہو۔ پس جس وقت بھی یہ حالت پیدا ہو جائے۔ فورًا اپنے ہتھیار رکھ دو۔ پھر یہ بھی حکم ہے کہ یہ جہاد صرف ان لوگوں سے کرنا چاہئے۔ جنہوں نے مذہبی جنگ میں ابتداء کی ہو۔ تمام کفار سے یہ جہاد کسی صورت میں جائز نہیں۔ چنانچہ قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم میں یہی بات بیان کی گئی ہے۔ پھر یہ نصیحت بھی کی گئی ہے۔ کہ قتال میں انصاف کو مدنظر رکھا جائے۔ اعتداء نہ کیا جائے۔ بوڑھوں، عورتوں، بچوں اور درویشوں کو قتل نہ کیا جائے۔ مثلہ نہ کیا جائے۔ شبخون نہ مارا جائے۔ باغوں کو کاٹا نہ جائے۔ مکانات کو جلایا نہ جائے۔ معابد کو گرایا نہ جائے۔

جہاد بالسیف مختص الزمان والوقت ہے

غرض اس جہاد کا دائرہ بہت محدود ہے۔ یہ مختص الزمان والوقت جہاد ہے۔ اور اس جہاد میں تمام کفار شامل نہیں۔ بلکہ وہی ہیں۔ جو مسلمانوں سے برسرپیکار ہوں پھر حکم ہے۔ کہ جب کفار اس قسم کی لڑائی سے باز آجائیں۔ تو مسلمان بھی اپنے ہتھیار پھینک دیں۔ وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوکل علی الله۔

آج جہاد بالسیف کی شرائط کہاں پائی جاتی ہیں

موجودہ زمانہ میں یہ حالت ہے۔ کہ کوئی قوم مسلمانوں سے مذہبی بناء پر جنگ نہیں کر رہی۔ آزادی عمل اور حریت ضمیر کا دور دورہ ہے۔ اور مسلمان بڑی عمدگی سے اپنے تمام فرائض کو ادا کر رہے ہیں۔ حکومت نہ نماز روزہ سے روکتی ہے۔ نہ اشاعتِ اسلام سے۔ نہ دین کے بارہ میں جنگ کرتی ہے۔ اور نہ کسی کو جبراً عیسائی بناتی ہے۔ بلکہ تمام مذاہب کو یکساں طور پر آزادی دی گئی ہے۔ پس آج جبکہ دینی امور میں کسی قوم یا حکومت کی طرف سے مزاحمت نہیں کی جاتی۔ یقیناً جہاد بالسیف کی خدا تعالےٰ کی طرف سے اجازت نہیں ہوسکتی۔ اور وہ مسلمان جو جہاد بالسیف کے نام پر کسی کافر پر تلوار اٹھاتا ہے۔ اسلام کی ہتک کرتا۔ اور اللہ تعالےٰ کی ناراضگی کا مرتکب ہوتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے لوگوں کو کس جہاد سے روکا؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جس جہاد سے مسلمانوں کو روکا۔ اور نصیحت کی۔ کہ اب ان خیالات کو جانے دو۔ وہ وہی جہاد ہے۔ جس کی قرآن مجید کے کسی لفظ سے بھی تائید نہیں ہوتی۔ یعنی جب تک دُنیا میں کفار کا وجود ہے۔ ان سے جہاد بالسیف کیا جائے۔ اسلام اس نظریہ کا شدید ترین دشمن ہے۔ وہ لا اکراہ فی الدین قد تبیّن الرشد من الغی میں یہ سنہرا اصل بیان کرچکا ہے۔ کہ دین کے معاملہ میں کسی پر جبر نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ ہدایت گمراہی سے ممتاز ہوچکی۔ پس جبکہ اسلام جبر و تشدد کا سخت مخالف ہے۔ جبکہ اسلام نے جس جہاد بالسیف کی اجازت دی۔ وہ صرف یہ ہے۔ کہ اس قوم کے خلاف جنگ کیا جائے۔ جو اسلام سے جبراً لوگوں کو پھرائے۔ یا جبراً اس میں داخل ہونے سے باز رکھے۔ اور اس میں داخل ہونے والوں کو صرف اسلام قبول کرنے کے جرم میں قتل کرے۔ اس کے علاوہ کسی دوسری

قوم سے جہاد بالسیف جائز نہیں۔ اگر جنگ ہوگی۔ تو صرف سیاسی اور ملکی جو دو مسلمان قوموں میں بھی ہوسکتی ہے۔ تو وہ لوگ جو آج مذہبی آزادی کے زمانہ میں بھی جہاد بالسیف کا نعرہ لگا رہے ہیں۔ ضرورت تھی۔ کہ خدا تعالےٰ کا مامور ان کی تردید کرتا اور جس طرح باقی امور میں اس نے اصلاح کی۔ اس امر کی بھی اصلاح کرتا۔ اور بتاتا کہ تم جس جہاد کو آج جائز بلکہ ضروری سمجھے بیٹھے ہو۔ یہ خدا کے نزدیک قطعاً جائز نہیں کیونکہ آج اس کی شروط موجود نہیں۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اسی کی تردید کی اور فرمایا:۔

"یاد رہے۔ کہ مسئلہ جہاد کو جس طرح پر حال کے اسلامی علماء نے جو مولوی کہلاتے ہیں۔ سمجھ رکھا ہے۔ اور جس طرح وہ عوام کے آگے اس مسئلہ کی صورت بیان کرتے ہیں۔ ہرگز وُہ صحیح نہیں ہے۔ اور اس کا نتیجہ بجز اس کے کچھ نہیں۔ کہ وُہ لوگ اپنے پُرجوش وعظوں سے عوام وحشی صفات کو ایک درندہ صفت بنا دیں۔ اور انسانیت کی تمام پاک خوبیوں سے بے نصیب کردیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور میں یقیناً جانتا ہوں۔ کہ جس قدر ایسے ناحق کے خون ان نادان اور نفسانی انسانوں سے ہوتے ہیں۔ کہ جو اس راز سے بے خبر ہیں۔ کہ کیوں اور کس وجہ سے اسلام کو اپنے ابتدائی زمانہ میں لڑائیوں کی ضرورت پڑی تھی۔ ان سب کا گناہ ان مولویوں کی گردن پر ہے۔ کہ جو پوشیدہ طور پر ایسے مسئلے سکھاتے رہتے ہیں۔ جن کا نتیجہ دردناک خونریزیاں ہیں۔" (رسالہ گورنمنٹ انگریزی اور جہاد صفحہ ۶)

"درحقیقت یہ جہاد کا مسئلہ جیسا کہ ان کے دلوں میں ہے۔ صحیح نہیں ہے۔ اور اس کا پہلا قدم انسانی ہمدردی کا خون کرتا ہے۔" (رسالہ گورنمنٹ انگریزی اور جہاد صفحہ ۶)

"مولویوں نے اصل حقیقت جہاد کی مخفی رکھکر لوٹ مار اور قتل انسان کے منصوبے عوام کو سکھائے اور اس کا نام جہاد رکھا ہے۔" (صفحہ ۸)

"یہ طریق جہاد جس پر اس زمانہ کے اکثر وحشی کاربند ہو رہے ہیں۔ یہ اسلامی جہاد نہیں ہے۔ بلکہ یہ نفس امّارہ کے جوشوں سے یا بہشت کی طمع خام سے ناجائز حرکات ہیں۔ جو مسلمانوں میں پھیل گئے ہیں۔" (صفحہ ۹)

جس طرح ایک شکاری ایک ہرن کا کسی بن میں پتہ لگا کر چھپ چھپ کر اس کی

طرف جاتا ہے۔ اور آخر موقعہ پاکر بندوق کا فیر کرتا ہے۔ یہی حالات اکثر مولویوں کے ہیں۔ انہوں نے انسانی ہمدردی کے سبق میں سے کبھی ایک حرف بھی نہیں پڑھا۔ بلکہ ان کے نزدیک خواہ نخواہ ایک غافل انسان پر پستول یا بندوق چلا دینا اسلام سمجھا گیا ہے۔ ان میں وہ لوگ کہاں ہیں۔ جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح ماریں کھائیں۔ اور صبر کریں۔ کیا خدا نے ہمیں یہ حکم دیا ہے۔ کہ ہم خواہ نخواہ بغیر ثبوت کسی جرم کے ایسے انسان کو کہ نہ ہم اسے جانتے ہیں۔ اور نہ وہ ہمیں جانتا ہے۔ غافل پا کر چھری سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ یا بندوق سے اس کا کام تمام کریں۔ کیا ایسا دین خدا کی طرف سے ہو سکتا ہے۔ جو یہ سکھاتا ہے۔ کہ یونہی بے گناہ بے جرم بے تبلیغ خدا کے بندوں کو قتل کرتے جاؤ۔ اس سے تم بہشت میں داخل ہو جاؤ گے۔ افسوس کا مقام ہے۔ اور شرم کی جگہ ہے۔ کہ ایک شخص جس سے ہماری کچھ سابق دشمنی بھی نہیں۔ بلکہ روشناسی بھی نہیں وہ کسی دوکان پر اپنے بچوں کے لئے کوئی چیز خرید رہا ہے۔ یا اپنے کسی اور جائز کام میں مشغول ہے۔ اور ہم نے بے وجہ بے تعلق اس پر پستول چلا کر ایک دم میں اس کی بیوی کو بیوہ اور اس کے بچوں کو یتیم اور اس کے گھر کو ماتم کدہ بنا دیا۔ یہ طریق کس حدیث میں لکھا ہے۔ یا کس آیت میں مرقوم ہے۔ کوئی مولوی ہے۔ جو اس کا جواب دے نادانوں نے جہاد کا نام سن لیا ہے۔ اور پھر اس بہانہ سے اپنی نفسانی اغراض کو پورا کرنا چاہا ہے۔" (رسالہ گورنمنٹ انگریزی اور جہاد صفحہ ۱۱-۱۲)

"مجھے تعجب ہے۔ کہ جبکہ اس زمانہ میں کوئی شخص مسلمانوں کو مذہب کے لئے قتل نہیں کرتا۔ تو وہ کس حکم سے ناکردہ گناہ لوگوں کو قتل کرتے ہیں۔" (" صفحہ ۱۳)

"موجودہ طریق غیر مذہب کے لوگوں پر حملہ کرنے کا جو مسلمانوں میں پایا جاتا ہے جس کا نام وہ جہاد رکھتے ہیں۔ یہ شرعی جہاد نہیں ہے۔ بلکہ صریح خدا اور رسول کے حکم کے مخالف اور سخت معصیت ہے۔" (" صفحہ ۱۷)

کشتی نوح میں فرماتے ہیں

"اگر تم جبر کرو گے۔ تو تمہارا جبر اس بات پر کافی دلیل ہے۔ کہ تمہارے پاس اپنی سچائی پر کوئی دلیل نہیں۔ ہر یک نادان اور ظالم طبع جب دلیل سے عاجز آ جاتا ہے۔ تو پھر تلوار یا بندوق کی طرف ہاتھ لمبا کرتا ہے۔ مگر ایسا مذہب ہرگز ہرگز

خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ جو صرف تلوار کے سہارے سے پھیل سکتا ہے نہ کسی اور طریق سے۔ اگر تم ایسے جہاد سے باز نہیں آ سکتے۔ اور اس پر غصہ میں آ کر راستبازوں کا نام بھی دجال اور ملحد رکھتے ہو۔ تو ہم ان دو فقروں پر اس تقریر کو ختم کرتے ہیں۔ قل یا ایھا الکافرون لا اعبد ما تعبدون۔" (صفحہ ۶۸ و ۶۹)

"زندہ نبی اور زندہ مذہب" میں فرماتے ہیں:۔ "یہ کہنا۔ کہ سرحدی غازی آئے دن فساد کرتے ہیں۔ جہاد کے خیال سے۔ یہ ایک بیہودہ بات ہے۔ اور ان مفسدوں کو غازی کہنا سراسر نادانی اور جہالت ہے۔ اگر کوئی جاہل مسلمان ان کے ساتھ ذرا بھی ہمدردی رکھتا ہے۔ اس خیال سے کہ وہ جہاد کرتے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں۔ کہ وہ اسلام کا دشمن ہے۔ جو مفسد کا نام غازی رکھتا ہے۔ اور اسلام کے بدنام کرنے والوں کی تعریف کرتا ہے۔" (صفحہ ۱۴)

"تبلیغ حق" میں فرماتے ہیں:۔ "اس وقت دین کے نام سے تلوار یا ہتھیار اٹھانا سخت گناہ ہے۔ ہم کو ان وحشی سرحدیوں پر افسوس آتا ہے۔ کہ وہ آئے دن جہاد کے نام سے بعض وارداتیں کرکے جو در اصل اپنا پیٹ پالنے کے لئے کرتے ہیں۔ اسلام کو بدنام کرتے ہیں۔ اور امن میں خلل انداز ہوتے ہیں۔ ایک سچے مسلمان کو ان وحشیوں کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں چاہیئے۔" (صفحہ ۱۶)

شرعی جہاد سے نہیں بلکہ اس جہاد سے روکا گیا ہے۔ جو حال کے اسلامی علماء نے سمجھ رکھا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی یہ تحریرات ظاہر کر رہی ہیں۔ کہ آپ نے جس جہاد سے مسلمانوں کو روکا۔ وہ شرعی جہاد نہیں۔ بلکہ وہ جہاد ہے جو حال کے اسلامی علماء نے سمجھ رکھا ہے۔ اور جس کی حقیقت یہ ہے۔ کہ وہ "لوٹ مار اور قتل انسان کے منصوبے" "عوام الناس کو سکھاتے۔ اور اس کا نام جہاد رکھتے ہیں۔ وہ "ایک غافل انسان پر پستول یا بندوق چلا دینا" اسلام سمجھتے ہیں۔ وہ "غیر مذہب کے لوگوں پر حملہ" کرتے اور اسے خدا اور رسول کا حکم قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ ایک آیت یا ایک حدیث سے بھی اس مکروہ عقیدہ کی تائید نہیں ہوتی۔ پس ضروری تھا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام اس مزعومہ جہاد کی تنسیخ کرتے۔ ضروری تھا۔ کہ آپ مسلمانوں کی صحیح راہبری کرتے۔ اور بتاتے۔ کہ جہاد کا کیا مطلب ہے۔ اسی لئے آپ نے فرمایا:۔

دشمن ہے وُہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد　　منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد

جہاد قیامت تک جاری ہے

جہاد کا لفظ اس جگہ صرف اصطلاحی طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی چونکہ مسلمان جہاد سے مراد صرف جنگ اور قتال لیتے ہیں۔ اس لئے آپ نے بھی جہاد کا لفظ استعمال کر دیا۔ ورنہ آپ کے نزدیک حقیقی جہاد یعنی جہاد بالقرآن اور ضرورت پر جہاد بالسیف　یعنی شرائط کے پائے جانے پر تلوار سے جہاد کرنا قیامت تک جاری ہیں۔ جیسا کہ فرماتے ہیں:۔

"رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جن اعمال پر نہایت درجہ اپنی محبت ظاہر فرمائی ہے۔ وہ دو ہیں۔ ایک نماز اور ایک جہاد۔ نماز کی نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ قرۃ عینی فی الصلوٰۃ یعنی میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔ اور جہاد کی نسبت فرماتے ہیں۔ کہ میں آرزو رکھتا ہوں۔ کہ خدا تعالےٰ کی راہ میں قتل کیا جاؤں۔ اور پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں۔ اور پھر قتل کیا جاؤں۔

سو اس زمانہ میں جہاد روحانی صورت سے رنگ پکڑ گیا ہے۔ اور اس زمانہ کا جہاد یہی ہے۔ کہ اعلاء کلمۂ اسلام میں کوشش کریں۔ مخالفوں کے الزامات کا جواب دیں۔ دینِ متین اسلام کی خوبیاں دنیا میں پھیلا دیں۔ آنحضرتؐ کی سچائی دنیا پر ظاہر کریں۔ یہی جہاد ہے۔ جب تک خدا تعالےٰ کوئی دوسری صورت دنیا میں ظاہر کرے" (مکتوب بنام حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ مندرجہ رسالہ درود شریف ص۶۶)

اسی طرح فرماتے ہیں " واعلموا ان وقت الجهاد السيفي قد مضٰى ولم يبق الّا جهاد القلم والدعاء وآيات عظمٰى۔ (حقیقت المہدی ص۲۲) یعنی سمجھ لو کہ اب جہاد بالسیف کا زمانہ نہیں بلکہ قلم۔ دعا۔ اور آیاتِ عظمےٰ سے جہاد کرنے کا زمانہ ہے

پھر فرماتے ہیں " لا سيف في هٰذا الزمان الّا سيف قوة البيان ولا اجد في هٰذا العصر تاثير القنات الّا في البراهين والادلة والاٰيات " (ص۲۶) یعنی اس زمانہ میں قوتِ بیان کے سوا اور کوئی تلوار نہیں۔ اور ادلہ و براہین اور نشانات کے بیان کرنے میں جو تاثیر ہے۔ وہ نیزوں میں ہرگز نہیں۔

پھر فرماتے ہیں " دیکھو میں ایک حکم لیکر آپ لوگوں کے پاس آیا ہوں۔ وُہ یہ ہے۔ کہ اب سے تلوار کے جہاد کا خاتمہ ہے۔ مگر اپنے نفسوں کے پاک کرنے کا جہاد باقی ہے " (رسالہ گورنمنٹ انگریزی اور جہاد ص۱۴ و ۱۵)

اسی طرح فرماتے ہیں: " جاننا چاہئے۔ کہ قرآن شریف یونہی لڑائی کے لئے حکم نہیں فرماتا۔ بلکہ صرف ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کا حکم فرماتا ہے۔ جو خدا تعالےٰ کے بندوں کو اس پر ایمان لانے اور اس کے دین میں داخل ہونے سے روکتے ہیں اور اس بات سے کہ وہ خدا تعالےٰ کے حکموں پر کاربند ہوں۔ اور اس کی عبادت کریں۔ اور ان لوگوں سے لڑنے کے لئے حکم فرماتا ہے۔ جو مسلمانوں سے بے وجہ لڑتے ہیں۔ اور مومنوں کو ان کے گھروں سے اور وطنوں سے نکالتے ہیں۔ اور خلق اللہ کو جبرًا اپنے دین میں داخل کرتے ہیں۔ اور دینِ اسلام کو نابود کرنا چاہتے ہیں۔ اور لوگوں کو مسلمان ہونے سے روکتے ہیں۔ اولٰئک الذين غضب الله عليهم ووجب على المومنين ان يحاربوهم ان لم ينتهوا۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جن پر اللہ تعالےٰ کا غضب ہے۔ اور مومنوں پر واجب ہے۔ کہ ان سے لڑیں۔ اگر وُہ باز نہ آئیں"
(نور الحق حصہ اوّل ص۴۵)

موجودہ زمانہ میں جہاد بالسیف کی ممانعت کی وجہ

میں بتا چکا ہوں۔ کہ آج جبکہ دینی امور میں مسلمانوں پر کوئی جبر نہیں کیا جاتا۔ مسلمانوں کو بھی جہاد بالسیف کی اجازت نہیں۔ کیونکہ اس جہاد کی اسی وقت اجازت ہے۔ جب مخالف قومیں تلوار کے زور سے اسلام کو نابود کرنا چاہیں۔ اور جب یہ حالت جاتی رہے۔ جہاد بالسیف بھی موقوف ہو جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے موجودہ زمانہ میں مسئلہ جہاد کی حقیقت بتاتے ہوئے مسلمانوں کو جو نصیحت کی۔ کہ اب جہاد بالسیف کا وقت نہیں۔ وہ اسی لئے کی۔ کہ اب دینی امور میں مسلمانوں پر جبر نہیں ہو رہا۔ نہ جبرًا وہ اسلام سے پھرائے جاتے ہیں۔ نہ جبرًا غیر مذاہب میں داخل کئے جاتے ہیں۔ نہ جبرًا اسلام میں داخل ہونے والوں کو قتل کیا جاتا ہے۔ پس اب بلا وجہ مذہبی جنگ کرنا بھی حرام ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"بعض نادان مجھ پر اعتراض کرتے ہیں۔ جیسا کہ صاحب المنار نے بھی کیا ہے۔ کہ یہ شخص انگریزوں کے ملک میں رہتا ہے۔ اس لئے جہاد کی ممانعت کرتا ہے۔ یہ نادان نہیں جانتے۔ کہ اگر میں جھوٹ سے اس گورنمنٹ کو خوش کرنا چاہتا۔ تو میں بار بار کیوں کہتا۔ کہ عیسےٰ ابن مریم صلیب سے نجات پا کر اپنی طبعی موت سے بمقام سری نگر کشمیر مر گیا۔ اور نہ وُہ خدا تھا۔ نہ خدا کا بیٹا۔ کیا انگریز مذہبی جوش والے میرے اس فقرہ سے مجھ سے بیزار نہیں ہونگے۔ پس سنو اے نادانو! میں اس گورنمنٹ کی کوئی خوشامد نہیں کرتا۔ بلکہ اصل بات یہ ہے۔ کہ ایسی گورنمنٹ سے جو دین اسلام اور دینی رسوم پر کچھ دست اندازی نہیں کرتی۔ اور نہ اپنے دین کو ترقی دینے کے لئے ہم پر تلوار چلاتی ہے۔ قرآن شریف کی رو سے مذہبی جنگ کرنا حرام ہے۔ کیونکہ وہ بھی کوئی مذہبی جہاد نہیں کرتی"۔ (کشتی نوح حاشیہ صفحہ ۶۸)

تحفۂ گولڑویہ میں فرماتے ہیں:۔

"وجوہ الجہاد معدومۃ فی ھذا الزمن وھٰذہ البلاد فالیوم حرام علی المسلمین ان یحاربوا للدین وان یقتلوا من کفر بالشرع المتین فان اللہ صرح حرمۃ الجہاد عند زمان الامن والعافیۃ۔ (صفحہ ۳ طبع اول) یعنی چونکہ موجودہ زمانہ اور اس ملک میں جہاد کی وجوہ معدوم ہیں۔ اس لئے مسلمانوں پر حرام ہے۔ کہ وہ دین کے لئے جنگ کریں۔ اور اس شخص کو قتل کریں۔ جو شرع متین کا انکار کرے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے صراحتاً بتا رکھا ہے۔ کہ امن و عافیت کے زمانہ میں جہاد حرام ہوتا ہے۔

حقیقت المہدی میں فرماتے ہیں۔ کہ:۔ "رفعت ھٰذہ السنۃ برفع اسبابھا فی ھٰذہ الایام وامرنا ان نعد للکافرین کما یعدون لنا ولا نرفع الحسام قبل ان نقتل بالحسام (صفحہ ۱۹) یعنی جہاد کی سنت اس زمانہ میں اس لئے اٹھالی گئی ہے۔ کہ اب جہاد کے اسباب باقی نہیں۔ اور ہمیں حکم ہے۔ کہ ہم کافروں سے ویسا ہی سلوک کریں۔ جیسا کہ وہ ہم سے کرتے ہیں۔ اور ہم اس وقت تک ان پر تلوار ہرگز نہ اٹھائیں۔ جب تک کہ وہ ہمیں تلوار سے قتل نہ کریں۔

غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسلمانوں کو جہاد سے نہیں روکا۔ بلکہ مخالفین

اسلام کا تلوار سے مقابلہ کرنے اور انہیں قتل کرنے سے منع کیا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ وہ اسلام پر تلوار کے ذریعہ حملہ آور نہیں ہو رہے۔ پس مسلمانوں کے لئے بھی جائز نہیں۔ کہ وہ بلا وجہ تلوار اُٹھائیں۔ اور غازی کہلانے کے شوق میں کفار کا سر کاٹیں۔

کیا تنسیخ جہاد کے اعلان سے مسلمانوں کی خودداری تباہ ہوگئی

سید حبیب حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے اس اعلانِ حق پر بہت بے چین ہو کر لکھتے ہیں "مرزا صاحب نے تنسیخ جہاد کا اعلان کر کے مسلمانوں کی خودداری کو برباد کرنے کی کوشش کی۔ ان کی روایات کو تباہ کرنے کی سعی کی۔ اور ان کی ہمت کی رگِ جان تک کو مسل دیا"۔ (صفحہ ۱۸)

مگر سید حبیب گھبرائیں نہیں؟ حضرت مرزا صاحب نے اگر بفرضِ محال تنسیخ جہاد کا اعلان کیا ہے۔ تو ان لوگوں کے لئے جو آپ کی باتوں کو قبول کرتے اور آپ کے دعاوی کو تسلیم کرتے ہیں۔ نہ ان مسلمانوں کے لئے جو بات بات میں آپ کی مخالفت کرنا جزو ایمان قرار دے رہے ہیں۔ پس کیوں مسلمان مسئلۂ جہاد کے باب میں حضرت مرزا صاحب کی اتباع کرتے ہیں۔ کیوں اپنی خودداری کو آپ برباد کرتے۔ اپنی روایات کو آپ تباہ کرتے! اپنی ہمت کی رگِ جان کو آپ مسلنے کے درپے ہو رہے ہیں۔ اگر وہ میدانِ جنگ میں کودنے کے لئے سر بکف ہیں۔ تو بسم اللہ کریں۔ تلوار ہاتھ میں لیں۔ اور دشمنوں کے سر کاٹ کر رکھدیں۔ اس جہاد بالسیف سے ان کی خودداری بھی قائم ہو جائیگی۔ ان کی روایات بھی تازہ ہو جائیں گی۔ اور ان کی ہمت کی رگِ جان بھی پھڑکنے لگ جائیگی۔ مگر کیا وُہ ایسا کرینگے۔ ہمیں یقین ہے۔ کہ وُہ کبھی نہیں کرینگے۔ کیونکہ زبان سے جہاد جہاد کا شور مچانے اور بڑی بڑی تعلیاں ہانکنے کے باوجود آج دنیا پر ثابت ہو چکا ہے۔ کہ وہی عملی پروگرام درست ہے۔ جو بانئ سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے تجویز کیا۔ پچاس سال شور مچانے کے باوجود مسلمانانِ ہند میں سے ایک مسلمان کو بھی تلوار پکڑنے کی توفیق نہ ملی۔ کفر کا فتوے لگانے والے مولوی ایک دن بھی جہاد بالسیف نہ کر سکے۔ اعتراضات کا طومار کھڑا کرنیوالے لوگ گھروں میں دبک کر بیٹھے رہے اور ان میں سے کوئی بھی صحابہ کرام کا مثیل بننے کی جرأت نہ کر سکا۔ حالانکہ شریعت کے رو سے جس وقت مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت یہی صورت رہ جاتی ہے

کہ ملک کو چھوڑ کر حکومت کا مقابلہ کیا جائے۔ اور اگر حکومت نکلنے بھی نہ دے۔ تو اسی کے ملک میں رہتے ہوئے اس کا مقابلہ کیا جائے۔ اس صورت میں قانون توڑنے کی ذمہ داری مسلمانوں پر نہیں بلکہ حکومت پر عائد ہوگی۔ اگر مسلمانوں کے نزدیک اس وقت جہاد بالسیف ضروری تھا۔ تو انہیں چاہئے تھا۔ کہ وُہ ہندوستان سے ہجرت کر کے حکومت کا مقابلہ کرتے۔ مگر دنیا گواہ ہے۔ کہ انہوں نے اس طریق کو اختیار نہیں کیا۔ کیا یہ اس امر کا ثبوت نہیں۔ کہ جہاد بالسیف کو وُہ بھی موجودہ زمانہ میں ناممکن العمل قرار دیتے ہیں۔ ہاں منافقت کا پردہ اوڑھکر زبان سے کچھ اور کہتے ہیں۔ اور دلیری سے وہی بات نہیں کہتے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے کہی۔ کہ جہاد بالسیف ہر زمانہ میں نہیں ہو سکتا۔ اور یہ کہ آج جہاد بالسیف نہیں بلکہ جہاد بالقرآن کا زمانہ ہے۔

اگرچہ ضرورت نہ تھی۔ کہ اس قدر وضاحت کے بعد مسئلۂ جہاد کے باب میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے نظریہ کے متعلق مزید تائیدی ثبوت پیش کئے جاتے۔ مگر چونکہ بعض لوگ متقدمین میں سے بعض کے حوالجات معلوم کرنے کے شائق ہوتے ہیں۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعض مثالوں سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے نظریہ کی صداقت واضح کی جائے۔

انبیاء سابقین کا طریق عمل

انبیاء علیہم السلام جو بنی نوع انسان کے لئے اسوۂ حسنہ ہوتے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کی بھی مثال ایسی پیش نہیں کی جا سکتی۔ جس میں حکومتِ وقت سے مذہبی آزادی ملنے کے باوجود قتال کیا گیا ہو۔ بلکہ اگر نظر آتا ہے۔ تو یہ کہ حضرت یوسف علیہ السّلام نے فرعون مصر سے وزیر مالیات کا عہدہ اپنے لئے طلب کیا۔ اور اس عہدہ پر فائز ہو کر قوانین شاہی کے مطابق فیصلے کئے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے۔ قال اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظٌ علیم ۔ وکذالک مکنّا لیوسف فی الارض یتبوّؤا منھا حیث یشاء (سورۂ یوسف)

اسی طرح حضرت عیسےٰ علیہ السّلام نے حکومت رومانیہ سے جس کے ماتحت آپ رہتے تھے۔ جنگ نہیں کیا۔ بلکہ یہودیوں نے جب سوال کیا۔ کہ قیصر کو جزیہ دیا جائے یا نہیں۔ تو آپ نے جواب دیا۔ "جو قیصر کا ہے قیصر کو اور جو خدا کا ہے۔ خدا کو ادا کرو۔" (متی ۲۲/۲۱) اور جب آپ پر بادشاہت کا الزام لگایا گیا۔ تو پیلاطوس کے سامنے آپ نے صاف طور پر کہدیا۔ "میری

بادشاہت دنیا کی نہیں۔ اگر میری بادشاہت دُنیا کی ہوتی۔ تو میرے خادم لڑتے۔ تاکہ میں یہودیوں کے حوالے نہ کیا جاتا۔" (یوحنا ۱۸/۳۶) غرض انبیاء علیہم السلام کے پاک گروہ میں باوجود تلاش کے کوئی مثال ایسی نظر نہیں آتی۔ جس میں انہوں نے ہر قسم کی آزادی ملنے کے باوجود جنگ وجدل اور قتال کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا ہو۔

صحابہ کرامؓ کا طرزِ عمل

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں بھی ہمیں یہی نمونہ نظر آتا ہے۔ چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے۔ کہ کفارِ مکہ کی تکالیف سے تنگ آکر جب بعض صحابہ حبشہ میں چلے گئے۔ تو وہاں کے عیسائی بادشاہ نجاشی کے ماتحت رہ کر انہوں نے پوری اطاعت و فرمانبرداری کی۔ اور آج کل کے مسلمانوں کی طرح نشۂ جہاد سے سرشار ہو کر اس سے لڑائی شروع نہ کی بلکہ امن وامان کے ساتھ اس کے ملک میں رہتے رہے۔

اسی طرح بخاری میں آتا ہے۔ ایک شخص ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اور کہا کیا وجہ ہے کہ آپ جہاد فی سبیل اللہ ترک کر بیٹھے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ ہم اس غرض کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پورا کر چکے ہیں۔ اذ کان الاسلام قلیلاً فکان الرجل یفتن فی دینہ اما یقتلوہ واما یوثقوہ حتیٰ کثر الاسلام فلم تکن فتنۃ (بخاری جلد ۳ کتاب تفسیر القرآن سورۃ الانفال صفحہ ۹۱) یعنی اس وقت مسلمان بہت تھوڑے اور کمزور تھے۔ جو شخص اسلام قبول کرتا۔ اسے کفار فتنہ وفساد اور مختلف قسم کے مصائب میں مبتلا کر کے قتل کر دیتے۔ یا قید میں ڈال دیتے۔ مگر اب تو اسلام پھیل گیا۔ اور فتنہ مٹ چکا۔ پس اب جہاد بالسیف کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ صحابہؓ کرام نے اپنے طرزِ عمل سے بھی اسی امر کی تائید کی ہے۔ کہ جب دین کے مقابلہ میں جبر و اکراہ سے کام لیا جائے۔ اور تلوار کے زور سے مسلمان ہونے سے لوگوں کو روکا جائے۔ اور جو مسلمان ہو جائیں۔ انہیں قتل کر دیا جائے۔ یا ہمیشہ کے دکھوں میں مبتلا رکھا جائے۔ اس وقت جہاد بالسیف کا وقت آتا ہے۔ اور جب تک ایسا وقت نہ آئے۔ یہ جہاد متروک رہتا ہے۔ اسی طرح سفیان الثوریؒ جن کا شمار ائمۂ مجتہدین میں ہوتا ہے۔ ابن شبرمہؒ جو کوفہ کے ممتاز فقیہ تھے۔ عطاؒ ابن ابی رباح جن کے سپرد مکۂ معظمہ میں مفتی کا منصب تھا۔ اور عمروؒ بن دینار جو مشہور ترین تابعین میں سے ہیں ان سب کا عقیدہ تھا۔ کہ جہاد

صرف ان لوگوں کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ جو مسلمانوں پر حملہ کریں۔ اور یہ کہ جہاد مذہب کے رو سے واجب نہیں۔ بلکہ صرف جائز ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔

"ویحکی عن ابن شبرمة والثوری ان الجہاد تطوع ولیس بواجب انتہی قلت کذا روی عن ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ سئل عطاء وعمرو بن دینار ان الغزو واجب قالا ما علمناہ واجباً"

"وقال الثوری لا یجوز قتالہم حتی یبدونا لقولہ تعالیٰ فان قاتلوکم فاقتلوہم" (البنایہ فی شرح الہدایہ المشہور عینی شرح ہدایہ جزو اول مجلد ثانی کتاب السیر صفحہ ۷۸۹ و ۷۹۰ مطبوعہ لکھنؤ)

حضرت سید احمد صاحب بریلوی اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید کے بیانات

تیرھویں صدی کے مجدد حضرت سیّد احمد صاحب بریلوی اور ان کے جاں نثار حواری مولٰنا محمد اسماعیل صاحب شہید جنہوں نے اپنے زمانہ کے ظالم سکھوں سے مذہبی جبر و تشدد کی بناء پر جہاد کر کے خدا تعالےٰ کی راہ میں شہادت کا درجہ حاصل کیا۔ مسئلہ جہاد کے باب میں وہی مسلک رکھتے تھے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان کیا۔ چنانچہ "سوانح احمدی" مؤلفہ مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری میں لکھا ہے۔

"اثناء قیام کلکتہ میں جب ایک روز مولٰنا محمد اسماعیل صاحب شہید وعظ فرمارہے تھے۔ ایک شخص نے مولٰنا سے یہ فتویٰ پوچھا۔ کہ سرکار انگریزی پر جہاد کرنا درست ہے یا نہیں۔ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا۔ کہ ایسی بے رو ریا اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں ہے۔ اس وقت پنجاب کے سکھوں کا ظلم اس حد کو پہونچ گیا ہے۔ کہ ان پر جہاد کیا جائے۔" (صـ۵۷)

"صاحب مخزن لکھتا ہے۔ کہ (سیّد صاحب) ہر گھڑی اور ہر ساعت جہاد اور قتال کا ارادہ کرتے رہتے تھے۔ اور سرکارِ انگریزی گو کافر تھی۔ مگر اس کی مسلمان رعایا کی آزادی اور سرکار انگریزی کی بے رو ریائی اور بوجہ موجودگی ان حالات کے۔ ہماری شریعت کے شرائط سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کو مانع تھیں۔ اس واسطے آپ کو منظور ہوا۔ کہ اقوام سکھ پنجاب پر جو نہایت ظالم اور احکاماتِ شریعت کی حارج اور مانع تھے۔ جہاد کیا جائے۔" (صـ۵۴)

"یہ بھی ایک صحیح روایت ہے۔ کہ جب آپ سکھوں سے جہاد کرنے کو تشریف لیجاتے تھے

کسی شخص نے آپ سے پوچھا۔ کہ آپ اتنی دور سکھوں پر جہاد کرنے کو کیوں جاتے ہو۔ انگریز جو اس ملک پر حاکم ہیں۔ اور دینِ اسلام سے کیا منکر نہیں ہیں۔ گھر کے گھر میں ان سے جہاد کر کے ملکِ ہندوستان لے لو۔ یہاں لاکھوں آدمی آپ کا شریک اور مددگار ہو جائیگا۔ کیونکہ سینکڑوں کوس سفر کرکے سکھوں کے ملک سے پار ہو کر افغانستان جانا اور وہاں برسوں رہ کر سکھوں سے لڑنا یہ ایک ایسا امر محال ہے۔ جس کو ہم لوگ نہیں کر سکتے۔ سید صاحب نے جواب دیا۔ کہ کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت کرنا نہیں چاہتے۔ نہ انگریزوں کا نہ سکھوں کا ملک لینا ہمارا مقصد نہیں ہے۔ بلکہ سکھوں سے جہاد کرنے کی صرف یہی وجہ ہے۔ کہ وہ ہمارے برادرانِ اسلام پر ظلم کرتے۔ اور اذان وغیرہ فرائض مذہبی ادا کرنے کے مزاحم ہوتے ہیں اگر سکھ اب یا ہمارے غلبہ کے بعد ان حرکاتِ مستوجبِ جہاد سے باز آجائینگے۔ تو ہم کو ان سے لڑنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ اور سرکار انگریزی گو منکرِ اسلام ہے۔ مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم اور تعدی نہیں کرتی۔ اور نہ ان کو فرض مذہبی اور عبادتِ لازمی سے روکتی ہے۔ ہم ان کے ملک میں علانیہ وعظ کہتے اور ترویج مذہب کرتے ہیں۔ وہ کبھی مانع اور مزاحم نہیں ہوتی۔ بلکہ اگر کوئی ہم پر زیادتی کرتا ہے۔ تو اس کو سزا دینے کو تیار ہے۔ ہمارا اصل کام اشاعتِ توحیدِ الٰہی اور احیاءِ سننِ سیدالمرسلین ہے۔ سو ہم بلا روک ٹوک اس ملک میں کرتے ہیں۔ پھر ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں۔ اور خلاف اصول مذہب طرفین کا خون بلا سبب گراویں۔ یہ جواب باصواب سنکر سائل خاموش ہوگیا۔ اور اصل غرض جہاد کی سمجھ لی۔" (سوانح احمدی کلاں صـ۷۱)

اسی کتاب "سوانح احمدی کلاں" کے صـ۱۳۶ پر سید صاحب کا ایک خط بھی درج ہے جس میں لکھتے ہیں۔

"نہ با کسے از امراء مسلمین منازعت داریم و نہ با کسے از رؤساء مومنین مخالفت باکفار لئام مقابلہ داریم نہ با مدعیانِ اسلام۔ صرف با دراز موئیان (یعنی لمبے بالوں والے سکھ) مقاتلہ نہ با کلمہ گویان و اسلام جویان و نہ با سرکار انگریزی خصومت داریم۔"

پھر لکھا ہے۔ "اس سوانح اور نیز مکتوباتِ منسلکہ سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ سید صاحب کا سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا۔ وہ اس آزاد عملداری کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے۔" (صـ۱۳۹)

نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی صاحب مرحوم بھی اپنی کتاب تحقیق الجہاد میں لکھتے ہیں "یہ لڑائیاں ایک عارضی حیثیت رکھتی تھیں۔ اور ان کو خواہ مخواہ زمانۂ مابعد کے عملدر آمد کے لئے قطعی احکام یا آئندہ نسلوں کے لئے مذہبی ہدایات خیال نہیں کرنا چاہیئے۔" (ص۱۳۷ فقرہ ۹۰)

پھر لکھتے ہیں۔ "قرآن مجید میں جس قدر آیتیں جنگ کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں۔ وُہ سب کی سب یا تو ان مشرکین عرب سے متعلق ہیں جو مسلمانانِ قرنِ اول کی مخالفت میں عرصۂ دراز تک مستقل رہے۔ یا یہودیوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ جو مسلمانوں سے معاہدہ کر کے ان کے دشمنوں سے جا ملے تھے۔ اور مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کرتے تھے۔ دیگر اشخاص جن کی وہ حالت نہیں ہے۔ جو مسلمانوں کی حالت مدینہ میں تھی ان پر ان آیتوں کے احکام کی پابندی عائد نہیں ہوتی۔" (ص۱۴۶ و ص۱۴۷)

غرض حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے جو کچھ فرمایا۔ وہ کوئی نرالی بات نہیں۔ بلکہ انبیاء سابقین کی مثالیں۔ صحابہ کرام کا طرزِ عمل۔ حضرت سیّد احمدؒ صاحب بریلوی۔ اور مولٰنا محمد اسماعیل صاحب شہید وغیرہ کے بیانات اسی کی تائید کرتے ہیں۔ اور سب کا یہ متفقہ قول ہے۔ کہ جہاد بالسیف کا آج زمانہ نہیں۔ کیونکہ مذہبی رنگ میں مسلمانوں پر کہیں جبر و تشدد نہیں ہوتا۔ پس آج جو شخص شروط کا لحاظ کئے بغیر جہاد بالسیف کرتا ہے۔ وہ قتل و غارت کا ارتکاب کرتا اور شریعت اسلام کی توہین کرتا ہے۔

مسلمانوں کے پاس وُہ تلوار کہاں ہے جس سے جہاد کرنا چاہتے ہیں

پھر جہاد بالسیف کے لئے تلوار کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر کیا مسلمانوں کے پاس وُہ موجود ہے۔ اگر کوئی چیز بھی مسلمانوں کے پاس موجود نہیں۔ نہ ان میں اتحاد و یگانگت ہے۔ نہ دولت و ثروت نہ تعلیم نہ دماغ نہ قائد نہ جمعیت۔ نہ آپس کی ہمدردی۔ نہ ایک دوسرے کی مصیبت کا احساس۔ نہ حکومت نہ بادشاہت۔ اس کے علاوہ وُہ ایک غیر حکومت کے ماتحت ہیں۔ ایسی حکومت کے ماتحت جس نے انہیں کامل مذہبی آزادی دے کر جہاد بالسیف کے امکان کا راستہ مسدود کر رکھا ہے۔ تو بتایا جائے۔ ان حالات میں حکومت سے برسرِ پیکار ہونے کی تعلیم دینا مسلمانوں کی رگِ جان کو مسلنا اور انہیں تباہی و بربادی کے گڑھے میں گرا کر ہند و قوم کو غالب کرنا نہیں۔ تو اور کیا ہے

پھر کیا برا ہوا۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے کہہ دیا:۔ ؎

اب تم میں کیوں وہ سیف کی طاقت نہیں رہی — بھید اس میں ہے یہی کہ وُہ حاجت نہیں رہی
اب کوئی تم پہ جبر نہیں غیر قوم سے — کرتی نہیں ہے منع صلوٰۃ اور صوم سے
تم میں سے جس کو دین و دیانت سے ہے پیار — اب اس کا فرض ہے کہ وہ دل کر کے استوار
لوگوں کو یہ بتائے کہ وقتِ مسیح ہے۔ — اب جنگ اور جہاد حرام اور قبیح ہے۔

ہر زمانہ کا جہاد الگ الگ ہوتا ہے

یہی وہ چیز ہے۔ جسے مخالف "تنسیخ جہاد" کے نام سے ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ جماعتِ احمدیہ جہاد کی منکر ہے۔ حالانکہ بخدا ہم جہاد کے منکر نہیں۔ بلکہ جہاد کے ان غلط معنوں کے مخالف ہیں۔ جن سے اسلام بدنام ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک جہاد بالسیف صرف وقتی جہاد ہے۔ جو خاص حالات کے پیدا ہونے پر کیا جا سکتا ہے دائمی اور ہمیشہ کے لئے قابلِ عمل جہاد جو ہر کافر و منکر سے کیا جانا ضروری ہے۔ جہاد بالقرآن ہے۔ اور یہی وُہ جہاد ہے جسے قرآن مجید نے جہاد کبیر قرار دیا۔ جیسا کہ وُہ فرماتا ہے۔ جاھدھم بہ جہاداً کبیرا (فرقان ع) مخالف اگر اس نظریہ کو آج تسلیم نہیں کرتے۔ تو وُہ دن دور نہیں۔ جب انہیں اس کی صداقت کا اقرار کرنا پڑیگا۔ بلکہ ہمیں تو ابھی سے اس کے آثار نظر آرہے ہیں۔ چنانچہ مولوی احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ العلماء ہند نے ۱۹۳۱ء میں سہارنپور میں ایک تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"یہ مولوی تو ایک ہی چیز جانتے ہیں۔ یا تو جہاد کرینگے۔ نہیں تو ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں گے۔ میں عرض کرتا ہوں۔ کہ یہ جذبہ تو قابلِ تعریف ہے لیکن تجربہ کے خلاف ہے۔ ۱۸۵۷ء میں تم جہاد کر کے دیکھ چکے ہو۔ جب اس وقت کامیاب نہیں ہوئے۔ تو اب کیا توقع ہے۔ تم کو اگر جہاد کا شوق ہے۔ تو کر کے دیکھ لو۔ مجھے تمہارے اس عقیدہ پر کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن کامیاب نہیں ہو گے۔ اور یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے۔ کہ یا تو جہاد کرو گے۔ ورنہ کچھ بھی نہیں کرو گے۔ میاں ہر زمانہ کا جہاد الگ الگ ہوتا

حاشیہ ۱:۔ یہی وُہ بات ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس شعر میں بیان کی ؎
یہ حکم سن کے بھی جو لڑائی کو جائے گا۔ — وُہ کافروں سے سخت ہزیمت اٹھائے گا۔

ہے۔ مکہ میں مدافعت کا طریقہ کچھ اور تھا۔ مدینہ میں کچھ اور“ (الجمعیۃ دہلی ۲۸ر اگست ۱۹۵۵ء صفحہ ۷ کالم ۱)

جہاد کی دو صورتیں

ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ کہ ہر زمانہ کا جہاد الگ الگ ہوتا ہے۔ صرف جہاد بالسیف ہی جہاد کی ایک قسم نہیں۔ بلکہ خدا تعالےٰ نے جہاد کی دو صورتیں مقرر کی ہیں۔ ایک جنگ کے ایام کے لئے اور ایک صلح کے ایام کے لئے۔ جب کوئی قوم مسلمانوں پر اس وجہ سے حملہ آور ہو۔ کہ کیوں انہوں نے اسلام قبول کیا۔ اور بزور شمشیر انہیں مذہب سے منحرف کرنا چاہے۔ جیسا کہ مشرکین عرب نے کیا تھا۔ تو اس وقت حکم ہے۔ کہ تلوار کا تلوار سے مقابلہ کرو۔ اور جب غیر مسلم لوگ تلوار کے ذریعہ غیر مسلموں کو اسلام میں داخل ہونے سے نہ روکیں۔ بلکہ نشر و اشاعت، تبلیغ اور پراپیگنڈا کے ذریعہ اسلام سے بدظن کریں۔ تو اس وقت کا جہاد یہ ہے۔ کہ مسلمان بھی دلائل کی تلوار چلائیں۔ اور قرآن کریم ہاتھ میں لیکر دشمنوں کو مغلوب کریں۔ پس وہ شخص جو یہ کہتا ہے۔ کہ احمدی جماعت جہاد کی منکر ہے۔ غلط کہتا ہے۔ جماعت احمدیہ یہ یقین رکھتی ہے۔ کہ جہاد النفس ہر لمحہ ضروری ہے۔ جہاد بالقرآن ہر لمحہ ضروری ہے۔ ہاں جہاد بالسیف ہر وقت ضروری نہیں۔ بلکہ خاص حالات کے پیدا ہونے پر ضروری ہوتا ہے۔ اور چونکہ آج وہ حالات پائے نہیں جاتے۔ اس لئے آج جہاد بالسیف جائز نہیں۔

احادیث میں یضع الحرب کی خبر

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے آج سے تیرہ سو سال پہلے اپنی معرفت کی نگہ سے دیکھا تھا۔ کہ مسیح موعود کے زمانہ میں جہاد کا غلط مفہوم لوگوں کے ذہن نشین ہو جائیگا اور ضرورت ہوگی کہ نہایت سختی سے اس غلطی کا ازالہ کیا جائے۔ پس آپ نے جیسا کہ یکسر الصلیب میں مسیح موعود کا یہ کام قرار دیا۔ کہ وہ کسر صلیب کرے۔ اسی طرح یضع الحرب کہکر آپ نے اس حقیقت کو بھی اظہر من الشمس کر دیا۔ کہ مسیح موعود کا یہ کام بھی ہوگا۔ کہ وہ لڑائیوں کا خاتمہ کر دے۔ یعنی ان غلط خیالات کا قلع قمع کرے۔ جن کے ہوتے ہوئے لڑائیوں کا ہر وقت احتمال رہتا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی بناء پر فرمایا:۔

”ہائے افسوس کیوں یہ لوگ غور نہیں کرتے۔ کہ تیرہ سو برس ہوئے۔ کہ مسیح موعود کی شان میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منہ سے کلمہ یضع الحرب جاری ہو چکا ہے۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ مسیح موعود جب آئے گا۔ تو لڑائیوں کا خاتمہ کر دیگا۔ اور اسی کی طرف اشارہ اس قرآنی آیت کا ہے۔ حتّٰی تضع الحرب اوزارھا۔“ (رسالہ گورنمنٹ انگریزی اور جہاد صفحہ ۶)

اسی طرح فرماتے ہیں:۔

”اگر فرض بھی کرلیں۔ کہ اسلام میں ایسا ہی جہاد تھا جیسا کہ ان مولویوں کا خیال ہے۔ تاہم اس زمانہ میں وہ حکم قائم نہیں رہا۔ کیونکہ لکھا ہے۔ کہ جب مسیح موعود ظاہر ہو جائیگا۔ تو سیفی جہاد اور مذہبی جنگوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کیونکہ مسیح نہ تلوار اٹھائیگا۔ اور نہ کوئی اور زمینی ہتھیار ہاتھ میں پکڑے گا۔ مگر اس کی دعا اس کا حربہ ہوگا۔ اور اس کی عقد ہمت اس کی تلوار ہوگی۔ وہ صلح کی بنیاد ڈالیگا۔ اور بکری اور شیر کو ایک ہی گھاٹ پر اکٹھے کریگا۔“ (ص۸)

پھر فرماتے ہیں:۔ ”صحیح بخاری کی اس حدیث کو سوچو۔ جہاں مسیح موعود کی تعریف میں لکھا ہے۔ کہ یضع الحرب یعنی مسیح جب آئیگا۔ تو دینی جنگوں کا خاتمہ کر دے گا۔ سو میں حکم دیتا ہوں۔ کہ جو میری فوج میں داخل ہیں۔ وہ ان خیالات کے مقام سے پیچھے ہٹ جائیں۔“ (رسالہ گورنمنٹ انگریزی اور جہاد ص۱۵)

اشعار میں بھی فرماتے ہیں:۔

کیوں بھولتے ہو تم یضع الحرب کی خبر | کیا یہ نہیں بخاری میں دیکھو تو کھول کر
فرما چکا ہے سید کونین مصطفےٰ | عیسیٰ مسیح جنگوں کا کر دے گا التوا

جہاد بالسیف میں التواء کا حکم

اس جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا جہاد بالسیف کے متعلق التواء کا لفظ استعمال فرمانا اور پھر اشعار میں

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال | دین کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

بار بار اب کا لفظ لانا ظاہر کر رہا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک یہ ممانعت جہاد بالسیف کا فتوےٰ موجودہ وقت کے لئے ہے۔ یعنی چونکہ اب تلوار کے زور سے مسلمانوں کی آزادی کو کچلا نہیں جاتا۔ اس لئے اب ایسے جہاد کا خیال کرنا بھی حماقت ہے اور جبکہ مذہبی بناء پر جبر و تشدد نہیں۔ تو اب دین کے لئے جنگ و قتال کرنا بھی حرام ہے

پس اب جہاد بالسیف ملتوی ہے۔ اس وقت تک کہ دوبارہ پھر وہی حالات پیدا ہوجائیں جو صحابہ کرام کے زمانہ میں کفار کی طرف سے پیدا کر دیئے گئے تھے۔

جہاد بالقرآن کی طرف آؤ

یہ حقیقت ہے۔ اس نسیخ جہادؑ کی جس پر سیّد حبیب ایسے ناواقف مخالفین احمدیت مضطرب ہو کر شور مچا رہے ہیں اور اسے احمدیت کے خلاف زبردست دلائل میں سے ایک دلیل قرار دے رہے ہیں۔ کیا کوئی عقل وسمجھ رکھنے والا انسان ہے۔ جو اس پر غور کرے اور سمجھے کہ آج جبکہ جہاد بالسیف کی شرط نہیں پائی جاتیں۔ تو یہ جہاد جائز کیونکر ہو گیا۔ آج منشاء الٰہی یہ ہے۔ کہ مسلمان جہاد بالسیف کی بجائے جہاد بالقرآن کی طرف ہاتھ بڑھائیں۔ جہادِ بالسیف کی بجائے جہاد بالنفس شروع کریں۔ اپنی اصلاح کریں۔ اپنی قوم کی اصلاح کریں۔ مخالف قوتوں کو دلائل وبراہین سے پامال کریں۔ اور اسلام کے نورانی چہرے کا دُنیا کو والہ وشیدا بنائیں۔ وہ جہاد جہاد کرتے ہیں۔ تو کیوں جہاد بالقرآن شروع نہیں کرتے۔ کیوں اشاعت اسلام کے لئے اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو خرچ نہیں کرتے۔ کیوں اپنے گھروں میں چھپ کر بیٹھے ہیں۔ اسلام اس وقت بے یار ومددگار پڑا ہے۔ اور دشمن اس کا چاروں طرف سے احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ضرورت ہے۔ کہ وُہ اپنی جان اپنا مال اپنی عزت اپنی آبرو سب کچھ اسلام پر قربان کردیں۔ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کو گالیاں دینے والوں کو حلقہ بگوشانِ اسلام بنائیں۔ یہی جہاد ہے۔ جو اس وقت درکار ہے یہی جہاد ہے۔ جس کے کرنے کا اس وقت خدا تعالےٰ کی طرف سے حکم ہے۔ اور یہی جہاد ہے۔ جو مسلمانوں کو قعرِ مذلت سے نکال کر بامِ رفعت تک پہونچا سکتا ہے۔ اگر مسلمان اس جہاد کبیر میں جس کی اس وقت اشد ترین ضرورت ہے اپنے آپ کو اور اپنی اولادوں اور اپنے رشتہ داروں کو شامل نہیں کرسکتے اگر وہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کے لئے اتنی بھی غیرت نہیں رکھتے۔ جتنی انسان اپنے نفس کے لئے رکھتا ہے۔ تو یقیناً سمجھ لیں۔ کہ اگر جہاد بالسیف بھی کسی وقت ان پر فرض ہوا۔ تو وہ اس میدان سے اسی طرح پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلیں گے۔ جس طرح آج جہاد بالقرآن سے کنارہ کر رہے ہیں۔ اور ان کی وہی حالت ہوجائیگی جو بنی اسرائیل کے ان سرداروں کی ہوئی۔ جنہوں نے اپنے نبی سے جہاد بالسیف کی خواہش کی۔ اور دعویٰ کیا۔ کہ ما لنا الا نقاتل فی سبیل اللہ۔ ہم کیوں خدا کی راہ میں نہ لڑیں گے۔

مگر جب ان پر قتال فرض کیا گیا۔ تو وہ پھر گئے۔ اور اپنے عہد سے منحرف ہو گئے۔ جس پر خدا کو یہ کہنا پڑا۔ واللہ علیم بالظالمین

حضرت کرشنؑ کے اوتار ہونیکا دعویٰ

احمدیت کے خلاف سب سے آخری دلیل سیّد حبیب نے یہ پیش کی ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے "کرشن جی مہاراج کو نبی ظاہر کر کے خود ان کے اوتار ہونے کا دعویٰ کیا اور یہ دونوں باتیں تعلیم قرآن الحمید کے خلاف ہیں" (تحریک قادیان صفحہ ۲)

اس ضمن میں ان کا پہلا اور سب سے بڑا اعتراض یہ ہے۔ کہ "کرشن جی خدا کا اوتار ہونے کے دعویدار تھے یعنی وہ کہتے تھے۔ کہ وہ انسان نہیں ہیں۔ بلکہ انسان کے جسم میں خود خدا ہیں" صفحہ ۱۸۶

اس میں شبہ نہیں۔ کہ آج ہندوؤں کی طرف سے کہا جاتا ہے۔ کہ حضرت کرشن خدائے مجسم تھے۔ مگر یہ ویسی ہی بات ہے۔ جیسا کہ آجکل عیسائیوں کی طرف سے کہا جاتا ہے۔ کہ حضرت مسیح ناصری ابن اللہ تھے۔ لیکن جس طرح اناجیل پر غور کرنے سے ایک غیر متعصب انسان یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح ناصری خدا نہیں۔ بلکہ عام انسانوں کی طرح ایک انسان تھے۔ اسی طرح اگر پرانوں اور مہابھارت کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے۔ تو ایک غیر متعصب انسان یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوتا ہے۔ کہ حضرت کرشن خدا نہیں۔ بلکہ خدا کے ایک برگزیدہ یعنی نبی اور رسول تھے۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت کرشن علیہ السلام کنس کے خوف سے مدتوں برج کے گوالوں کے ہاں رہے۔ انہیں بعض اوقات دشمنوں کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے نقل مکانی کرنی پڑی۔ دوسروں سے علم حاصل کرنے کے لئے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ کسی دوسری ہستی کے آگے سجدۂ اطاعت کرنا پڑا۔ انہوں نے خدا تعالےٰ سے دعائیں کیں مرادیں مانگیں اور اپنی فتح ونصرت کے لئے التجائیں کیں۔ اپنے ہاں اولاد ہونے کے واسطے منتیں مانیں۔ برسوں جپ تپ کیا۔ اپنے نومولود بچہ کی گمشدگی پر خلاق عالم کے آگے فریاد وزاری کی۔ اگر یہ سب باتیں درست ہیں۔ تو کون شخص ہے۔ جو ان باتوں کے ہوتے ہوئے کہہ سکے۔ کہ وہ خدا تھے۔ یا خدا ہونے کے مدعی تھے؟

حضرت کرشن کے بشر ہونے پر شواہد

چھاندوگیہ اپنشد میں لکھا ہے۔ کہ "گھورانگرس نے یہ (گیبہ کے رازوں کا) دیوکی کے بیٹے کرشن کو اپدیش کر کے کہا۔ (کہ جس کے سننے سے) اسے پھر کوئی پیاس نہیں رہی" (چھاندوگیہ اپنشد پرپھاٹک ۳ کھنڈ ۱۷) یعنی شری کرشن علم الٰہیات سیکھنے کے لئے گھورانگرس رشی کے پاس ایک پیاسے کی حیثیت میں گئے۔ اور اس سے علم سیکھ کر اپنی تشنگی بجھائی۔ بتایا جائے۔ کہ کیا حضرت کرشن کا گھورانگرس کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے علمِ روحانی کی پیاس بجھانا اس امر کی دلیل نہیں۔ کہ وُہ انسان تھے؟

اسی طرح لکھا ہے۔ کہ ایک دفعہ حضرت کرشن کو عبادت کرتے دیکھ کر "نارد منی کے دل میں یہ خیال اٹھا۔ کہ یہ (کرشن) کس کی آردھنا (بندگی) کرتے ہیں۔ اور ان کے لئے تپسیا (ریاضت) کیسی؟ نارد جی نے رفع شک کے لئے ان سے پوچھا۔ تب انہوں نے کہا۔ ہم لوگوں کا ایک مول پرش (مبدأ حقیقی) اور ہے۔ ہم انہی کا دھیان کرتے ہیں۔ جو تمام مخلوق کے اندر نہ نظر آنے والا قائم ہے۔ جو اس سے بالا اور بہت ہی مشکل سے جانا جاتا ہے۔" (رسالہ کلیان گورکھپور کا کرشن نمبر صفحہ ۲۲۴)

اسی طرح لکھا ہے۔ "شری کرشن مہاراج نے اُپ مینو سے شوجی (ایشور) کی عبادت کرنے کا منتر پا کر سات مہینے تک مسلسل کمل۔ بیل پتر۔ شو پتر کشس۔ کنیر۔ دوب۔ آک کے پھول۔ کنول کے پھول اور شنکھ پھول وغیرہ بھینٹ گذار کر شوجی کو راضی کیا۔" اور بولے۔ کہ اس وقت آپ کی عنایت سے میرے پاس سبھی کچھ موجود ہے۔ لیکن دَیتوں (خبیث الطبع لوگوں) سے دکھی ہو کر آپ کی پناہ میں آیا ہوں۔ آپ ہی کی عبادت برہما وغیرہ پہلے بزرگوں نے کی ہے۔ تب خوش ہو کر شوجی بولے۔ کہ مال دولت اولاد عورت اور دیگر قسم کے سکھ اور بہت بڑی طاقت تمہیں حاصل ہوگی۔" (بحوالہ شو پوران گیان سنگھتا ادھیائے ۹۶ منقول از پوران تتو پرکاش صفحہ ۱۵)

اگر حضرت کرشن واقعہ میں خدا تھے۔ تو بتایا جائے۔ کہ انہوں نے ایشور کی کیوں عبادت کی۔ اور مخالفین سے دکھی ہو کر اس کی کیوں پناہ چاہی۔ اور اگر وُہ خود ہی خدا تھے۔ تو ان کا خدا کو یہ کہنا کہ میں مخالفین کے ظلم و ستم سے تنگ آکر تیری پناہ میں آیا ہوں۔ کیا معنی رکھتا ہے۔ کیا اس کا صاف یہ مطلب نہیں۔ کہ حضرت کرشن عام انسانوں کی طرح ایک انسان تھے۔ اور اسی لئے مخالفین کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے خدا تعالےٰ کی پناہ طلب کرتے تھے۔

حضرت کرشن کے متعلق یہ بھی لکھا ہے۔ کہ "متھرا میں جا کر انہوں نے اگرسین کو راجہ بنایا۔ اس کے بعد ملیچھوں کے خوف کے باعث دواروتی نگری میں چلے گئے۔" (بحوالہ دیوی بھاگوت پوران سکندھ ۶ ادھیائے ۲۶ منقول از پوران مت پریالوچن صفحہ ۳۹)

یہ خود حفاظتی کی ضرورت جو حضرت کرشن کو پیش آئی بتاتی ہے۔ کہ وہ ایشور نہیں۔ بلکہ انسان تھے۔ پورانوں کے مطالعہ سے یہ امر بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حضرت کرشن علیہ السّلام کے ہاں اولاد نہ ہوتی تھی۔ تب انہوں نے اللہ تعالےٰ کے حضور دعا کی۔ اور کہا۔ "اے معبود مجھکو درخواست کرتے شرم آتی ہے۔ کہ میں مایا کے بس میں ہو کر آپ سے بیٹے کے لئے پرارتھنا کرتا ہوں۔ مہربانی کر کے آپ مجھے بیٹا دیجئے۔" (بحوالہ دیوی بھاگوت پوران منقول از مورتی پوجا سماتسا صفحہ ۳۹)

اس پر اللہ تعالےٰ نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا۔ اور آپ کو ایک لڑکا عطا فرمایا۔ مگر لکھا ہے۔ کہ کوئی دشمن اسے چرا کر لے گیا۔ جب بہت تلاش کے باوجود اس کا کوئی پتہ نہ چلا۔ تو اس وقت آپ نے اللہ تعالےٰ کے حضور دعا کی۔ اور عرض کیا۔ "اے دیوی ماتا میں نے پہلے جنم (یعنی اوائل عمر) میں بہت بڑی ریاضت کر کے اور پھول وغیرہ کے ساتھ بدری بن میں آپ کی پوجا کر کے خوش کیا تھا۔ اے ماتا کیا آپ میری اس اخلاص مندی کو بھول گئی ہیں۔ آپ میری سدھ کیوں نہیں لیتیں۔"

"زچہ خانہ سے کوئی ڈشٹ میرے بچہ کو اٹھا کر لے گیا ہے۔ اس سے میری کتنی توہین ہوئی ہے۔ اے ماتا یہ میری توہین نہیں۔ بلکہ سب سے زیادہ آپ کی ہے۔ میں آپ کا بھگت ہوں۔ اور بھگت کی مصیبت کو دور نہ کرنے سے آپ کو ہی شرم آئیگی۔"

"جننی۔ میں تیرے مخفی چرتر (اسرار) کو نہیں جانتا۔ جب میں بھی تیرے چرتر کو نہیں جانتا تو دوسرا کون جان سکتا ہے۔ میرے کسی بھی یودھا (بہادر) کو بچہ کے چرانے والے کا پتہ نہیں لگا۔ یہ سب آپ ہی کی لیلا ہے۔"

"اس چرائے گئے بچے کی ماں میرے پاس آکر روز کونج کی طرح ماتم کرتی ہے۔ کیا آپ اس مصیبت عظمےٰ کو نہیں جانتیں۔ جننی۔ دنیا کے دکھوں سے دکھی لوگوں کو آپ ہی نجات دینے والی ہیں۔" (بحوالہ دیوی بھاگوت پوران سکندھ ۴ ادھیائے ۲۴ منقول از مورتی پوجا سماتسا صفحہ ۳۶ و صفحہ ۳۸)

حضرت کرشن علیہ السّلام کی یہ دعائیں۔ عبادتیں اور ریاضتیں جن کا مہابھارت اور پرانوں میں باوجود ان کے محرف و مبدل ہو جانے کے آج بھی ذکر آتا ہے اس امر کی مبرہن دلیل ہیں۔ کہ انہوں نے ہرگز خدا ہونے کا دعوے نہیں کیا۔ بلکہ وہ اللہ تعالےٰ کے ایک بھگت کی حیثیت میں اپنے آپ کو ظاہر کرتے رہے۔ ہاں بعد کے لوگوں نے بعض عجیب و غریب باتیں ان کی طرف منسوب کر دیں۔ مگر وہ ہمارے لئے ہرگز درخور اعتنا نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ ہم انہیں ویسا ہی جھوٹ کا انبار سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ ہم یقین رکھتے ہیں۔ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی طرف دعوےٰ الوہیت منسوب کرنا کذب و افترا ہے۔

گیتا سے خدائی کا استدلال کرنا صحیح نہیں

ممکن ہے۔ یہ کہا جائے کہ اگر حضرت کرشن خدائی کے دعویدار نہ تھے۔ تو کیوں ان کی گیتا میں بعض اس قسم کے اقوال نظر آتے ہیں۔ جن سے خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے خدائی کا دعوےٰ کیا۔ مثلاً حضرت کرشن کہتے ہیں۔ اس دنیا کا سہارا میں ہوں میں ہی پانی کو روکتا اور برساتا ہوں۔ اے ارجن میری پوجا کر۔ اور مجھی کو سجدہ کر۔ یا مثلاً سید حبیب نے گیتا کا یہ شعر پیش کیا ہے ؎

من از ہر سہ عالم جدا گشتہ ام — تہی گشتہ از خود خدا گشتہ ام۔ (تحریک قادیان صفحہ ۱۹۱)

یعنی میں تینوں عالموں سے جدا ہو گیا۔ اور اپنے نفس کو بھی کھو دیا جس کے نتیجہ میں میں خدا ہو گیا۔

گیتا محرف ہے

اس لئے یہ بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ گیتا کو شروع سے آخر تک تحریف و الحاق سے مبرا سمجھنا بہت بڑی نادانی ہے۔ اور یہ کہنا ہرگز درست نہیں کہ "خود ہندو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اس کتاب میں تحریف نہیں ہوئی" (تحریک قادیان صفحہ ۱۹۴) گیتا مہابھارت کا ایک حصہ ہے۔ اور مہابھارت کے متعلق ہندو محققین غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہونچے ہیں۔ کہ وہ محرف ہو چکی ہے۔ مثال کے طور پر میں مسٹر تلک آنجہانی کو پیش کرتا ہوں۔ انہوں نے اپنی کتاب "گیتا رہسیہ" میں لکھا ہے۔ کہ :-

"زمانہ موجودہ میں جو مہابھارت موجود ہے۔ وہ ابتدا ایسی نہیں تھی۔ بھارت یا مہابھارت کی مختلف صورت میں مختلف تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ اور اس گرنتھ کو جو آخری

صورت حاصل ہوئی ہے۔ وہی ہمارا موجودہ مہابھارت ہے۔" (صفحہ ۵۱۵)

پھر لکھتے ہیں "ناظرین کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے۔ کہ یہ دونوں یعنی موجودہ گیتا اور مہابھارت وہی گرنتھ ہیں۔ جن کے ابتدائے سروپ میں زمانہ کے الٹ پھیر سے فرق ہوتا رہا۔ اور جو گرنتھ اس وقت گیتا اور مہابھارت کی صورت میں موجود ہیں۔ یہ اس زمانہ کے مول گرنتھ نہیں ہیں۔" (صفحہ ۵۳۷)

اسی طرح پنڈت مہیش چندر پرشاد بی۔ اے لکھتے ہیں :-

"مہابھارت کے آدی پرب سے پتہ لگتا ہے۔ کہ کسی زمانہ میں اس کے اندر ۸۸۰۰ اور کسی زمانہ میں ۲۴۰۰۰ شلوک (شعر) تھے۔ لیکن بعد میں آہستہ آہستہ اور بھی مضامین بڑھائے جاتے رہے جس کے باعث اس کا حجم بڑھ گیا۔ اور جس صورت میں وہ آجکل ہمیں دستیاب ہوتی ہے۔ اس میں شلوکوں کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہے۔" (سنسکرت ساہتیہ کا اتہاس جلد دوم صفحہ ۲۳۱)

پھر لکھتے ہیں "ان باتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ مہابھارت بدھ دھرم کی اشاعت کے بعد یا عیسوی سنہ کے آغاز میں دوسری حالت کو پہونچی ۵۳۲ء عیسوی کے ایک کتبہ میں مہابھارت کے ایک لاکھ شلوک ہونے کا ذکر آیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ اپنی تیسری حالت یا موجودہ صورت میں ۵۰۰ء کے کچھ بعد آئی۔" (ایضاً صفحہ ۲۳۲)

غرض مہابھارت جسے شری وید بیاس جی کی تصنیف بتلایا جاتا ہے۔ اور گیتا جس کا ایک حصہ ہے۔ وقتاً فوقتاً مختلف لوگوں کے خیالات کا تختۂ مشق بنی رہی۔ اور بہت سے افسانوں اور ترمیموں کے بعد اپنی موجودہ شکل میں آئی۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں اشعار اس میں بعد میں ملا دیئے گئے۔ جس کی وجہ سے اس کی اصل صورت ایسی مسخ ہو گئی۔ کہ آج یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا۔ کہ کونسی بات شری وید بیاس جی نے فرمائی۔ اور کونسی بات بعد کے لوگوں نے اس میں ملا دی۔ اسی وجہ سے آج گیتا کے ہمیں مختلف نسخے نظر آتے ہیں۔ جن کا مقابلہ کرنے سے آپس میں مختلف موقعوں پر تضاد پایا جاتا ہے۔ پس حضرت کرشن کی خدائی کے ثبوت میں گیتا کو بطور سند پیش کرنا بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ اور یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی عیسائی حضرت مسیح کی خدائی کے ثبوت میں انجیل کا کوئی حوالہ پیش کر دے۔

ایک شبہ کا ازالہ

سید حبیب لکھتے ہیں۔ کہ اگر گیتا محرف ہو چکی تھی۔ تو "مرزا صاحب پر الہام کیوں نہ ہوا۔ کہ اس کی فلاں فلاں باتیں محرف ہیں" (تحریک قادیان صفحہ ۱۹۴) مگر کیا یہ کوئی خدائی قانون ہے۔ کہ جب کوئی کتاب محرف ہو جائے۔ تو بعد میں آنے والے نبی کا یہ فرض ہوتا ہے۔ کہ وہ ظاہر کرے۔ اس میں فلاں فلاں مقام پر تحریف ہو چکی ہے۔ اگر یہ خدائی قانون ہے۔ تو بتایا جائے۔ کہ اس کا کہاں ذکر ہے۔ اور کیا یہ قانون شریعت کی کتابوں کے متعلق ہے۔ یا ہر کتاب کے متعلق۔ پھر ساتھ ہی یہ بھی بتایا جائے۔ کہ حضرت کرشن کے معًا بعد حضرت مرزا صاحب ہی نبی ہوئے ہیں یا کوئی اور بھی۔ اور اگر کئی انبیاء درمیان میں مبعوث ہو چکے ہیں۔ خصوصًا سیّد ولد آدم حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم جن کے آنے پر سابقہ تمام شرائع اور الہامی کتابیں منسوخ کر دی گئیں۔ تو کیا قرآن کریم میں گیتا کی تحریف کا ذکر آتا ہے۔ اگر نہیں۔ تو کیا سیّد حبیب کا یہ اصل قائم رہا کہ جب بھی کسی آسمانی کتاب میں تحریف ہوئی۔ دوسری آسمانی کتاب میں جو اس کے بعد نازل ہوئی۔ اس کی تحریف کا ذکر آیا" (تحریک قادیان صفحہ ۱۹۴) پھر بتایا جائے۔ کہ قرآن کریم میں کس کس مقام پر تورات و انجیل اور صحف ابراہیم اور صحف ~~بجیے~~ (ژند) تحریف کا اس رنگ میں ذکر ہے۔ کہ "اس کی فلاں فلاں باتیں محرف ہیں" اگر قرآن کریم نے تورات و انجیل اور سابقہ الہامی کتابوں کے محرف و مبدل ہونے کا محض اصولًا ذکر کر دیا ہے۔ تفصیلات لوگوں کے لئے ترک کر دی ہیں۔ تا کہ ان کی ذہنی ترقی میں الہام مانع نہ ہو۔ تو یہ مطالبہ کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ کہ مرزا صاحب پر الہام کیوں نہ ہوا۔ کہ گیتا کی فلاں فلاں باتیں محرف ہیں۔ ہاں اصولی رنگ میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے یہ ضرور لکھ دیا ہے۔ کہ حضرت کرشن کی تعلیم کو آپ کے بعد "بہت باتوں میں بگاڑ دیا گیا" (لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۳۴)

چنانچہ اسی بناء پر آپ نے بحیثیت کرشن آریوں کو ان کے غلط عقائد کی طرف توجہ دلائی۔ اور بتایا کہ قدامت روح و مادہ اور تناسخ وغیرہ عقائد میں وہ حضرت کرشن کی اصل تعلیم کے خلاف چل رہے ہیں۔

علاوہ ازیں جبکہ سیّد صاحب کا یہ تسلیم کردہ نظریہ ہے۔ کہ گیتا "کوئی شریعت

کی کتاب نہیں۔ کہ اس کو کسی نبی کا کلام یا الہامی کتاب سمجھا جائے۔ بلکہ یہ فلسفۂ جنگ ہے اور بس" (تحریک قادیان صفحہ ۱۹۱) تو ان کا یہ مطالبہ کرنا بھی باطل ہے۔ کہ "مرزا صاحب پر الہام کیوں نہ ہوا۔ کہ اس کی فلاں فلاں باتیں محرف ہیں" کیونکہ غیر الہامی کتابوں کے محرف و مبدل ہونے یا ان کے اصل صورت میں محفوظ ہونے کے متعلق آج تک کسی نبی پر الہام نہیں ہوا۔ اور نہ اس کی کوئی ضرورت ہوتی ہے۔ خصوصًا اس امر کے پیش نظر کہ غیر الہامی کتابیں دنیا میں اس کثرت سے موجود ہیں۔ کہ اگر ایک ایک کی اصلیت یا غیر اصلیت کا الہام الٰہی میں بالتفصیل ذکر ہونے لگے۔ تو یہ امر بجائے خود ایک مضحکہ انگیز صورت اختیار کر لے۔ اور نبی کی بعثت کا مقصد قطعًا مفقود ہو جائے۔

غرض اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ گیتا محرف ہو چکی ہے۔ اور اس کے کسی شلوک سے حضرت کرشن کی خدائی کا استدلال کرنا ریت پر قلعہ تعمیر کرنے کے مترادف ہے۔

گیتا کے وہ فقرات جن سے حضرت کرشن کی خدائی کا استدلال کیا جاتا ہے۔ الہامی ہیں

دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ گیتا کے اس قسم کے فقرات کے کہ "اے ارجن مجھ میں من لگا۔ میرا بھگت ہو۔ میری پوجا کر۔ مجھے نمسکار (سجدہ) کر۔ اس طرح میرا آسرا لیکر یوگ کا ابھیاس (مشق) کرنے پر تو مجھے ہی پائے گا" (گیتا $\frac{9}{34}$) حضرت کرشن کے نہیں بلکہ الہامی ہیں۔ یعنی گیتا میں اس قسم کی باتیں جو حضرت کرشن کی زبان سے ادا ہوئی ہیں۔ وہ ان کی طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے تھیں۔ اور کورو کشیتر کے میدان میں حضرت کرشن نہیں بلکہ آپ کی زبان سے خدا کلام کر رہا تھا۔ اس وقت آپ خاص یوگ اور مراقبہ کی حالت میں تھے۔ اپنے اختیار اور اپنی مرضی سے کچھ نہیں بولتے تھے۔ بلکہ خدا تعالےٰ کے کلمات دہراتے جاتے تھے۔ اور یہ خدا ہی کا قول ہے۔ کہ میں معبود اور عبادت کے لائق ہوں۔ اور میری ہی دنیا کو پرستش کرنی چاہئے۔ چنانچہ اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے۔ کہ مہا بھارت اشومیدھ پرب ادھیائے ۱۶ کے انوگیتا پرب میں حضرت کرشن اور ارجن کا ایک مکالمہ درج ہے جس میں ارجن حضرت کرشن سے کہتے ہیں۔ کہ مہاراج آپ نے جنگ کے آغاز میں جس گیتا کا مجھے اپدیش دیا تھا۔ وہ میں بھول گیا ہوں۔ اس لئے آپ دوبارہ مجھے وہ اپدیش دیں۔ حضرت کرشن نے فرمایا۔ میں نے اس موقعہ پر جو اپدیش کیا تھا۔ اس کا اب اسی طرح دہرانا میری طاقت میں نہیں جس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس وقت

میں نے یوگ یکت (الہامی حالت میں) ہونے کے باعث تمہیں اس کا اپدیش کیا تھا۔
شری پنڈت پنچانن جی ترک رتن نے اس شلوک کا یہ ترجمہ کیا ہے۔

"اے دوست میں نے تمہیں گوڑھ (گہرے) سناتن دھرم تتو (راز) کا اپدیش کیا تھا۔ تم اسے بھول گئے۔ یہ اچھا نہیں کیا۔ میں اب دوبارہ اسے مکمل صورت میں نہیں کہہ سکتا۔ وجہ یہ کہ اس وقت میں نے یوگ یکت ہو کر تمہیں اس برہم گیان کا اپدیش کیا تھا۔" (رسالہ کلیان کرشن نمبر صفحہ ۲۲۷)

اسی طرح شری ہریندر ناتھ ایم۔ اے۔ بی۔ ایل ویدانت رتن لکھتے ہیں۔ کہ "کوروکشیتر کے جنگ کے بعد شری کرشن جب دوارکا جانے لگے۔ تو اس وقت ارجن نے کہا۔ اے کیشو۔ کوروکشیتر کے میدانِ جنگ میں آپ نے مجھے جو اپدیش دیا تھا۔ چت وبھرم ہو جانے کے باعث میں اُسے بھول گیا ہوں۔ آپ مجھے دوبارہ وہی اپدیش دیجئے۔ جس کے جواب میں شری کرشن کہتے ہیں۔ اے ارجن میں نے یدھ کشیتر میں تمہیں برہم (خدا) کے بارہ میں جو اپدیش دیا تھا۔ اس وقت میں یوگ یکت (مراقبہ یا الہامی حالت میں) تھا۔ لہٰذا اس وقت وُہ ساری باتیں میری یاد میں نہیں آویں گی" (رسالہ کلیان کا کرشن نمبر صفحہ ۱۳۸)

حضرت کرشن کے نبی اللہ ہونیکی زبردست دلیل

حضرت کرشن علیہ السّلام کی اس تصریح سے دو نہایت ہی اہم نتائج رونما ہوتے ہیں اول یہ کہ حضرت کرشن کے گیتا میں جو اس قسم کے اقوال آتے ہیں۔ کہ میری عبادت کرو وہ اقوال درحقیقت خدا تعالےٰ کے ہیں۔ جو آپ کی زبان سے مراقبہ کی حالت میں نکلے۔ پس ان سے حضرت کرشن کی خدائی کا استدلال کرنا باطل ہے۔

دوسرا یہ کہ اس حوالہ سے یہ امر نہایت وضاحت سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت کرشن خدا ہونے کے مدعی نہیں تھے۔ بلکہ مُلہم اور مامور من اللہ ہونے کا دعوےٰ رکھتے تھے۔ وہ لوگ جو حضرت کرشن کی طرف دعویٰ خدائی منسوب کرتے ہیں۔ انہیں سوچنا چاہئے کہ اگر حضرت کرشن خدا تھے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ وہ گیتا کا کلام دہرا نہ سکے۔ اور ارجن کی خواہش کو پورا نہ کر سکے۔ کیا خدا کی ایک صفت علیم نہیں۔ اگر ہے۔ تو خدائے مجسم کے لئے گیتا کا دہرانا کیا مشکل تھا۔ مگر چونکہ حضرت کرشن نے گیتا کو بعینہ دہرانے میں اپنی

ناطاقتی کا اظہار کیا۔ اور اپنی پہلی حالت کو مراقبہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس لئے یقینی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت کرشن خدا نہیں۔ بلکہ خدا کے ایک نبی اور رسول تھے اور آپ پر اسی خدا کی طرف سے علوم غیبیہ کا اظہار ہوتا تھا جس کی یہ شان ہے۔ کہ لا یحیطون بشیء من علمہ الا بما شاء۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا۔ کہ اوتار کا غلط مفہوم ہندوؤں کے ذہن نشین ہو چکا ہے۔ ہندو خیال کئے بیٹھے ہیں۔ کہ اوتار خدا مجسم ہوتا ہے۔ اور حضرت کرشن کو بھی خدائے مجسم قرار دیتے ہیں۔ بحالیکہ حضرت کرشن اوتار ہونے کے باوجود عام انسانوں کی طرح ایک انسان تھے۔ جو گردش کے اثرات اور زمانہ کی نیرنگیوں سے متاثر ہوتے۔ تکالیف پر اللہ تعالےٰ کے حضور جھکتے۔ مصائب پر اس کے حضور دعائیں مانگتے۔ اور دشمنوں کے شر سے پناہ ڈھونڈنے کے لئے نقل مکانی کی ضرورت محسوس کرتے۔ پھر وُہ خود اپنی بے بضاعتی کا اقبال کرتے۔ اور کہتے ہیں۔ کہ میں گیتا کا اپدیش دہرانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ میں نے جو کچھ کہا وہ خاص مراقبہ کی حالت میں کہا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہیں اللہ تعالےٰ کی طرف سے الہام ہوتا تھا۔ پس وُہ ملہم تھے۔ مامور تھے۔ نبی تھے۔ رسول تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ اور راستباز انسان تھے۔ انہیں اوتار بھی کہا جا سکتا ہے۔ ان معنوں میں کہ وُہ نبی اور رشی تھے۔ مگر یہ کہ وُہ ان معنوں میں اوتار تھے۔ کہ گویا خدائے مجسم تھے باطل ہے۔ جھوٹ اور بے ثبوت ہے۔ اور میں ثابت کر چکا ہوں۔ کہ حضرت کرشن کا اوتار ہونا مہابھارت اور پورانوں کے رُو سے نبی ہونے کے مترادف ہے۔ اس سے بڑھ کر انہیں ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانیٔ مدرسۂ دیوبند بھی لکھتے ہیں۔

"رہی یہ بات کہ اگر ہندوؤں کے اوتار انبیاء یا اولیاء ہوتے۔ تو دعویٔ خدائی نہ کرتے۔ اور افعال ناشائستہ مثل زنا۔ چوری وغیرہ ان سے سرزد نہ ہوتے۔ حالانکہ اوتاروں کے معتقد یعنی ہندو ان دونوں باتوں کے معتقد ہیں۔ جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ یہ دونوں باتیں بے شک ان سے سرزد ہوئی ہیں۔ سو اس شبہ کا جواب یہ ہو سکتا ہے۔ کہ جیسے حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کی طرف دعوئی خدائی نصاریٰ نے منسوب کر دیا ہے۔ اور دلائل عقلی و نقلی اس کے مخالف ہیں۔ ایسے ہی کیا عجب ہے۔ کہ سری کرشن اور

سری رامچندر کی طرف بھی یہ دعوئے بدروغ منسوب کردیا ہو" (مباحثہ شاہجہانپور مطبوعہ سہارنپور مابین مولوی صاحب موصوف و دیانند سرسوتی صـ۳۱)

پھر لکھتے ہیں:۔ "کیا عجب ہے۔ کہ جس کو ہندو صاحب اوتار کہتے ہیں۔ اپنے زمانہ کے نبی یا ولی یعنی نائب نبی ہوں قرآن شریف میں یہ بھی ارشاد ہے۔ منھم من قصصنا ..... سو کیا عجب ہے۔ کہ انبیاء ہندوستان بھی انہی نبیوں میں سے ہوں جن کا تذکرہ آپ سے نہیں کیا گیا" (رر)

حضرت کرشن کی خدائی کے ثبوت میں یہ شعر پیش کرنا بھی بے حقیقت ہے۔ کہ ؎

من از ہرسہ عالم جدا گشتہ ام   تہی گشتہ از خود خدا گشتہ ام

کیونکہ یہ شعر محض اس حقیقت کو بیان کرتا ہے۔ کہ حضرت کرشن اپنے نفس سے ایسے کھوئے گئے۔ کہ گویا ان کے ہاتھ ان کے پاؤں۔ ان کی زبان اور انکے جوارح میں خدا جلوہ نما ہوگیا اور وُہ اس کی صفات کے ایسے مظہر ہوئے۔ کہ گویا وہی ہو گئے۔ اسی کی طرف حضرت فریدالدین صاحب عطار نے بھی اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ کہ "جو شخص حق میں محو ہو جاتا ہے۔ وہ حقیقت میں سرتاپا حق ہی ہوتا ہے۔ اور اگر وُہ آدمی خود نہ رہے۔ اور سب حق کو ہی دیکھے۔ تو یہ عجیب نہیں ہوتا" (تذکرۃ الاولیاء صـ۱۴۹ تذکرہ بایزید بسطامی)

پس اس شعر سے حضرت کرشن کی خدائی کا استدلال کرنا بھی ویسا ہی باطل ہے جیسا کہ حضرت کرشن کیطرف دعوئے خدائی منسوب کرنا باطل ہے۔

حضرت مسیح موعود نے حضرت کرشن کو ہمیشہ نبی سمجھا نہ کہ خدا

اسی ضمن میں سیّد حبیب نے یہ کہکر کہ "مرزا صاحب نے یہ جانتے ہوئے کہ کرشن جی مہاراج نبوت کے دعویدار نہ تھے۔ بلکہ خدا ہونے کے مدعی تھے۔ خود کو کرشن قرار دیا" (صـ۱۴۸) مجھے مجبور کردیا ہے۔ کہ میں پھر ان کے اس قول کو خلاف واقعہ قرار دیتے ہوئے سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر سے انہیں قطعی ناواقف قرار دوں۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے ایک لمحہ کے لئے بھی کبھی خیال نہیں کیا۔ کہ حضرت کرشن خدائی کے دعویدار تھے۔ بلکہ آپ انہیں نبی ہی سمجھتے تھے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں۔

" راجہ کرشن جیسا کہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے۔ درحقیقت ایک ایسا کامل انسان تھا جس کی نظیر ہندوؤں کے کسی رشی اور اوتار میں نہیں پائی جاتی۔ اور اپنے وقت کا

اوتار یعنی نبی تھا۔ جس پر خدا کی طرف سے روح القدس اترتا تھا۔ وُہ خدا کی طرف سے فتح مند اور با اقبال تھا۔ جس نے آریہ ورت کی زمین کو پاپ سے صاف کیا۔ وُہ اپنے زمانہ کا درحقیقت نبی تھا۔ جس کی تعلیم کو پیچھے سے بہت باتوں میں بگاڑ دیا گیا۔ وہ خدا کی محبت سے پُر تھا۔ اور نیکی سے دوستی اور شر سے دشمنی رکھتا تھا" (لیکچر سیالکوٹ صـ۳۳ و ۳۴)

حقیقۃ الوحی میں فرماتے ہیں:۔ "ملک ہند میں کرشن نام ایک نبی گذرا ہے۔ جس کو رُدّر گوپال بھی کہتے ہیں۔ (یعنی فنا کرنے والا اور پرورش کرنے والا) اس کا نام بھی مجھے دیا گیا ہے" (تتمہ حقیقۃ الوحی صـ۸۵)

تحفہ گولڑویہ میں فرماتے ہیں "خدا تعالےٰ نے کشفی حالت میں بارہا مجھے اس بات پر اطلاع دی ہے۔ کہ آریہ قوم میں کرشن نام ایک شخص جو گذرا ہے۔ وہ خدا کے برگزیدوں اور اپنے وقت کے نبیوں میں سے تھا" (حاشیہ تحفہ گولڑویہ صـ۱۳۰)

چشمۂ معرفت میں فرماتے ہیں:۔ "ایک مرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے دوسرے ملکوں کے انبیاء کی نسبت سوال کیا گیا۔ تو آپ نے یہی فرمایا۔ کہ ہر ایک ملک میں خدا تعالےٰ کے نبی گذرے ہیں۔ اور فرمایا۔ کہ کان فی الھند نبیًا اسود اللون اسمہ کاھنا یعنی ہند میں ایک نبی گذرا ہے۔ جو سیاہ رنگ تھا۔ اور نام اس کا کاہن تھا۔ یعنی کنھیا جس کو کرشن کہتے ہیں" (مضمون فضیلت قرآن مشمولہ چشمۂ معرفت صـ۱۰) "پیغام صلح" میں فرماتے ہیں "سری کرشن اپنے وقت کا نبی اور اوتار تھا۔ اور خدا اس سے ہمکلام ہوتا تھا" صـ۱۱

غرض حضرت کرشن علیہ السّلام کو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے علیٰ وجہ البصیرت نبی قرار دیا۔ نہ ایک مرتبہ بلکہ کئی دفعہ۔ پس جبکہ حضرت کرشن نبی تھے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا اپنے آپ کو کرشن کا مثیل قرار دینا بھی قابل اعتراض نہ رہا۔

عجیب معمّہ

سیّد حبیب "اوتار اور پیغمبر" کے الفاظ پر بحث کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"جس حالت میں وُہ خود اوتار ہونے کے دعویدار ہیں۔ اس صورت میں یہ کہنا۔ کہ وُہ کرشن کو اوتار نہیں بلکہ نبی مانتے تھے۔ ایک عجیب معمہ بن جاتا ہے۔ جس کا سمجھنا ایک عام

آدمی کے لئے مشکل ہوجاتا ہے۔ مرزا صاحب کے اوتار ہونے کا دعوے کتاب البشریٰ کی جلد دوم کے صفحہ ۱۱۶ پر ملاحظہ فرمایئے۔ جہاں ہندوؤں کو مخاطب کرکے لکھا ہے کہ "برہمن اوتار سے مقابلہ کرنا اچھا نہیں"۔ (تحریک قادیان صـ۱۸۷)

اس جگہ بھی سید حبیب اسی غلطی کا شکار ہوگئے۔ جس غلطی کا وہ اس سے پہلے ارتکاب کرچکے ہیں۔ یعنی یہ خیال کر رہے ہیں۔ کہ اوتار خدا لئے مجسم کو کہا جاتا ہے۔ حالانکہ بتایا جاچکا ہے۔ کہ گو ہندو اپنے غلط عقائد کی بناء پر اوتار خدائے مجسم کو قرار دیتے ہیں۔ مگر درحقیقت اوتار نبی اور رسول کو کہا جاتا ہے۔ اسی بناء پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے آپ کو ہندوؤں کے لئے اوتا (لیکچر سیالکوٹ صـ۳۳) بلکہ "برہمن اوتار" قرار دیا ہے۔ مگر اس دعوے سے مراد آپ نے اپنی نبوت لی ہے نہ کہ کچھ اور۔ آپ خود اوتار کی تشریح میں فرماتے ہیں: "راجہ کرشن جیسا کہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے۔ درحقیقت ایک ایسا کامل انسان تھا جس کی نظیر ہندوؤں کے کسی رشی اور اوتار میں نہیں پائی جاتی۔ اور اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی تھا" (لیکچر سیالکوٹ صـ۳۳)

پھر فرماتے ہیں: "ہندوؤں میں اوتار کا لفظ درحقیقت نبی کے ہم معنے ہے" (حاشیہ تحفہ گولڑویہ صـ۱۳۰)

اسی طرح فرماتے ہیں: "سری کرشن اپنے وقت کا نبی اور اوتار تھا" (پیغام صلح صـ۱۱)

اور اپنے متعلق فرماتے ہیں: "خدا کا وعدہ تھا۔ کہ آخری زمانہ میں اس کا بروز یعنی اوتار پیدا کرے۔ سو یہ وعدہ میرے ظہور سے پورا ہوا" (لیکچر سیالکوٹ صـ۳۴)

گویا ایک طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام اوتار اور نبی کو ہم معنی الفاظ قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف بتاتے ہیں۔ کہ چونکہ خدا کا وعدہ تھا۔ کہ آخری زمانہ میں حضرت کرشن کا بروز یعنی اوتار پیدا کرے۔ اس لئے یہ وعدہ میرے ظہور سے پورا ہوا۔ پس آپ بھی اوتار ہیں۔ مگر ایک نبی کا بروز ہونے کے معنوں میں۔ نہ ان معنوں میں۔ کہ آپ نعوذ باللہ حضرت کرشن کی خدائی کا حلول اپنے اندر تسلیم کرتے ہیں۔

برہمن اوتار کا مطلب

الہام الٰہی میں جو آپ کو "برہمن اوتار" کہا گیا۔ تو یہ بھی انہی معنوں میں ہے۔ کیونکہ اوتار نبی کو کہا جاتا ہے۔ اور برہمن کے معنی "جامع جمیع صفات کا علہ چیت سروپ گیان سروپ سربیہ گرکھ البشور" (پدم چندر کوش صـ۲۷۶) کے ہیں۔ مطلب یہ کہ آپ خدائے برتر و توانا کے

ایک اولوالعزم نبی ہیں۔ آپ کا مقابلہ انسان کو ہلاک کرنے والا ہے۔ اسی کی طرف آپ نے اس شعر میں بھی اشارہ فرمایا کہ:۔ ؎

سر سے میرے پاؤں تک وہ یار مجھ میں ہے نہاں ۔۔ اے مرے بدخواہ کرنا ہوش کرکے مجھ پہ وار

انبیاء کی فہرست میں کسی نام کا اضافہ کرنا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کرشن پر سید حبیب نے ایک اعتراض یہ کیا ہے کہ

"جن انبیاء علیہم السلام کا قرآن پاک میں نام بنام ذکر موجود ہے۔ جس طرح ان میں سے کسی کا انکار کفر ہے۔ اسی طرح ان میں کسی کا نام لیکر اضافہ کرنا بھی اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے" (تحریک قادیان صـ۱۹۷)

مگر تعجب ہے۔ ایک طرف تو انہوں نے اپنا یہ عقیدہ ظاہر کیا ہے۔ مگر دوسری طرف لکھتے ہیں۔ اگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نام لیکر کہدیں۔ کہ فلاں شخص نبی ہوا ہے۔ تو اسے تسلیم کرلینا چاہیئے۔ خواہ قرآن مجید میں اس کا کوئی ذکر نہ ہو۔ جیسا کہ لکھتے ہیں:۔

"سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ خداوند کریم نے جس کا نام نہیں لیا۔ اس کا نام لینے کا حق کس کو ہے۔ کیا محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ ورنہ حدیث موجود ہوتی۔ کہ فلاں فلاں فلاں رسول یا رسولوں کے نام خدا نے تو نہیں لئے لیکن رسول اللہ نے ان کی تخصیص نام بہ نام فرمائی" (صـ۱۹۵)

حالانکہ جب کسی ایسے نبی کا نام لینا جس کا قرآن مجید نے کوئی ذکر نہ کیا ہو۔ قرآن کریم کی تکمیل پر دھبہ لگاتا اور یہ اعتراض قائم کرتا ہے۔ کہ گویا نعوذ باللہ قرآن نامکمل نازل ہوا تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے نام لینے پر بھی تو یہی اعتراض پیدا ہوجائیگا۔ کہ جب خدا تعالےٰ نے قرآن مجید میں فلاں شخص کو نبی قرار نہیں دیا تھا۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ کیا حق تھا۔ کہ اسے نبی قرار دیتے۔ ایسی صورت میں سید حبیب کیا جواب دیں گے کیا یہ کہ گو قرآن مجید میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ مگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو چونکہ الہاماً اللہ تعالےٰ نے اس نام سے مطلع فرمایا۔ اس لئے اسے نبی تسلیم کرلینا چاہیئے۔ مگر اس جواب کو تو وہ خود یہ کہکر رد کرچکے ہیں۔ کہ:۔

"اگر اللہ تعالےٰ بذریعہ الہام کسی ایسے نبی کی بعثت کی تصدیق کرے۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں موجود نہیں۔ تو وہ تکمیل قرآن الحکیم کے مرادف ہوگی۔ اور یہ بات بھی تعلیم قرآن کے

خلاف ہے۔" (ص ۱۹۹)

پھر اور کیا جواب ہے۔ جو وُہ دے سکتے ہیں؟ اور اگر کوئی جواب نہیں۔ تو ظاہر ہے کہ ان کی دونوں باتوں میں سے ایک بات ضرور غلط ہے۔ یا تو یہ غلط ہے۔ کہ قرآن کریم میں جن انبیاء علیہم السّلام کا نام موجود ہے۔ ان میں کسی نام کا اضافہ کرنا خلافِ اسلام ہے۔ یا یہ غلط ہے۔ کہ گو قرآن کریم کے بیان کردہ انبیاء کی فہرست میں کسی نام کا اضافہ کرنا خلافِ اسلام ہے۔ لیکن رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اگر کسی کی نبوت کی تخصیص فرما دیں۔ تو اسے درست تسلیم کر لینا چاہئے۔

مفسّرین نے انبیاء کی فہرست میں اضافہ کیا

حقیقت یہ ہے۔ کہ سیّد حبیب نے جو پہلا نظریہ قائم کیا ہے۔ وہی باطل اور بے ثبوت ہے۔ یعنی یہ کہنا کہ جن انبیاء علیہم السّلام کا قرآنِ پاک میں نام بنام ذکر موجود ہے۔ ان میں کسی کا نام لیکر اضافہ کرنا اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے۔ بالکل نادرست اصل ہے۔ اور اس کے غیر صحیح ہونے پر امت محمّدیہ کے اسلاف کی کئی شہادتیں موجود ہیں۔ میں مثال کے طور پر بعض ایسے لوگوں کے نام پیش کرتا ہوں۔ جنہیں قرآن مجید نے قطعًا نبی قرار نہیں دیا۔ مگر مسلمانوں میں سے ایک طبقہ انہیں نبی سمجھتا رہا۔ بلکہ آج تک نبی سمجھتا ہے۔

(۱) سورۂ کہف میں ذوالقرنین کا ذکر آتا ہے۔ قرآنِ کریم نے انہیں ایک جگہ بھی نبی قرار نہیں دیا۔ مگر مسلمانوں میں سے بعض انہیں نبی سمجھتے اور اس کے لئے دلائل پیش کرتے ہیں۔ جیسا کہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔ اختلفوا فی ذی القرنین هل کان من الانبیاء ام لا۔ منهم من قال انه کان نبیًا و احتجو علیه بوجوه (جلد ۵ ص ۵۲)
یعنی اس بارے میں اختلاف ہے۔ کہ ذوالقرنین نبی تھے۔ یا نہیں۔ بعض مسلمان ان کے نبی ہونے کے قائل ہیں۔ اور اس دعوے کے ثبوت میں وہ کئی دلائل پیش کرتے ہیں۔

(۲) قرآن کریم میں حضرت خضر علیہ السّلام کا فوجدا عبدًا من عبادنا (سورۂ کہف) کے الفاظ میں ذکر آتا ہے۔ اور یہ قطعًا بیان نہیں کیا گیا۔ کہ وہ نبی تھے۔ مگر لکھا ہے کہ قال الاکثرون ان ذالک العبد کان نبیًّا (تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۴۳) مسلمانوں میں سے اکثر اس بات کے قائل ہیں۔ کہ وُہ نبی تھے۔

(۳) حضرت لقمان کی نبوّت کا قرآن کریم میں کہیں ذکر نہیں۔ مگر مسلمانوں میں سے ایک طبقہ انہیں بھی نبی قرار دیتا ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر ابن جریر جلد ۲۱ ص ۴۳ و تفسیر حسینی جلد ۲ ص ۲۳۵)

(۴) سورۂ یٰسٓ میں۔ واضرب لهم مثلًا اصحاب القریة۔ اذ جاءها المرسلون۔ اذ ارسلنا الیهم اثنین فکذبوهما فعززنا بثالث فقالوا انا الیکم مرسلون۔ کہکر تین رسولوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مگر ان تینوں میں سے ایک کا بھی نام نہیں لیا گیا۔ مفسرین میں سے بعض کہتے ہیں۔ کہ یہ حضرت عیسٰے علیہ السّلام کے ارسال کردہ رسول تھے۔ اور حضرت ابن عباس اور کعب کہتے ہیں۔ کہ هم رسل اللّٰہ تعالٰی یعنی یہ اللہ تعالےٰ کے رسول تھے مگر بہر حال اللہ تعالٰے نے ان رسولوں کا نام نہیں لیا۔ اب دیکھئے مفسرین کیا کہتے ہیں۔ وُہ لکھتے ہیں۔ الاثنان قیل یوحنا و بولس وقال مقاتل تومان و بولس وقال شعیب الجبائی شمعون و یوحنا وقال وهب و کعب صادق و صدوق وقیل نازص و مارودص" یعنی اس آیت میں پہلے جن دو رسولوں کا ذکر آتا ہے۔ ان کا نام یوحنا اور پولس تھا۔ بعض کہتے ہیں۔ تومان اور پولس تھا۔ شعیب الجبائی کہتے ہیں۔ ان کا نام شمعون اور یوحنا تھا۔ وہب و کعب کہتے ہیں۔ کہ ان کا نام صادق و صدوق تھا۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ ان کا نام نازوص اور ماروص تھا۔

اسی طرح فعززنا بثالث کے متعلق لکھا ہے "هو علی ما روی عن ابن عباس شمعون الصفا و یقال سمعان ایضًا وقال وهب و کعب شلوم و عند شعیب الجبائی بولص" (تفسیر روح المعانی جلد ۷ ص ۲۰۲) یعنی تیسرے رسول کا نام کوئی تو شمعون بتاتا ہے۔ کوئی سمعان اسی طرح کوئی شلوم بتاتا ہے۔ اور کوئی پولس۔ اگر قرآن کریم نے جن انبیاء کا نام لیا ہے ان میں کسی نبی کے نام کا اضافہ کرنا خلافِ اسلام ہے۔ تو بتایا جائے ان مفسرین نے کیوں ایسے لوگوں کو نبی قرار دیا۔ جن کی نبوت کا بقید نام قرآن کریم میں کہیں ذکر نہیں۔

حضرت خالد بن سنان کی نبوّت

پھر اور دیکھئے۔ سورۂ مائدہ میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ یا اهل الکتاب قد جاءکم رسولنا یبیّن لکم علی فترة من الرسل (ع ۳) یعنی اے اہل کتاب رسولوں کے ایک لمبے وقفہ کے بعد ہم نے تمہارے پاس یہ رسول بھیجا ہے۔ اس پر مفسرین لکھتے ہیں کہ کان بین عیسٰی و محمد اربعة من الرسل فذالک قوله تعالٰی اذ ارسلنا الیهم

اثنین فکذبوھما فعززنا بثالث یعنی حضرت عیسےٰ علیہ السّلام اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان چار نبی ہوئے ہیں۔ جن میں سے تین تو وُہ ہیں جن کا سورہ یٰسٓ میں ذکر آتا ہے اور چوتھے نبی کے متعلق لکھا ہے۔ کہ ان کا نام خالدبن سنان تھا۔ (جمل لابی البقاء جلد اول صفحہ ۴۹۹ وتفسیر حسینی جلد اول صفحہ ۱۲۹)

(۶) اسی طرح آیت کریمہ اوکالذی مرّ علیٰ قریۃ کے ماتحت تفاسیر میں لکھا ہے۔ کہ کان نبیًا وکان اسمہ ارمیا۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۱۱) یعنی یہ گذرنے والا شخص نبی تھا اور اس کا نام یرمیاہ تھا۔

(۷) حضرت عزیر۔ [illegible] کے متعلق بھی باوجود اس کے کہ قرآن مجید میں ان کی نبوت کا کہیں ذکر نہیں [illegible] مسلمان یہ کہتے ہیں۔ کہ وُہ نبی تھے۔ (ملاحظہ ہو فتوحاتِ مکیہ جلد ۲ صفحہ ۱۷)

مفسرین کے ان اقوال سے ظاہر ہے۔ کہ مسلمانوں نے باوجودیکہ ذوالقرنین۔ خضر۔ لقمان۔ یوحنا۔ پولس۔ خالدبن سنان یرمیاہ اور عزیر وغیرہ کی نبوت کا قرآن کریم میں کہیں ذکر نہیں۔ انہوں نے ان لوگوں کو نبی قرار دیا۔ اور اسے خلاف اسلام قرار نہ دیا۔ اور نہ اس عقیدہ کو تکمیل قرآن کے منافی سمجھا۔ پس انبیاء کی فہرست میں اگر حضرت کرشن کا نام بھی بعض یقینی شواہد کی بناء پر شامل کر دیا جائے۔ تو یہ خلافِ اسلام کس طرح ہو سکتا ہے۔

حضرت کرشن کی نبوت کا رسول کریم صلعم کی ایک حدیث میں ذکر

دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ حضرت کرشن علیہ السلام کی نبوت کا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی احادیث میں ذکر فرمایا ہے۔ اور چونکہ سیّد حبیب کا یہ تسلیم کردہ اصل ہے۔ کہ اگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کسی کا نام لیکر اس کی نبوت کی تخصیص فرمادیں۔ تو اسے بہرحال قبول کر لینا چاہئیے اس لئے ہم انہیں بتانا چاہتے ہیں۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم آج سے تیرہ سو سال پہلے یہ فرما چکے ہیں۔ کہ کان فی الھند نبیًا اسود اللون اسمہ کاھنا (تاریخ ہمدان دیلمی باب الکاف) یعنی ہندوستان میں ایک سیاہ رنگ کا نبی گذرا ہے۔ جس کا نام کنھیا یعنی کرشن تھا۔ پس حضرت کرشن کو نبی قرار دینا نہ صرف یہ کہ خلاف اسلام نہیں۔ بلکہ اسلام اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے منشاء کے عین مطابق ہے۔

بیشک آج مسلمانوں پر یہ گراں گذرتا ہے۔ کہ وُہ حضرت کرشن کو نبی تسلیم کریں۔ مگر انہیں معلوم ہونا چاہئیے۔ کہ خدا تعالیٰ نے ہر قوم میں اپنے رسول اور پیغمبر بھیجے ہیں۔ وہ خود فرماتا ہے وان

من امۃٍ الّاخلا فیھا نذیر (فاطر ع ۳) یعنی دُنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں گذری جس میں ہماری طرف سے کوئی نذیر نہ آیا ہو۔ اور ہندو بھی اسی کی ایک قوم ہے جس میں انبیاء کا آنا اس آیت کے ماتحت تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے جیسا کہ صفت رب العالمین کے ماتحت ہر ملک کے باشندوں کی ان کے مناسب حال جسمانی تربیت کی۔ اسی طرح اس نے ہر ملک اور قوم کو روحانی تربیت سے بھی فیضیاب کیا۔ تاکسی قوم کو شکایت کرنے کا موقعہ نہ ملے۔ اور وُہ یہ نہ کہہ سکے۔ کہ خدا نے فلاں قوم پر تو احسان کیا۔ مگر ہم پر نہ کیا۔ حضرت کرشن بھی نبیوں کے اسی عالمگیر سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں جو ہندوؤں کی طرف مبعوث ہوئے۔ کیونکہ لاکھوں دل آپ کی عقیدت سے پُر ہیں۔ اور وُہ آپ کو اوتار مان کر آپ کی باتوں کو بڑی عزت اور توقیر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ پس یہ اسلام کی تعلیم کے بالکل خلاف ہوگا۔ اگر ہم حضرت کرشن کو ان من امۃٍ الاخلا فیھا نذیر کے مطابق خدا تعالےٰ کا ایک نذیر قرار نہ دیں۔ اور یہ خیال کرلیں۔ کہ ہزاروں سال سے ایک قوم کو خدا تعالےٰ نے نبی کے بغیر رکھا ہوا ہے۔ اور یہ کہ وُہ بلاوجہ آپ کی عقیدتمندی کا جُوا اپنی گردنوں پر اٹھائے چلی آرہی ہے۔

حضرت کرشن کے نبی اللہ ہونے پر سنجیدہ مسلمانوں کی شہادتیں

لیکن عام مسلمانوں کے اطمینان قلب کے لئے بعض اور لوگوں کے حوالجات بھی پیش کئے جاتے ہیں:۔

(۱) مولوی وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:۔

"یہ بھی یاد رہے۔ کہ حضرت کرشن علیہ السّلام خدا کے ایک برگزیدہ اور راستباز انسان تھے۔ اور وُہ اپنے زمانہ میں اپنی قوم کے لئے خدا کی طرف سے نذیر ہو کر آئے تھے کیونکہ قرآن مجید میں ہے۔ وان من امۃٍ الاخلا فیھا نذیر۔ اس آیت سے یہ صاف نکلتا ہے۔ کہ ہر ملک اور ہر قوم میں اللہ تعالےٰ کے پیغمبر ہو چکے ہیں۔" (تفسیر وحیدی زیر آیت وان من امۃٍ الاخلا فیھا نذیر)

(۲) مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانیٔ مدرسۂ دیوبند لکھتے ہیں:۔

"رامچندر۔ کرشن نبی تھے۔" (ست دھرم وچار مصنفہ مولوی صاحب موصوف صفحہ ۸)

(۳) حضرت مرزا مظہر جان جاناں صاحب کے متعلق لکھا ہے۔ کہ انہوں نے حضرت کرشن کے متعلق ایک کشف دیکھا۔ تو اس کی تعبیر میں فرمایا:۔

"قرآن مجید میں آچکا ہے۔ کہ ہر قریہ میں ہدایت کرنے والا گذرا ہے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ ہندو میں بھی کوئی ہادی گذرا ہوگا۔ اس نقد پر ہو سکتا ہے۔ کہ یہ لوگ اپنے عہد میں ولی ہوں یا نبی" (رسالہ ارشاد رحمانی طبع اول صفحہ ۴)

(۴) خواجہ حسن نظامی صاحب لکھتے ہیں۔

"سری کرشن بھی ہندوستان کے ہادی تھے۔ ان کو بھی ایکٹر ہی اور اعلیٰ قوم کی رہبری پر مامور کیا" (کرشن بیتی صفحہ ۳۹)

(۵) مولوی ظفر علی خان صاحب ایڈیٹر اخبار زمیندار لاہور نے بارہا حضرت کرشن کو نبی لکھا ہے۔ ایک جگہ تحریر کرتے ہیں:۔

"کوئی قوم اور کوئی ملک ایسا نہیں ہوا۔ جس کی برائیوں کی اصلاح کے لئے خدائے بزرگ و برتر نے خاص خاص اوقات میں اپنا کوئی برگزیدہ بندہ نبی یا مرسل یا مامور کے طور پر مبعوث نہ کیا ہو۔ سری کرشن نبیوں کے اسی عالمگیر سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے" (اخبار پرتاپ لاہور کا کرشن نمبر ۲۸ اگست ۱۹۲۹ء)

بنی نوع انسان کو قبول حق کی دعوت

ان حوالجات سے ظاہر ہے۔ کہ مسلمانوں کا متین اور سنجیدہ طبقہ جو رب العالمین کی ربوبیت عامہ پر نگاہ دوڑاتا اور اللہ تعالےٰ کے اس فرمودہ پر غور کرتا ہے۔ کہ ان من امۃ الاخلا فیھا نذیر۔ وہ اس حقیقت کا بتدریج قائل ہوتا جا رہا ہے۔ کہ حضرت کرشن اللہ تعالےٰ کے ایک نبی تھے۔ جو سرزمین ہند میں مبعوث ہوئے۔ وہ روح القدس کے حامل تھے۔ کامل اور راستباز انسان تھے۔ فتح مند اور با اقبال تھے۔ نیکی سے دوستی اور شر سے دشمنی رکھتے تھے۔ آریہ ورت کی زمین کو انہوں نے پاپ سے صاف کیا۔ اور ہندوں کو اپنے مولے کا والہ و شیفتہ بنا دیا۔ انہی کی مبارک زبان سے خدا تعالےٰ نے یہ وعدہ فرمایا تھا ؎

چوں بنیاد دیں سست گردد بسے
نمائیم خود را بشکلِ کسے

یعنی دین کی بنیاد جب کمزور ہو جائے گی۔ تو اس وقت کسی مقدس انسان کی شکل میں ہم اپنا جلوہ دکھائیں گے۔ سو مبارک اے کرشن کا انتظار کرنے والو کہ تمہاری مدت کی آرزوئیں بر آئیں۔ تمہارا آقا تمہارے پاس چل کر آیا۔ اور اس نے تمہاری بیکسی و بے بسی کو دیکھکر اور بڑھتے ہوئے طوفانِ ضلالت کا مشاہدہ کر کے دنیا سے گمراہی و ضلالت کو مٹانے کا خود تہیہ کر لیا۔ پس آؤ اور اس کے ساتھ ہو جاؤ۔ کہ اب اس کے بعد کوئی کرشن نہیں۔ جو کلجگ میں آئے گا۔ اور کوئی مسیح نہیں۔ جو بادلوں سے فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ دھرے اُترے گا۔ آسمان کی راہیں تکنا فضول ہے۔ اور زمین پر کسی اور کو تلاش کرنا عبث۔ جو آچکا وہ وہی ہے۔ جو قادیان کی مبارک سرزمین میں آیا۔ اور جس کا نام خدا نے زمین و آسمان میں احمدؑ رکھا۔ سو خدا کی حمد کے گیت گاؤ۔ کہ تمہیں ایک نبی کا زمانہ دیکھنا نصیب ہوا۔ اور اپنے بخت کو بلند سمجھو۔ کہ اس نے تمہیں عین ضرورت کے وقت اپنا رسول بھیجکر سنبھالا۔ اس نادان انسان کی طرح مت بنو۔ جو اپنے آقا کے تحفہ کو رد کر دیتا اور اس کی ناراضگی کا مورد بن جاتا ہے۔ بلکہ تم اپنے ادب کے گھٹنے اس شہنشاہِ حقیقی کے آگے جھکا دو۔ جس کے آگے جھکنا ہی باعث عزت ہے۔ اور جس کے آگے فروتنی ہی انسان کو بلند کرنے والی ہے تمھیں چاہئے۔ کہ اپنی عمر کو ناپائدار سمجھو۔ اور اس برگزیدہ انسان کی مقدس جماعت میں جلد تر شامل ہو کر اپنے ایمانوں کو درست کرو۔ جس کے ساتھ ہونے سے کئی مُردے ہیں۔ جو زندہ ہوئے۔ کئی اندھے ہیں جو بینا ہوئے۔ اور کئی بہرے ہیں۔ جو شنوا ہوئے۔ پس اٹھو کہ اب زمانہ بدل گیا۔ خدا نے چاہا ہے۔ کہ اب نئی زمین اور نیا آسمان بنائے۔ وہ چاہتا ہے۔ کہ پہلے نظام کو بدل کر اب نیا نظام قائم کرے۔ وہ چاہتا ہے۔ کہ اب شیطان کو آخری شکست دے کر اُسے ہمیشہ کی موت مار دے۔ اس لئے خدا کے ارادوں میں حائل مت بنو۔ اور یقیناً سمجھو۔ کہ کاذبوں کے اور منہ ہوتے ہیں۔ اور صادقوں کے اور۔

تم اعتراضات سے مت گھبراؤ۔ کہ آج تک کوئی صادق نبی ایسا نہیں گذرا۔ جس پر دشمنوں نے اعتراضات نہ کئے ہوں۔ مخالفانہ لٹریچر سے متاثر مت ہو۔ کہ

خلاف واقعہ امور درج ہوتے ہیں۔ تم اپنی بصیرت کی آنکھ کھول کر جائزہ لو۔ اور دیکھو کہ آج تمہیں اسلام کا حقیقی نمونہ کس میں نظر آ رہا ہے۔ کون ہیں جو دُنیا کے کونے کونے میں اشاعت اسلام کر رہے ہیں۔ کون ہیں۔ جن کے سروں میں دیوانگی ہے۔ کون ہیں جن کے چہروں پر الٰہی نور ہے۔ کون ہیں جن کے دلوں میں خدائی عظمت ہے۔ کون ہیں۔ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل عاشق اور آپ کے نام پر اپنی جانیں قربان کرنے والے ہیں۔ کون ہیں جو دشمنانِ اسلام کے سامنے ہمیشہ سینہ سپر رہنے والے ہیں۔ کون ہیں جو یہ ولولہ اور تڑپ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ کہ ساری دنیا کو حلقہ بگوشِ اسلام بنائیں۔ اور انہیں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دیں۔ اگر تم غور کرو گے۔ تو تمہیں پتہ لگے گا۔ کہ سوائے جماعتِ احمدیہ کے اور کوئی جماعت دنیا میں ایسی نہیں جو صفاتِ مذکورہ سے متصف ہو۔ پس آؤ۔ کہ خدا کی رحمت کے دروازے کھل گئے اور اس کا مسیح تم میں ظاہر ہو گیا۔ آسمان پر روحانی سورج کا طلوع ہوا۔ اور اس کی کرنوں نے زمین کی پاتال تک کو روشن کر دیا۔ اگر تمہاری آنکھیں اس نور سے ابھی تک منور نہیں ہوئیں۔ تو فکر کرو۔ کہ مبادا تمہیں کوئی مرض لاحق ہو۔ مبادا تم نے کھڑکیوں کو اپنے ہاتھ سے بند کر رکھا ہو۔ مبادا تم اسی غفلت میں پڑے رہو۔ اور یہ قیمتی متاع ضائع کر دو۔ پس سمعنا وعصینا نہ کہو۔ کہ یہ کفار و منافقین کا شیوہ ہے۔ بلکہ سمعنا واطعنا کہو۔ کہ خدا کے حضور وہی معزز ہوتا ہے۔ جو اس کی باتوں پر کان دھرتا ہے۔ مگر وُہ جو اس کے ماموُر کو رد کر دیتا ہے۔ درگاہِ الٰہی سے راندہ جاتا ہے۔ اس نعمت کو حاصل کرو۔ اگرچہ اس کے بدلے تمہیں ساری دنیا چھوڑنی پڑے۔ اور اس موتی کو خریدو۔ اگرچہ جان دیکر خریدنا پڑے۔ اور یقیناً یاد رکھو۔ کہ وُہ شخص جو خدا کے لئے کسی چیز کو کھوتا ہے۔ اُسے پاتا ہے۔ اور وہ جو اس کے لئے مرتا ہے۔ حیاتِ ابدی کا وارث ہوتا ہے۔

وآخرد عونا ان الحمد للہ رب العلمین

خاکسار:۔ محمد یعقوب مولوی فاضل اسسٹنٹ ایڈیٹر "الفضل" قادیان